نجوم البراعة
في
دروس البلاغة

علی اعجاز عطاری
غفر اللہ القوی ذنبہ الخفی والجلی

دار الکتب البحثیة

نجوم البراعة في دروس البلاغة

علي إعجاز عطّاري

غفر الله القوي ذنبه الخفي والجلي

دار الكتب البحثيّة

المحتويات مع الأرقام

علم المعاني

علم البيان

علم البديع

محسّنات معنويّة

محسّنات لفظيّة

خاتمة

کتاب کی خصوصیات

یہ کتاب بحمد اللہ تعالی مندرجہ ذیل خصوصیّات کی حامل ہے:۔

- عبارت کے ہر لفظ اور حرف پر اعراب
- صیغوں کی صرفی تحقیق
- ابواب کی تعیین
- الفاظ کی لفظی و معنوی تبیین۔
- پھر عبارت کی اردو ترجمہ کے ساتھ تزیین
- عبارت کی لفظ بہ لفظ سوال وجواب یا عمومی طریقہ پر تشریح
- کچھ اضافی اور ضروری قواعد وفوائد کی تضمین
- کتابی اور خارجی مثالوں کے ساتھ، قواعد کی توضیح
- مذکور اشعار کے پس منظر کی تقریر
- اور بالخصوص عبارتِ مقدّمہ وعلم المعانی کی سہل عربی میں مختصر ترکیب، ان فارغ التحصیل علما کے لیے جو تدریسی ٹیسٹ پاس کرنے کے خواہشمند ہیں۔

اللہ کریم میری اس کاوش کو متعلّمین و معلّمین دونوں کے لیے نفع بخش بنائے اور ان کے صدقے، مجھے اور میری اولاد کو علمائے حقّہ کا حقیقی خادم بنائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم۔

خطبه

تمام تعریفیں اور خوبیاں اس بے نیاز کی، جس نے قلوبِ بنی آدم کو معانی سے آراستہ کیا اور زبان کو بیان سے پیراستہ کیا اور کلام کو امور محسّنہ سے بدیع کیا۔

درود و سلام ہو ان پر، جنہیں فصل خطاب سے نوازا، اصحاب پر، جنہوں نے ذات والا پر سب وارا، آل پر، جنہوں نے اسلام کو خوب نکھارا، ان سب پر، جنہوں نے روئے جناب والا دامن پسارا اور بالخصوص میرے شفیق والدین، تمام اساتذہ اور پیر و مرشد حضرت علّام ابو بلال محمد الیاس عطّار قادری متّعنی اللہ بطول حیا تہم پر، جنہوں نے مجھے سنوارا۔

علم بلاغت نظم قرآن و حدیث کے حقائق و دقائق اور عجائب و غرائب سمجھنے کے لیے علم اجلّ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ بے اس علم کے، بحر قرآن و حدیث کے غوّاص، یکسر بعید از جواہر ولآلی ہیں۔ "**دروس البلاغۃ**" علم بلاغت کی ایک بنیادی کتاب ہے جو کہ عمومی طور پر، درس نظامی کے دوسرے یا تیسرے سال میں طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے۔ چونکہ فن بلاغت پر، یہ ایک بنیادی کتاب ہے اس لیے مناسب جانا کہ اس کتاب کی اردو زبان میں مختصر، جامع ومانع (Concise: Inclusive & Exclusive) شرح لکھی جائے جو طلبہ کے لیے فائدہ مند ثابت ہو۔ بس اسی مقصد کی خاطر آپ کے ہاتھ میں موجود کتاب بنام "**نجوم البراعۃ فی دروس البلاغۃ**" تحریر کی۔

لا محالہ مجھے بلکہ ہر مومن کو، ہر لحظہ، اللہ تعالی کی بارگاہ اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی جناب سے فضل و کرم کی امید واثق رکھنی چاہیے لہذا اللہ کریم میری اس کوشش کو اپنے ہاں قبول فرمائے اور اس کو مبتدیانِ بلاغت اور تشنگانِ براعت کے لیے مشعلِ راہ بنائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عُلُوْمُ الْبَلَاغَةِ (Rhetoric)

اَلْفَصَاحَةُ وَالْبَلَاغَةُ (The Eloquence)

مُقَدّمَةٌ فِيْ الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ...

ترجمہ: یہ فصاحت وبلاغت کے معنی بیان کرنے میں مقدمہ ہے۔

تشریح:

سوال: مصنف رحمہ اللہ کو "علم البلاغة" کہنا چاہیے تھا؛ کیونکہ بلاغت علم واحد ہے۔

جواب: بلاغت تین علوم یعنی علم معانی، علم بیان اور علم بدیع کے مجموعہ کا نام ہے اس لیے علوم البلاغۃ کہا۔

سوال: "مقدّمة" کو نکرہ ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: "مقدّمة" یہاں پر مبتدا محذوف کی خبر ہے اور خبر میں اصل (Rule) تنکیر یعنی نکرہ ذکر کرنا ہے جبکہ مبتدا میں اصل تعریف یعنی معرفہ ذکر کرنا ہے۔

سوال: مقدمہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: مقدمہ دال کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے اور ہر دو صورت میں مقدمہ کا معنی کسی بھی شے کا پہلا حصہ ہے۔

مقدمہ کی دو قسمیں ہیں:۔

1. **مقدمة العلم:** یعنی کلام کا وہ حصہ جو کسی بھی علم میں شروع ہونے کی بنیاد بنے۔ مقدمہ کی اس قسم میں اس علم کی تعریف، موضوع، غرض وغایت ذکر کی جاتی ہے۔
2. **مقدمة الکتاب:** یعنی کلام کا ایسا حصہ جو مقصود سے پہلے اس لیے ذکر کیا جاتا ہے تاکہ طالب علم کو مقصود سمجھنے میں زیادہ آسانی اور زیادہ فائدہ ہو۔

البتہ یہاں پر مقدمہ سے مراد مقدمۃ الکتاب ہے مقدمۃ العلم نہیں؛ کیونکہ اس مقدمہ میں علم بلاغت کی تعریف، موضوع، غرض وغایت ذکر نہیں کی گئی بلکہ کچھ ایسی ضروری اصطلاحات کی تعریفات ذکر کی گئی ہیں

جن کی بدولت اس فن کے مقصود یعنی علم معانی، علم بیان اور علم بدیع کو سمجھنا طالب علم کے لیے زیادہ آسان اور زیادہ فائدہ مند ہو گا۔

سوال: مقدمہ لفظ کہاں سے اخذ (Derive) کیا گیا ہے؟

جواب: یہ مقدمۃ الجیش سے لیا گیا ہے اور مقدمۃ الجیش سے مراد فوج کا ایسا دستہ جو باقی فوج کے دستوں سے انتظامات کی خاطر آگے ہو اس مقدمہ اور مقدمۃ الجیش میں مناسبت بھی یہی ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک آگے رہتا ہے یہ مقدمہ مقصود سے آگے اور مقدمۃ الجیش باقی دستوں سے آگے۔

سوال: مقدمہ کو مقدمہ کیوں کہتے ہیں؟

جواب: مقدِمہ باب تفعیل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی آگے کرنے والا کلام کا حصہ چونکہ یہ اپنے جاننے والے کو نہ جاننے والے سے علم میں آگے کر دیتا ہے اس لیے مقدمہ کو مقدمہ کہتے ہیں اور اگر مقدِمہ کو باب تفعیل سے اسم فاعل کا صیغہ قرار دینے کے بعد، متقدمہ کے معنی میں رکھا جائے یعنی اس کا معنی باب تفعل کے اسم فاعل والا کیا جائے تو معنی ہو گا آگے آنے والا کلام کا حصہ چونکہ یہ مقصود سے آگے یعنی پہلے آنے والا ہوتا ہے اس لیے مقدمہ کو مقدمہ کہتے ہیں۔

الترکیب

قوله:"مقدمة" خبر لمبتدأ محذوف أي هذه. وقوله:"في الفصاحة والبلاغة" متعلق ب"مقدمة".

اَلْفَصَاحَةُ فِي اللُّغَةِ تُنْبِئُ عَنِ الْبَيَانِ وَالظُّهُورِ يُقَالُ أَفْصَحَ الصَّبِيُّ فِيْ مَنْطِقِهِ[1] إِذَا بَانَ[2] وَظَهَرَ كَلَامُهُ وَتَقَعُ[3] فِي الْاِصْطِلَاحِ وَصْفًا لِلْكَلِمَةِ وَالْكَلَامِ وَالْمُتَكَلِّمِ ...

ترجمہ: فصاحت لغوی لحاظ سے بیان و ظہور کی خبر دیتی ہے۔"أفصح الصبي في منطقه." تب بولا جاتا ہے جبکہ بچے کی گفتگو واضح اور ظاہر ہو جائے اور اصطلاح میں فصاحت کلمہ، کلام اور متکلم کی صفت بنتی ہے۔

تشریح: فصاحت کا لغت میں لزومی معنی بیان اور ظہور ہے یعنی فصاحت کا لغوی معنی زبان کا لکنت سے پاک اور گفتگو کا عمدہ ہونا ہے اور یقیناً اس کو لازم ہے گفتگو کا واضح اور ظاہر ہونا اور یہی وجہ ہے کہ مصنف نے فصاحت کا معنی بیان کرتے ہوئے "تنبئ عن البيان والظهور." کہا، "الفصاحة هي البيان والظهور." نہیں کہا۔ اہل عرب میں "أفصح الصبي في منطقه." محاورہ بولا جاتا ہے اور یہ تب بولا جاتا ہے جب بچے کی گفتگو عمدہ اور لکنت سے پاک ہو جائے اور فصاحت اصطلاحی طور پر کلمہ، کلام اور متکلم کی صفت بنتی ہے لیکن فصاحت کا موصوف کے لحاظ سے معنی مختلف ہوتا ہے یعنی فصاحت جب کلمہ کی صفت بنے تو معنی کچھ اور، اور جب کلام کی صفت بنے تو معنی کچھ اور، اور جب متکلم کی صفت بنے تو معنی کچھ اور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف رحمہ اللہ کوئی ایسی تعریف نہیں کر سکے جو تینوں معانی (Three Definitions) کو شامل ہو۔

[1] المنطق مصدر ميمي بفتح الميم وسكون النون وكسر الطاء من النطق من نصر ينصر كما في قوله تعالى "وعلّمنا منطق الطير" (النمل: آية 16).

[2] أصله "بين" من ضرب يضرب فبدلت الياء بالألف لوقوعها بعد الفتحة.

[3] أصله "توقع" من فتح يفتح فأسقطت الواو لوقوعها بين علامة المضارع المفتوحة وكلمة العين المفتوحة.

التركيب

قوله: "في اللغة" صفة ل"الفصاحة" وهي مبتدأ لقوله "تنبئ"، وقوله: "عن البيان والظهور" متعلق ب"تنبئ". قوله: "يقال أفصح الصبي في منطقه" جزاء مقدم لقوله: "إذا بان وظهر كلامه" و "أفصح الصبي في منطقه" بتأويل المفرد نائب الفاعل ل"يقال" وإن جعلت "إذا" بمعنى "حين" وهو مضاف إلى الجملة فيكون مفعولا فيه ل"يقال". قوله: تقع إلخ معطوف على قوله: "تنبئ" وقوله: "في الاصطلاح" متعلق ب"تقع"، وقوله: "للكلمة والكلام والمتكلم" متعلق ب"وصفا" ثم هو تمييز بالنسبة.

فَفَصَاحَةُ الْكَلِمَةِ سَلَامَتُهَا مِنْ تَنَافُرِ الْحُرُوْفِ وَمُخَالَفَةِ الْقِيَاسِ وَالْغَرَابَةِ...

ترجمہ: پس فصیح کلمہ وہ ہے جو حروف کے تنافر، قیاس کی مخالفت اور غرابت سے خالی ہو۔

تشریح:

سوال: فصاحتِ کلمہ کو فصاحتِ کلام اور فصاحتِ متکلم سے پہلے ذکر کیوں کیا؟

جواب: حقیقت میں فصاحتِ کلام اور فصاحتِ متکلم سمجھنے کے لیے پہلے فصاحتِ کلمہ کے بارے میں جاننا ضروری ہے، جیسے دو کو جاننے کے لیے ایک کا جاننا ضروری ہے اسی لیے فصاحتِ کلمہ کو باقی دو سے پہلے ذکر کیا۔

سوال: کیا کلمہ کے فصیح ہونے کے لیے کلمہ کا ان تینوں یعنی تنافرِ حروف، مخالفتِ قیاس اور غرابت سے خالی ہونا ضروری ہے؟

جواب: جی ہاں، کلمہ کے فصیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تینوں سے خالی ہو اور اگر ان تینوں میں سے کوئی ایک بھی پایا گیا تو کلمہ فصیح نہیں ہو گا۔

الترکیب

قوله: "ففصاحة الكلمة" مبتدأ لما بعده، وقوله: من تنافر الحروف إلخ متعلق بالمصدر أي "سلامة".

فَتَنَافُرُ الْحُرُوْفِ وَصْفٌ فِي الْكَلِمَةِ يُوْجِبُ ثِقْلَهَا عَلَى اللِّسَانِ وَعُسْرَ النُّطْقِ بِهَا...

ترجمہ: پس تنافرِ حروف کلمہ میں پائے جانے والا ایسا وصف ہے جو کلمہ زبان پر ثقیل اور اس کا تلفظ (Pronunciation) مشکل بناتا ہے۔

تشریح:

سوال: کلمہ کا ثقیل اور عسیر النطق ہونا دونوں میں کیا فرق ہے؟

جواب: دونوں سے مراد ایک ہی ہے بلکہ یوں کہنا غلط نہیں کہ جو کلمہ ثقیل یعنی زبان پر بھاری ہو گا، اس کلمہ کا تلفظ بھی زبان پر مشکل ہو گا۔

الترکیب

قوله: "فتنافر الحروف" مبتدأ لما بعده، وقوله: "في الكلمة" متعلقبثابت ثم صفة أولى لوصف، وقوله يوجب ثقلها إلخ صفةثانية، وقوله: "على اللسان" متعلق بثقل و"بها" بالنطق.

نَحْوُ الظَّشِّ لِلْمَوْضِعِ الْخَشِنِ وَالْهُعْخُعِ لِنَبَاتٍ تَرْعَاهُ الْإِبِلُ وَالنُّقَاخِ لِلْمَاءِ الْعَذْبِ الصَّافِيْ وَالْمُسْتَشْزِرِ لِلْمَفْتُوْلِ...

ترجمہ: تنافرِ حروف کی مثالیں، جیسے: "ظشّ" کھردری سخت جگہ کے لیے اور "ھعخع" ایسی بوٹی کے لیے جسے اونٹ چرتے ہیں اور "نقاخ" میٹھے صاف پانی کے لیے اور "مستشزر" بٹی اور بُنی ہوئی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

تشریح: ذکر کردہ سب کلمات (ظشّ، ھعخع، نقاخ و مستشزر) میں تنافرِ حروف ہے یعنی اہل عرب (Arabians) کی زبان پر بھاری ہیں جس کی بدولت ان کا تلفظ مشکل ہے اگرچہ اہل عجم (Non-Arabians) کی زبان پر یہ کلمات بھاری نہیں اور تلفظ بھی مشکل نہیں لیکن چونکہ گفتگو کا موضوع (Subject) عربی زبان کی بلاغت ہے اس لیے اہل عرب کی زبان کا لحاظ ہے۔

سوال: تنافرِ حروف بتانے کے لیے ایک مثال کافی تھی تو مصنف رحمہ اللہ نے زیادہ مثالیں کیوں دیں؟

جواب: زیادہ مثالیں ذکر کرکے تنافر کی دو قسموں کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا اس لیے زیادہ مثالیں ذکر کیں۔ تنافر کی دو قسمیں ہیں:۔ ایک تنافرِ شدید وہ جو انتہا کو پہنچا ہو جیسے: "ھعخع" کا تنافر ہے۔ دوسرا تنافرِ خفیف وہ جو انتہا کو نہ پہنچا ہو بلکہ کم ہو، جیسے: "مستشزر" کا تنافر ہے۔

الترکیب

قوله: "نحو" مضاف لما بعده ثم خبر للمبتدأ المحذوف أي أمثلة تنافر الحروف وكل واحد من الجارات والمجرورات أي "للموضع الخشن" و"لنبات ترعاه الإبل" و"للماء العذب الصافي" و"للمفتول" متعلق بمقدر كالمقول ثم صفة أو حال لما قبله من "الظشّ" و"الهعخع" و"النقاخ" و"المستشزر".

وَمُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ كَوْنُ الْكَلِمَةِ غَيْرَ جَارِيَةٍ عَلَى الْقَانُوْنِ الصَّرْفِيِّ...

ترجمہ: اور مخالفتِ قیاس یہ کہ کلمہ صرفی قانون کے مطابق نہ ہو۔

تشریح: یاد رہے ایسے کلمات جو اگرچہ صرفی قانون کے مطابق نہیں لیکن اہل عرب سے ایسے ہی ثابت ہیں اور وہ ان کو ایسے ہی اپنے کلام (گفتگو) میں استعمال کرتے ہیں ایسے کلمات فصیح ہیں ان کو غیر فصیح نہیں کہا جائے گا، جیسے: بِئر (کنواں) کی جمع آبار اہل عرب کے ہاں مستعمل ہے جبکہ قانون صرفی کے مطابق أبیار ہونی چاہیے اسی طرح آل جس کی اصل أھل ہے۔ اس کلمہ میں ھا کو الف سے بدل دیا گیا ہے جبکہ صرفی قانون کے مطابق ھا کو الف یا ہمزہ سے بدلنا درست نہیں لیکن چونکہ یہ مفردات عربیوں سے ایسے ہی ثابت ہیں اور ان کے کلام میں ایسے ہی استعمال ہوتے ہیں لہذا فصیح ہیں۔

الترکیب

قوله:"مخالفة القياس" مبتدأ، و"كون" مصدر مضاف إلى اسمه، و"غير" مضاف، و"جارية" اسم الفاعل، و"هي" ضمير مرفوع متصل مستتر فاعله، و"على القانون الصرفي" متعلق ب"جارية"، فشبه الجملة الاسمية مضاف إليه والمركب الإضافي خبر للكون ثم خبر للمبتدأ واعلم أن "القانون" موصوف و"الصرفيّ" اسم منسوب مع ضميره الراجع إلى الموصوف صفة له.

كَجَمْعِ[4] بُوْقٍ عَلَى بُوْقَاتٍ فِيْ قَوْلِ الْمُتَنَبِّي: شِعْرٌ

فَإِنْ يَكُ بَعْضُ النَّاسِ سَيْفًا لِدَوْلَةٍ

فَفِي النَّاسِ بُوْقَاتٌ لَهَا وَ[5]طُبُوْلٌ

إِذِ الْقِيَاسُ فِيْ جَمْعِهِ لِلْقِلَّةِ أَبْوَاقٌ...

ترجمہ: مخالفتِ قیاس کی مثال، جیسے متنبی کے قول میں "بوق" کی جمع "بوقات" لانا، شعر: اگر بعض لوگ سلطنت پر حکومت کرنے کے لیے تلوار کا درجہ رکھتے ہیں تو باقی لوگوں میں سے کچھ نقاروں اور ڈھول کا درجہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ قیاس "بوق" کی جمع قلت "أبواق" ہے۔

تشریح:

سوال: "بوقات" غیر فصیح کیوں ہے؟

جواب: صرفی قانون کے مطابق "بوق" کی جمع قلت أفعال کے وزن پر "أبواق" آتی ہے جبکہ شاعر "بوق" کی جمع قلت فعلات کے وزن پر "بوقات" لے کر آئے ہیں۔ یہ قانونِ صرفی کی مخالفت ہے جس نے "بوقات" کو غیر فصیح بنادیا ہے۔

شعر کی تشریح: اس شعر میں شاعر نے اپنے ممدوح (Beloved One) یعنی سیف الدولہ کا دوسرے بادشاہوں (Kings) کے ساتھ تقابل (Comparison) کرتے ہوئے سیف الدولہ کو باقیوں پر فضیلت دی ہے یعنی سیف الدولہ کو تلوار کی مثل قرار دیا ہے کہ تلوار کا کام حفاظت کرنا ہے یعنی سیف الدولہ اپنی سلطنت (Kingdom) کا محافظ ہے اور دیگر بادشاہوں کو نقاروں اور ڈھول کی مثل قرار دیا ہے کہ نقاروں اور ڈھول کا کام لوگوں کو محض اکٹھا کرنا ہے یعنی دیگر بادشاہ اپنی سلطنتوں کے محافظ نہیں۔

---

[4] "بوق" بالضم هو الذي ينفخ فيه.

[5] "طبول" جمع طبل بسكون الباء هو آلة يشد عليها الجلد وينقر عليه.

التركيب

قوله:كجمع بوق إلخ متعلق بمقدر أي ثابت مثلا، وقوله:"على بوقات"و"في قول المتنبّي" متعلق ب"جمع". وقوله: "لدولة" صفة لسيف وكل الجملة شرط لما بعدها،وقوله:"ففي الناس" خبر مقدم و"طبول" معطوف على "بوقات" و"لها" صفة لهما والمركب التوصفي مبتدأ مؤخر ثم الجملة الاسمية جزاء.

وَكَمَوْدَدَةٍ فِيْ قَوْلِهِ:

إِنَّ بَنِيَّ[6] لَلِئَامٌ زَهَدَةٌ[7]: مَا لِيْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ مَوْدَدَةٍ

وَالْقِيَاسُ مَوَدَّةٌ بِالْإِدْغَامِ...

ترجمہ: اور (مخالفتِ قیاس کی مثال)، جیسے "موددة" متنبی کے قول میں ہے: بے شک میرے بیٹے بڑے کمینے ہیں ان کے دلوں میں میرے لیے کوئی محبت نہیں؛ کیونکہ قیاس کے مطابق "موددة" ادغام کے ساتھ "مودّة" ہونا چاہیے۔

تشریح:

سوال: "موددة" قانونِ صرفی کے مخالف کیسے ہے؟

جواب: صرفی قانون ہے کہ جب دو ہم جنس حروف ایک کلمہ میں اکٹھے ہوں اور دونوں متحرک ہوں تو پہلے کو ساکن کر کے دوسرے میں ادغام کرنا ضروری ہے لہذا "موددة" کو "مودّة" ہونا چاہیے تھا جبکہ ایسا نہیں ہوا بس یہی قانونِ صرفی کی مخالفت ہے۔

سوال: وزن شعری کو قائم رکھنے کے لیے اگر قانونِ صرفی کی مخالفت کی جائے تو جائز ہے۔ کیا اس صورت میں بھی کلمہ غیر فصیح ہو گا؟

جواب: جو کلمہ قانونِ صرفی کے مطابق نہیں غیر فصیح ہی رہے گا اگرچہ کسی شعر میں استعمال ہو۔

شعر کی مراد: شاعر اپنے بیٹوں کی شکایت کر رہا ہے کہ میں نے ان کے ساتھ ہمیشہ بھلائی کی اور انہوں نے بھلائی کا بدلہ برائی (بدسلوکی) سے دیا۔

---

[6] أصله "بنين ي" فأسقطت نون الجمع للإضافة إلى ياء التكلم ثم أدغمت الياء في جنسها.

[7] جمع زاهد وهو لئيم أي دنيء الأصل فذكر "زهدة" بعد "للئام" على سبيل التأكيد.

التركيب

قوله:"كمودة" خبر لمبتدأ مقدّر وهو "مثاله"و"في قوله" صفة أو حال ل"مودة"وكل الشعر مقول للقول.وقوله: "بنيّ" اسم ل"إنّ"، واللام في "للئام" للتأكيد، و"لئام" خبر أوّل، و"زهدة" ثان، و"ما" مشبهة بليس ولكن مكفوفة عن العمل اللفظي، وقوله:"لي"و"في صدورهم" متعلق بمقدر ثم خبر مقدم و"من" زائدة و"مودة" مبتدأ مؤخر غير صريح.وقوله:"القياس" مبتدأ لقوله "مودّة بالإدغام" والجار والمجرور صفة للموصوف أي مودّة.

وَالْغَرَابَةُ كَوْنُ الْكَلِمَةِ غَيْرَ ظَاهِرَةِ الْمَعْنَى[8]...

ترجمہ: اور غرابت یہ کہ کلمہ کا معنی اور مراد ظاہر نہ ہو۔

تشریح: غریب ایسا کلمہ ہے جس کا معنی ظاہر نہ ہو یعنی جس معنی کے لیے اِسے وضع کیا گیا، اُس معنی کی طرف ذہن با آسانی نا جائے بلکہ جاننے کے لیے بڑا غور و فکر کرنا پڑے۔

التركيب

قوله: "الغرابة" مبتدأ، و"كون" مصدر مضاف إلى اسمه أي الكلمة، و"غير" مضاف، و"ظاهرة" اسم الفاعل و"المعنى" فاعله. فشبه الجملة الاسمية مضاف إليه والمركب الإضافي خبر ل"كون" ثم خبر للغرابة.

[8] المعنى عوض عن المضاف إليه أي معناها أي معنى تلك الكلمة.

نَحْوُ تَكَأْكَأَ[9] بِمَعْنَى اجْتَمَعَ وَافْرَنْقَعَ[10] بِمَعْنَى انْصَرَفَ وَاطْلَخَمَّ[11] بِمَعْنَى اشْتَدَّ...

ترجمہ: غرابت کی مثال، جیسے: "تکأکأ" اجتمع کے معنی میں اور "افرنقع" انصرف کے معنی میں اور "اطلخمّ" اشتدّ کے معنی میں ہے۔

تشریح: اوپر ذکر کردہ الفاظ عربیوں کے کلام میں عام مستعمل نہیں جس کی وجہ سے ان کے معانی ظاہر نہیں البتہ ان الفاظ کے معانی جاننے کے لیے کتب مبسوطہ (Research Books) میں تلاشنے کے لیے غور وفکر کی ضرورت ہے اور یہ سب الفاظ غیر فصیح ہیں۔

التركيب

قوله: "نحو" مضاف و "تكأكأ" ذوالحال و "بمعنى اجتمع" حال وقس عليه ما بعده ثم "نحو" مع المضاف إليه خبر لمبتدأ محذوف أي مثالها.

[9] على وزن تدحرج من الرباعي المزيد فيه وهو تفعلل.

[10] على وزن ابرنشق من الرباعي المزيد فيه وهو افعنلال.

[11] على وزن اقشعرّ من الرباعي المزيد فيه وهو افعلّال.

وَفَصَاحَةُ الْكَلَامِ سَلَامَتُهُ مِنْ تَنَافُرِ الْكَلِمَاتِ مُجْتَمِعَةً وَمِنْ ضُعْفِ التَّأْلِيفِ وَمِنَ التَّعْقِيْدِ مَعَ فَصَاحَةِ كَلِمَاتِهِ...

ترجمہ: اور فصاحتِ کلام یہ کہ کلام اپنے تمام کلمات کے فصیح ہونے کے ساتھ ساتھ، اجتماعِ کلمات کے تنافر، ضعفِ تالیف اور تعقید سے خالی ہو۔

تشریح: کلام کے فصیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل امور ضروری ہیں:

1. ضعفِ تالیف سے خالی ہونا،
2. تعقید سے خالی ہونا،
3. کلام کے محتویات کا تنافر سے خالی ہونا یعنی کلام کا ہر ایک کلمہ تنافر سے پاک ہو جیسے: "شعرہ مستشزر." یہ کلام غیر فصیح ہے کہ اس کا ہر ایک کلمہ تنافر سے پاک نہیں کیونکہ دوسرے کلمہ "مستشزر" میں تنافر ہے،
4. اور فصیح کلمات کے، کلام میں اکٹھا ہونے کی وجہ سے اگر تنافر پیدا ہوتا ہو تو اس سے بھی کلام کا خالی ہونا۔

نوٹ: ان چار امور (Four Points) میں سے اگر کوئی ایک امر بھی کلام میں پایا گیا تو کلام فصیح نہیں ہوگا۔

التركيب

قوله: "فصاحة الكلام" مبتدأ لما بعده أي سلامته إلخ، وقوله: "من تنافر الكلمات" متعلق بسلامة و "مجتمعة" حال "من الكلمات"، وقوله: "من ضعف التأليف" و "من التعقيد" عطف على "تنافر الكلمات"، وقوله: "مع فصاحة كلماته" حال من الضمير العائد على الكلام في قوله: "سلامته".

فَالتَّنَافُرُ وَصفٌ فِي الْكَلَامِ يُوْجِبُ ثِقْلَهُ عَلَى اللِّسَانِ وَعُسْرَ النُّطْقِ بِهِ نَحْوُ

فِيْ رَفْعِ عَرْشِ الشَّرْعِ مِثْلُكَ يَشْرَعُ

وَلَيْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرُ

وَ

كَرِيمٌ مَتَى أَمْدَحُهُ أَمْدَحُهُ وَالْوَرَى مَعِيْ

وَإِذَا مَا لُمْتُهُ[12] لُمْتُهُ وَحْدِيْ

...

ترجمہ: پس تنافر کلام میں پائی جانے والی ایک ایسی صفت ہے جو زبان پر کلام کو ثقیل اور اس کا تلفظ مشکل بنا دیتی ہے، جیسے: شریعت کا عرش تیری طرح کا آدمی ہی بلند کر سکتا ہے۔ اور حرب کی قبر کے پاس کوئی قبر نہیں۔ اور میرا محبوب ایسا کریم ہے کہ جب میں اس کی تعریف کرتا ہوں تو سارے لوگ میرے ساتھ مل کر تعریف کرتے ہیں اور جب میں اس کو ملامت کرتا ہوں تو میں اکیلا ہوتا ہوں۔

تشریح: تنافر کلام میں پایا جانے والا ایسا وصف ہے جس کی بدولت کلام زبان پر ثقیل اور کلام کا تلفظ مشکل ہو جاتا ہے برابر ہے ثقل کی بنیاد اور تلفظ کے مشکل ہونے کی وجہ ایک کلمہ کا دوسرے کلمہ کے ساتھ اکٹھا ہونا ہو یا ایک کلمہ کے بعض حروف کا دوسرے کلمہ کے بعض حروف کے ساتھ اکٹھا ہونا ہو بہر حال پہلے دو شعروں میں تنافر کی وجہ کچھ کلمات کا اکٹھا ہونا ہے پہلے مصرعہ میں "رفع"، "عرش" اور "یشرع" کا اکٹھا ہونا اور دوسرے مصرعہ میں "قرب"، "قبر" اور "حرب" کا اکٹھا ہونا ہے اگرچہ ان کلمات میں سے ہر کلمہ بذات خود فصیح ہے جبکہ تیسرے شعر میں تنافر کی بنیاد چند حروف کا تکرار کے ساتھ اکٹھا ہونا ہے یعنی "ح" اور "ہ" کا تکرار کے ساتھ جمع ہونا ثقل کی وجہ ہے البتہ "ح" اور "ہ" کا ایک کلمہ میں اکٹھا ہو جانا ثقل کا باعث نہیں اور نہ ہی اس کلمہ کی فصاحت میں فرق آتا ہے، جیسے قرآن پاک میں ہے "وتسبّحوہ."۔

---

[12] أصله "لَوَمْتُهُ" من نصر كقُلْتُ.

التركيب

قوله:"فالتنافر" مبتدأ لما بعده، وقوله:"في الكلام" متعلق بثابت ثم صفة أولى لوصف،وقوله:يوجب ثقله إلخ صفة ثانية وقوله: "على اللسان" متعلق بثقل، و"به" بالنطق. قوله:"نحو" مضاف إلى الأشعار التي هو مضاف إليها بتأويل المفرد خبر للمبتدأ المقدر أي مثاله.وقوله:"في رفع عرش الشرع" متعلق ب"يشرع" وهو خبر لمبتدأ أي مثلك. وقوله:"قرب قبر حرب" خبر مقدم ل"ليس"، و"قبر" اسمها المؤخر.وقوله:"كريم" خبر لمبتدأ مقدر كمحبوبي، وقوله:"متى" ظرف زمان متضمن معنى الشرط مفعول فيه مقدم، ف"أمدحه" فعل مع معمولاته (الفاعل والمفعول به والمفعول فيه) شرط و"أمدحه الثاني" جزاء،وقوله:"والورى معي" الواو حالية والجملة حال من الضمير المستتر في "أمدحه" الثاني،وقوله:"إذا ما لمته" حاله ك"متى أمدحه" و"ما" زائدة و"وحدي" حال من ضمير الفاعل في "لمته" الثاني.

وَضُعْفُ التَّأْلِيفِ كَوْنُ الْكَلِمَةِ غَيْرَ جَارِيَةٍ عَلَى الْقَانُوْنِ النَّحْوِيِّ الْمَشْهُوْرِ كَالْإِضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ لَفْظًا وَرُتْبَةً فِيْ قَوْلِهٖ:

جَزَى بَنُوْهُ أَبَا الْغِيْلَانِ عَنْ كِبَرٍ : وَحُسْنِ فِعْلٍ كَمَا يُجْزَى سِنِمَّارُ

...

ترجمہ: اور کلام کا نحویوں کے مشہور قانون کے مطابق نہ ہونا ضعف تالیف ہے، جیسے شاعر کے قول میں اضمار قبل الذکر لفظاورتبۃ، شعر: ابوالغیلان کے بیٹوں نے اپنے باپ ابوالغیلان کو بڑھاپے میں حسنسلوک کی وہ جزادی جو سنمار کو دی گئی۔

تشریح:

سوال: اضمار قبل الذکر سے کیا مراد ہے؟

جواب: مرجع یعنی جس کی طرف ضمیر لوٹتی ہے اس کو ذکر کرنے سے پہلے، اس کی طرف ضمیر لوٹا دینا اضمار قبل الذکر ہے، جیسے: "ضرب غلامه زیدا."۔

سوال: اضمار قبل الذکر لفظی سے کیا مراد ہے؟

جواب: ضمیر کا مرجع، لفظوں میں ضمیر کے بعد ذکر کرنا لفظی اضمار قبل الذکر ہے، جیسے: "ضرب غلامه زید."۔

سوال: اضمار قبل الذکر رتبی سے کیا مراد ہے؟

جواب: ضمیر کا مرجع لفظوں اور رتبہ دونوں میں ضمیر سے مؤخر ہو، جیسے: "ضرب غلامه زیدا.": اس مثال میں ضمیرِ مجرور متصل کا مرجع زید ہے جو کہ لفظوں میں ضمیر سے مؤخر ہے اور رتبہ میں بھی ضمیر سے مؤخر ہے؛ کیونکہ یہ مفعول واقع ہو رہا ہے اور مفعول رتبہ میں فاعل سے مؤخر ہوتا ہے یعنی فاعل کے بعد ہوتا ہے اور اگر ضمیر کا مرجع لفظوں میں ضمیر سے مؤخر ہو لیکن رتبہ میں مقدم ہو تو ایسا اضمار قبل الذکر قانونِ نحوی کے مطابق ہے، جیسے: "ضرب غلامه زید.": اس مثال میں ضمیر مجرور متصل کا مرجع زید ہے جو کہ فاعل بن رہا ہے اور

فاعل رتبہ میں مفعول سے مقدم ہوتا ہے اگر چہ لفظوں میں مفعول سے مؤخر ہو گویا حقیقت میں یہ جملہ "**ضرب زید غلامه.**" ہے۔

فائدہ: اضمار قبل الذکر کی مزید دو صورتیں اور ہیں جن کا ذکر متن میں نہیں ہوا:

1. **اضمار قبل الذکر معنوی:** یعنی مرجع معنوی لحاظ سے ضمیر پر مقدم ہو یعنی عبارت میں کوئی ایسا لفظ موجود ہو جو مرجع کے معنی پر دلالت کر رہا ہو اگر چہ مرجع لفظوں میں موجود نہ ہو، جیسے: "**اعدلوا هو أقرب للتقوى.**": اس مثال میں "**هو**" ضمیر کا مرجع لفظوں میں موجود اور مقدم نہیں لیکن معنوی لحاظ سے موجود اور مقدم ہے اور وہ "**عدل**" ہے جس پر "**اعدلوا**" لفظ دلالت کر رہا ہے۔
2. **اضمار قبل الذکر حکمی:** یعنی مرجع نہ لفظوں میں مذکور ہو اور نہ ہی معنی میں بلکہ کسی خاص نکتہ کی خاطر ضمیر ذکر کر دی جائے، جیسے: "**قل هو الله أحد.**": اس میں "**هو**" ضمیرِ شان کا مرجع نہ لفظوں میں مذکور ہے اور نہ ہی معنی میں بس ضمیر کسی خاص نکتہ کی خاطر ذکر کی گئی ہے اور وہ اجمال کے بعد تفصیل تاکہ ضمیر کے بعد والا کلام سامع کے ذہن میں راسخ (Ingrain) ہو جائے۔

محل استشهاد: اس شعر میں محل استشہاد "**بنوه**" میں ضمیر مجرور متصل ہے۔ اس کا مرجع مؤخر ہے لفظی طور پر بھی جیسا کہ ظاہر ہے اور رتبی طور پر بھی؛ کیونکہ مفعول رتبہ میں فاعل سے مؤخر ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کا مرجع معنوی طور پر بھی مذکور نہیں کہ کلام میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جو مرجع کے معنی پر دلالت کرے اور اسی طرح اس کا مرجع حکمی طور پر بھی مذکور نہیں کہ کسی نکتہ کی خاطر ضمیر کو ذکر کیا گیا ہو۔ لہذا اضمار قبل الذکر لفظا، رتبۃ، معنا اور حکما لازم آیا جو کہ نحویوں کے ہاں جائز نہیں۔

"**كما يجزى سنمّار**": سنمّار روم کا باشندہ تھا، اس نے کوفہ میں نعمان اکبر نامی شخص کے لیے ایک عالی شان محل تعمیر کیا، یہ محل نعمان اکبر کو بہت پسند آیا چنانچہ اس کو خوف ہوا کہ کہیں اسی طرح کا محل سنمار کسی اور کے لیے نہ بنا دے لہذا اس نے سنمار کو محل کی چھت پر لے جا کر زمین پر پھینک دیا، جس سے اس کی موت واقع ہو گئی پھر یہ "**كما يجزى سنمّار**" بھلائی کا بدلہ برائی سے دینا، اس میں ضرب المثل بن گیا۔ "**عن كبر**": اس

میں "عن" حرف جار "بعد" کے معنی میں ہے یعنی "بعد کبر"۔اس کی مثال قرآنِ پاک میں کچھ یوں ہے "لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ يعني بعد طبق[13]." (ضرور تم منزل بہ منزل چڑھو گے)۔

التركيب

قوله: "ضعف التأليف" مبتدأ، و"كون" مصدر مضاف إلى اسمه أي الكلمة، و"غير" مضاف، و"جارية" اسم الفاعل، و"هي" ضمير مرفوع متصل مستتر فاعله، و"على القانون النحويّ المشهور" متعلق ب"جارية" فشبه الجملة الاسمية مضاف إليه والمركب الإضافي خبر للكون ثم خبر للمبتدأ واعلم أن "القانون" موصوف و"النحويّ" اسم منسوب مع ضميره الراجع إلى الموصوف صفة أولى له و"المشهور" صفة ثانية و"أل" في "المشهور" بمعنى "الذي". وقوله: "كالإضمار" متعلق بمقدر وهو خبر لمحذوف أي مثاله و"قبل الذكر" مفعول فيه ل"الإضمار" و"لفظا ورتبة" تمييز من الإضمار و"في قوله" متعلق بالإضمار، وقوله: "جزى" فعل ماض و"بنوه" مركب إضافي فاعله و"أبا الغيلان" مركب إضافي مفعول به، وقوله: "عن كبر وحسن فعل" ظرف لغو ل"جزى"، و"كما يجزى سنمّار" ظرف لغو له أيضا، و"ما" في "كما" زائدة، و"يجزى سنمار" جملة فعلية مجرور محلا بحرف الجار، وهو الكاف، وسبب ذكر "ما" أن لا يدخل حرف الجار على الفعل.

[13] سورة الانشقاق: الآية: 19.

وَالتَّعْقِيْدُ أَنْ يَكُوْنَ الْكَلَامُ خَفِيَّ الدَّلَالَةِ عَلَى الْمَعْنَى الْمُرَادِ وَالْخَفَاءُ إِمَّا مِنْ جِهَةِ اللَّفْظِ بِسَبَبِ تَقْدِيْمٍ أَوْ تَأْخِيْرٍ أَوْ فَصْلٍ وَيُسَمَّى تَعْقِيْدًا لَفْظِيًّا كَقَوْلِ الْمُتَنَبِّي:

جَفَخَتْ وَهُمْ لَا يَجْفَخُوْنَ بِهَا بِهِمْ

شِيَمٌ عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ دَلَائِلُ

فَإِنَّ تَقْدِيْرَهُ جَفَخَتْ بِهِمْ شِيَمٌ دَلَائِلُ عَلَى الْحَسَبِ الْأَغَرِّ وَهُمْ لَا يَجْفَخُوْنَ[14] بِهَا...

ترجمہ: اور تعقید یہ ہے کہ کلام اپنے معنیٰ مرادی پر دلالت کرنے میں پوشیدہ ہو، مرادی معنیٰ کا پوشیدہ ہونا یا تو لفظی لحاظ سے ہو بایں معنیٰ کہ تقدیم کی وجہ سے ہو یا تاخیر کی وجہ سے یا پھر فصل کی وجہ سے، ایسے خفا کو تعقید لفظی کا نام دیا جاتا ہے۔ تعقید لفظی کی مثال، جیسے متنبی کا شعر: "جفخت وهم لا يجفخون بها بهم : شيم على الحسب الأغر دلائل." کیونکہ اس شعر کی صحیح ترتیب اس طرح ہے: "جفخت بهم شيم دلائل على الحسب الأغر وهم لا يجفخون بها." یعنی میرے پیاروں پر فخر کرتی ہیں اعلیٰ حسب پر دلالت کرنے والی خصلتیں جبکہ وہ خود ان پر فخر نہیں کرتے۔

تشریح: متکلم نے اپنی گفتگو (کلام) سے جو معنیٰ مراد لیا ہے اس معنیٰ کو سمجھنا سامع کے لیے مشکل ہو اگر یہ خفاء لفظی لحاظ سے ہو تو تعقیدِ لفظی کہلاتا ہے۔

تعقیدِ لفظی مندرجہ ذیل وجوہ (Reasons) سے پیدا ہوتی ہے:

1. تقدیم: یعنی جس لفظ کو کلام میں مؤخر ہونا چاہیے اس کو مقدم کر دینا، جیسے صفت کو موصوف پر مقدم کرنا۔

[14] من فتح يفتح وهو الفخر.

2. تاخیر: یعنی جس لفظ کو کلام میں مقدم ہونا چاہیے اس کو مؤخر کر دینا، جیسے موصوف کو صفت سے مؤخر کرنا۔
3. فصل: یعنی جن دو لفظوں کے درمیان فاصلہ نہیں ہونا چاہیے ان کے درمیان فاصلہ کر دینا، جیسے متن میں مذکور شعر میں "**شیم**"موصوف ہے اور"**دلائل**" صفت ہے اور ان کے درمیان"**على الحسب الأغر**" کے ذریعے فاصلہ ہے،اوراسی طرح "**جفخت**" فعل ہے اور "**شيم**" فاعل اور ان دونوں کے درمیان "**وهم لا يجفخون بها.**" کے ذریعے فاصلہ ہے،اورایسے ہی"**جفخت**"کا ظرف"**بهم**" اور ان دونوں کے درمیان فصل ہے۔

سوال: غرابت اور تعقیدِ لفظی میں کیا فرق ہے؟

جواب: غرابت میں غریب لفظ کی اپنے معنی موضوع لہ یعنی جس معنی کے لیے وضع کیا گیا،اُس معنی پر دلالت ظاہر نہیں ہوتی، جیسے:"**افرنقع**"جبکہ تعقیدِ لفظی میں کلام کی اپنے اصلی معنی پر دلالت ظاہر ہوتی ہے لیکن مرادی معنی پر دلالت واضح نہیں ہوتی، جیسے متن میں ذکر کردہ شعر۔

التركيب

قوله:"التعقيد"مبتدأ، و"أن" موصول حرفي، و"يكون" فعل ناقص، و"الكلام" اسم له، و"خفيّ" صفة مشبّهة مضاف، و"الدلالة" مصدر مضاف إليه، و"على المعنى المراد" متعلق ب"الدلالة"، واللام في "المراد" بمعنى الذي، و"مراد" اسم المفعول، والضمير المستكن نائب الفاعل، فشبه الجملة صفة ل"المعنى"، ثم الصفة المشبهة مع معمولاته خبر ل"الكلام"، ففعل الناقص مع اسمه وخبره صلة للموصول الحرفي، ثم خبر ل"التعقيد".وقوله:"الخفاء" مبتدأ لما بعده، و"إمّا" حرف ترديد، و"من جهة اللفظ" و"بسبب إلى فصل" متعلقان بمقدر كالواقع.وقوله:"يسمى" فعل مجهول، والضمير المستتر نائب فاعله، و"تعقيدا" موصوف، و"لفظيا" اسم منسوب، والضمير المستتر نائب الفاعل، ثم هو صفة والمركب التوصفي مفعول به ل"يسمى".وقوله:"كقول المتنبّي" مع المقول متعلق بمقدر وهو خبر لمبتدأ محذوف

أي التعقيد اللفظي. قوله:"تقديره" اسم ل"إنّ" والشعر كله بتأويل المفرد خبره.
قوله:"شيم" جمع شيمة، وهو الخلق أو العادة موصوف ل"دلائل" والمركب التوصيفي فاعل مؤخر ل"جفخت"،و"الأغر" اسم تفضيل، وهو الأبيض الواضح صفة ل"الحسب". ثم الجار والمجرور متعلق بالصفة أي دلائل،وقوله:"هم لا يجفخون بها" حال من الضمير في "بهم" أو جملة مستقلة معطوفة على ما قبلها.

وَإِمَّا مِنْ جِهَةِ الْمَعْنَى بِسَبَبِ اسْتِعْمَالِ مَجَازَاتٍ وَكِنَايَاتٍ لَا يُفْهَمُ الْمُرَادُ بِهَا وَيُسَمَّى تَعْقِيدًا مَعْنَوِيًّا نَحْوُ قَوْلِكَ:

"نَشَرَ الْمَلِكُ أَلْسِنَتَهُ فِي الْمَدِيْنَةِ"

مُرِيْدًا جَوَاسِيْسَهُ وَالصَّوَابُ نَشَرَ عُيُوْنَهُ.

وَقَوْلِهِ:

سَأَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ لِتَقْرَبُوْا : وَتَسْكُبُ عَيْنَايَ الدُّمُوْعَ لِتَجْمُدَا

حَيْثُ كَنَى بِالْجُمُوْدِ عَنِ السُّرُوْرِ مَعَ أَنَّ الْجُمُوْدَ يُكْنَى بِهِ عَنِ الْبُخْلِ وَقْتَ الْبُكَاءِ...

ترجمہ: یا مرادی معنیٰ کا پوشیدہ ہونا کلام میں مجازات اور کنایات کے استعمال کے سبب سے ہو، جن کی بدولت معنی مرادی سمجھ نہیں آرہا۔ ایسا خفاء تعقید معنوی کہلاتا ہے، جیسے تیرا بادشاہ کے جاسوس مراد لیتے ہوئے کہنا: "نشر الملك ألسنته في المدينة." جبکہ درست "نشر عيونه." ہے اور شاعر کا قول: عنقریب میں تم سے گھر کی دوری چاہوں گا تاکہ تم لوگ میرے قریب ہو جاؤ اور میری آنکھیں آنسو بہائیں گی تاکہ خشک ہو جائیں۔ پس شاعر نے خطا کی جب اس نے جمود سے سرور مراد لیا جبکہ جمود سے رونے کے وقت، آنکھوں کا آنسو بہانے میں بخل کرنا، مراد ہوتا ہے۔

تشریح: تعقیدِ معنوی کلام میں تب پیدا ہوتی ہے جب کہ کلام میں مجاز اور کنایہ وغیرہ کا استعمال ہو۔ چونکہ مجاز میں لفظ کا اصلی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد لیا جاتا ہے اور کنایہ میں لفظ کا اصلی معنی چھوڑ کر کوئی اور مرادی معنی ملحوظ ہوتا ہے، ایسا کرنا متکلم کے لیے تو آسان ہے لیکن متکلم کی مراد تک سامع یا مخاطب کا پہنچنا مشکل ہوتا ہے، جیسے: نشر الملك ألسنته في المدينة. یعنی بادشاہ نے اپنے جاسوس شہر میں پھیلا دیئے، اس مثال میں متکلم نے "ألسنة" کا مجازی معنی "جواسیس" مراد لیا ہے جو کہ درست نہیں؛ کیونکہ "لسان" بول

کر جاسوس مراد لینا مشہور نہیں البتہ "عین" بول کر جاسوس مراد لینا معروف ہے؛ کیونکہ آنکھ اور جاسوس میں مناسبت ہے کہ آنکھ کا کام جاسوسی کرنا ہے لیکن "لسان" کا کام جاسوسی کرنا نہیں۔

اسی طرح "سأطلب بعد الدار إلى آخره" میں تعقیدِ معنوی ہے جس کی وجہ سے شعر کا مقصودی معنی سمجھنا سامع کے لیے دشوار ہے بہر حال اس مثال (شعر) میں شاعر نے "جمود" بول کر "سرور" مراد لیا ہے جو کہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ شاعر "جمود" بول کر "بخل عن الدموع" یعنی آنسوں بہانے میں کنجوسی مراد لیتے۔

شعر کا مفھوم: شاعر کا کہنا ہے کہ زمانہ کی عادت ہے کہ یہ مطلوب (Goal) کے خلاف چلتا ہے اگر کسی کا مطلوب خوشی ہے تو اس کو غم دیتا ہے اور اگر کسی کا مطلوب غم ہے تو اس کو خوشی دیتا ہے لہذا اب میں اپنے پیاروں سے فرقت چاہوں گا تاکہ زمانہ مجھے ان کے قریب کر دے یا وہ میرے قریب ہو جائیں۔

التركيب

قوله: "وإمّا من إلخ" الواو للعاطفة، و"إمّا" حرف ترديد، و"من جهة المعنى" معطوف على "من جهة اللفظ"، و"بسبب استعمال إلخ" معطوف على "بسبب تقديم إلخ". وقوله: "لا يفهم المراد بها" صفة ل"كنايات ومجازات"، و"المراد" صفة ل"المعنى" المحذوف، و"بها" متعلق بمراد. قوله: "مريدا جواسيسه" حال من ضمير الخطاب في "قولك"، وقوله: "نشر عيونه" بتأويل المفرد خبر ل"الصواب". قوله: "لتقربوا" اللام حرف جار، و"أن" مصدرية موصول حرفي مقدرة، وما بعدها صلة لها، ثم الموصول مع الصلة مجرور فيكون متعلقا ب"سأطلب"، وكذا "لتجمدا" متعلق ب"تسكب". قوله: "حيث" ظرف مكان مضاف إلى ما بعده، ثم مفعول فيه للفعل المقدر أي فأخطأ. وقوله: "مع أن الجمود إلخ" مفعول فيه ل"كنى".

وَفَصَاحَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى التَّعْبِيْرِ عَنِ الْمَقْصُوْدِ بِكَلَامٍ فَصِيْحٍ فِيْ أَيِّ غَرَضٍ كَانَ...

ترجمہ: اور فصاحتِ متکلم ایسا ملکہ ہے جس کی بدولت متکلم اپنے ہر مقصود کو فصیح کلام سے تعبیر کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔

تشریح: فصیح متکلم وہ ہے جسے یہ امتیاز حاصل ہو کہ جب چاہے، جیسے چاہے اور جس موضوع پر چاہے اپنی بات فصیح انداز میں کہہ سکے۔

تعریف میں منتخب الفاظ کی حکمتیں:

(1)"**ملکة**": ملکہ ذہن میں ایسی پختہ کیفیت کا نام ہے جس کی بدولت انسان سے بغیر تکلف، افعال (Actions) صادر ہوں، جیسے پرہیز گاری کی بدولت پرہیز گار سے بے تکلف نیک کام صادر ہوتے ہیں۔

(2)"**یقتدر بھا**": "یعبّر" کی جگہ "یقتدر" اس لیے ذکر کیا تاکہ بتادیا جائے کہ اگر متکلم نے محض ایک آدھ بار اپنے مقصود کو فصیح کلام سے تعبیر کرلیا تو وہ فصیح نہیں بن جائے گا بلکہ فصیح بننے کے لیے اس خصوصیت پر قدرت ضروری ہے کہ جب چاہے اپنا مقصود فصیح کلام سے تعبیر کرے۔

(3)"**بکلام فصیح**": کلام فصیح اس لیے بولا ہے کہ اکثر اوقات متکلم اپنا مقصود کلام کے ذریعے بتاتا ہے اور بہت کم اپنا مقصود مفردات سے بتاتا ہے البتہ اگر متکلم اپنا مقصود فصیح مفردات سے بیان کرے تو تب بھی وہ فصیح ہی ہے، جیسے چیزیں شمار کرتے یا کراتے ہوئے مفردات بولنا یعنی کتاب، کاپی، پینسل، قلم اور دوات وغیرہ۔

(4)"**في أيّ غرض**": فصیح متکلم وہ ہے جس کو جو بھی موضوع دیا جائے اُسے فصیح کلام سے بیان کرے۔ ایک آدھ موضوع پر فصیح انداز میں بولنے سے متکلم فصیح نہیں بنتا۔

التركيب

قوله: "فصاحة المتكلم" مبتدأ، و"ملكة" موصوف، وما بعده صفة له ثم خبر للمبتدأ، وقوله: "بها" و"على التعبير" متعلق ب"يقتدر"، وقوله: "عن" و"ب" و"في" متعلق ب"التعبير"، وقوله: "كان" حال من "أيّ غرض".

وَالْبَلَاغَةُ فِي اللُّغَةِ الْوُصُوْلُ وَالْاِنْتِهَاءُ يُقَالُ بَلَغَ فُلَانٌ مُرَادَهُ إِذَا وَصَلَ إِلَيْهِ وَبَلَغَ الرَّكْبُ[15] الْمَدِيْنَةَ إِذَا انْتَهَى إِلَيْهَا وَتَقَعُ فِي الْاِصْطِلَاحِ وَصْفًا لِلْكَلَامِ وَالْمُتَكَلِّمِ...

ترجمہ: اور بلاغت کا لغوی معنی وصول اور انتہاہے،"بلغ فلان مرادہ."تب بولا جاتا ہے جب بندہ اپنی مراد پالے اور"بلغ الرکب المدینة."تب بولا جاتاہے جب شہسوار شہر میں پہنچ کر اپنے سفر کی انتہاکر دیں جبکہ بلاغت اصطلاحی طور پر کلام اور متکلم کی صفت ہے۔

تشریح: بلاغت کا لغوی معنی وصول اور انتہاہے، جیسے:"بلغ فلان مرادہ." یہ تب کہا جاتا ہے جب کہ آدمی گفتگو سے اپنی مراد تک پہنچ جائے اور گفتگو کی انتہا مقصود پر ہو، جبکہ بلاغت اصطلاح میں کلام اور متکلم کی صفت واقع ہوتی ہے، جیسے:"کلام بلیغ"اور"متکلم بلیغ": ان دونوں مثالوں میں"بلیغ"کلام اور متکلم کی صفت ہے۔

سوال: مصنف رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فصاحت کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے"الفصاحة في اللغة تنبئ عن البیان والظهور."کہا جبکہ بلاغت کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے"البلاغة في اللغة الوصول والانتهاء."کہا۔ اندازِ تحریر تبدیل کیوں فرمایا؟

جواب: بلاغت کے لغوی معنی میں ذکر کردہ لفظ"وصول"سے مراد خاص وصول ہے ہر وصول مراد نہیں بلکہ عبارت کی حقیقت تک پہنچنا یا عبارت کو مقصود تک پہنچانا یا عبارت کا مقصود کے مطابق لانا مراد ہے جبکہ فصاحت میں ذکر کردہ لغوی معنی سے مراد کسی بھی امر کا واضح اور ظاہر ہونا ہے۔

سوال: بلاغت کلمہ کی صفت کیوں نہیں بنتی؟

جواب: عربیوں سے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے بلاغت کو کلمہ کی صفت بنایا ہو اس لیے مصنف رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے بھی بلاغت کلمہ کی صفت نہیں بنائی۔

سوال: مصنف رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے بلاغتِ کلام اور بلاغتِ متکلم کی جدا جدا تعریفیں کیوں نہیں کیں؟

---

[15] الرکب یطلق علی العشرة فما فوق وجمعه أرکب ورکوب.

جواب: بلاغت جب کلام کی صفت بنے تو معنیٰ کچھ اور ہوتا ہے اور جب متکلم کی صفت بنے تو کچھ اور، گویا بلاغت کی کوئی ایسی تعریف نہیں تھی جو دونوں معانی کو شامل ہو سکے اس لیے مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دونوں کی تعریف اکٹھی نہیں فرمائی۔

التركيب

قوله: "في اللغة" متعلق ب"البلاغة" ثم مبتدأ ل"الوصول والانتهاء". قوله: "يقال بلغ فلان مراده" جزاء مقدم لشرط مؤخر، وقوله: "بلغ الركب المدينة" عطف على "بلغ فلان مراده"، وقوله: "إذا انتهى إليها" عطف على "إذا وصل إليه". قوله: "في الاصطلاح" متعلق ب"تقع"، وقوله: "للكلام والمتكلم" متعلق بوصف والوصف تمييز بالنسبة.

فَبَلَاغَةُ الْكَلَامِ مُطَابَقَتُهُ لِمُقْتَضَى الحَالِ مَعَ فَصَاحَتِهِ وَالْحَالُ وَيُسَمَّى بِالْمَقَامِ هُوَ الْأَمْرُ الحَامِلُ لِلْمُتَكَلِّمِ عَلَى أَنْ يُوْرِدَ عِبَارَتَهُ عَلَى صُوْرَةٍ مَخْصُوْصَةٍ وَالْمُقْتَضَى وَيُسَمَّى الْإِعْتِبَارَ الْمُنَاسِبَ هُوَ الصُّوْرَةُ الْمَخْصُوْصَةُ الَّتِيْ تُوْرَدُ عَلَيْهَا الْعِبَارَةُ مَثَلًا الْمَدْحُ حَالٌ يَدْعُوْ لِإِيْرَادِ الْعِبَارَةِ عَلَى صُوْرَةِ الْإِطْنَابِ وَذَكَاءُ الْمُخَاطَبِ حَالٌ يَدْعُوْ لِإِيْرَادِهَا عَلَى صُوْرَةِ الْإِيْجَازِ فَكُلٌّ مِنَ الْمَدْحِ وَالذَّكَاءِ حَالٌ وَكُلٌّ مِنَ الْإِطْنَابِ وَالْإِيْجَازِ مُقْتَضًى وَإِيْرَادُ الْكَلَامِ عَلَى صُوْرَةِ الْإِطْنَابِ وَالْإِيْجَازِ مُطَابَقَةٌ لِلْمُقْتَضَى...

ترجمہ: پس بلاغتِ کلام یہ ہے کہ کلامِ فصیح مقتضی الحال کے مطابق ہو اور حال کا دوسرا نام مقام ہے اور اس سے مراد ایسا امر (Point) جو متکلم کو مخصوص طریقہ پر کلام لانے پر ابھارے اور مقتضی کا دوسرا نام اعتبارِ مناسب ہے اور اس سے مراد ایسا مخصوص طریقہ جس پر کلام لایا گیا، جیسے مدح ایک حال ہے جو متکلم کو دعوت دیتا ہے کہ اپنا کلام اطناب کے طریقہ پر لائے اور مخاطب کی ذہانت بھی ایک حال ہے جو متکلم کو اپنا کلام ایجاز کے طریقہ پر پیش کرنے پر ابھارتا ہے بہر حال مدح اور ذکاء دونوں حال ہیں جبکہ اطناب اور ایجاز دونوں مقتضی الحال ہیں اور کلام کو اطناب اور ایجاز کے طریقہ پر لانا مقتضی الحال کی مطابقت ہے۔

تشریح: کلام کو بلیغ بنانے کے لیے چار امور (Four Components) کا لحاظ از حد ضروری ہے:

1. کلام کی فصاحت،
2. حال کا لحاظ،
3. مقتضی کا لحاظ،
4. اور مقتضی الحال کی موافقت اور مطابقت۔

وضاحت: کلام کی فصاحت سے مراد کلام کے ہر ایک کلمہ کا فصیح ہونا اور فصیح کیسے ہو گا؟ یہ بات فصاحتِ کلمہ میں بیان ہو چکی۔ حال سے مراد ایسا امر ہے جو متکلم کو مخصوص طریقہ پر کلام لانے کی فرمائش کرے، جیسے اطناب (معانی کم اور الفاظ زیادہ)، ایجاز (معانی زیادہ اور الفاظ کم) اور مساواۃ (معانی اور الفاظ

دونوں برابر) یہ طریقے ہیں جن پر کلام موقع کی مناسبت سے لایا جاتا ہے۔ اگر مخاطب کند ذہن ہے تو متکلم کند ذہنی کو دیکھتے ہوئے اپنی گفتگو تفصیلی انداز میں کرے گا کہ معانی کم اور الفاظ زیادہ ہونگے یعنی بتائی گئی باتیں کم اور ان کی وضاحت زیادہ ہوگی تو اس صورت میں کند ذہنی حال ہے، اطناب مقتضی ہے اور کلام کو اطناب پر لانا مقتضی الحال کی موافقت ہے اور اگر مخاطب ذہین ہے تو متکلم ذہانت کو دیکھتے ہوئے اپنی گفتگو اجمالی انداز میں کرے گا کہ معانی زیادہ اور الفاظ کم یعنی بتائی گئی باتیں زیادہ اور وضاحت کم ہوگی تو اس صورت میں ذہانت حال ہے، ایجاز مقتضی ہے اور کلام کو ایجاز پر لانا مقتضی الحال کی موافقت ہے اور اگر سامع درمیانہ درجہ کا ہے یعنی نہ کند ذہن اور نہ ہی تیز فہم تو متکلم اپنی گفتگو بھی درمیانے درجہ کی کرے گا یعنی مساوات کے طریقہ پر لائے گا کہ معانی اور الفاظ دونوں برابر ہونگے یعنی بتائی گئی باتیں حسب ضرورت وضاحت کے ساتھ ہونگی اور اگر متکلم کسی کی مدح (تعریف) کرنا چاہتا ہے تو متکلم اپنی گفتگو بڑی تفصیل سے کرے گا؛ کیونکہ عمومی طور پر تعریف تفصیلی انداز میں ہوتی ہے تو اس صورت میں مدح ایک حال ہے، اطناب مقتضی ہے اور کلام کو اطناب کے طریقہ پر لانا مقتضی الحال سے موافقت ہے۔

فائدہ: حال اور مقام دونوں کا مفہوم حقیقت میں ایک ہی ہے یعنی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور ایسے ہی مقتضی اور اعتبارِ مناسب کا مفہوم ایک ہے۔

التركيب

قوله:"مع فصاحته" حال من الضمير في "مطابقته"، و"لمقتضى الحال" ظرف لغو للمطابقة، والمطابقة خبر ل"بلاغة الكلام". قوله:"يسمى بالمقام" جملة مستأنفة.وقوله: "الأمر" خبر ل"هو"، و"الحامل" صفة ل"الأمر"، و"للمتكلم" و"على أن إلخ" متعلقان ب"حامل"، و"على صورة مخصوصة" متعلق ب"يورد"، و"مخصوصة" صفة ل"صورة". قوله:"الصورة" صفة، وله صفتان "المخصوصة" و"التي تورد عليها العبارة"،وقوله:"على صورة الإطناب" متعلق ب"إيراد"، وكذا قوله: "على صورة الإيجاز". قوله:"من المدح والذكاء" صفة ل"كل"، وهو مبتدأ ل"حال"، وكذا

قوله:"من الإطناب والإيجاز"، وهو مبتدأ ل"مقتضى"، وقوله:"على صورة الإطناب والإيجاز" متعلق ب"إيراد"، و"للمقتضى" متعلق بمطابقة وخبر لما قبله.

وَبَلَاغَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى التَّعْبِيرِ عَنِ الْمَقْصُوْدِ بِكَلَامٍ بَلِيْغٍ فِيْ أَيِّ غَرَضٍ كَانَ...

ترجمہ: اور بلاغتِ متکلم ایسا ملکہ ہے جس کی بدولت متکلم اپنی ہر بات بلیغ کلام سے تعبیر کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

تشریح: بلیغ متکلم وہ ہے جسے یہ امتیاز حاصل ہو کہ جب چاہے، جیسے چاہے اور جس موضوع پر چاہے اپنی بات بلیغ انداز میں یعنی موقع اور محل کے مطابق کہہ سکے۔

تعریف میں منتخب الفاظ (Chosen Words) کی حکمتیں:

(1)"**ملکۃ**": ملکہ سے مراد ذہن میں ایسی پختہ کیفیت کا نام ہے جس کی بدولت انسان سے بغیر تکلف، افعال (Actions) صادر ہوں، جیسے مراس پن کہ اس کی بدولت مراسیوں سے جگتیں بے تکلف صادر ہوتی ہیں۔

(2)"**یقتدر بھا**": "یعبّر" کی جگہ "یقتدر" اس لیے ذکر کیا تاکہ بتادیا جائے کہ اگر متکلم نے محض ایک آدھ بار اپنے مقصود کو بلیغ کلام کے ساتھ تعبیر کرلیا تو وہ بلیغ نہیں بن جائے گا بلکہ بلیغ بننے کے لیے اس خصوصیت پر قدرت ضروری ہے کہ جب چاہے اپنا مقصود کلامِ بلیغ سے تعبیر کرے۔

(3)"**بکلام بلیغ**": کلام بلیغ اس لیے بولا ہے کہ اکثر اوقات متکلم اپنا مقصود کلام کے ذریعے بتاتا ہے اور بہت کم ہوتا ہے کہ اپنا مقصود مفردات کے ذریعے بتائے البتہ اگر متکلم اپنا مقصود بلیغ انداز میں فصیح مفردات بولتے ہوئے بیان کرے تو تب بھی وہ بلیغ ہی ہے جیسے: چیزیں شمار کرتے یا کراتے ہوئے فصیح مفردات بولنا یعنی کتاب، کاپی، پینسل، قلم اور دوات وغیرہ۔

(4)"**في أيّ غرض**": بلیغ متکلم وہ ہے جس کو جو بھی موضوع دیا جائے اور اس کے سامنے جو بھی مقصد رکھا جائے اسے بلیغ کلام سے بیان کردے، ایک آدھ موضوع پر بلیغ انداز میں بولنے سے متکلم بلیغ نہیں بنتا۔

وَيُعْرَفُ التَّنَافُرُ بِالذَّوْقِ وَمُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ بِالصَّرْفِ وَضُعْفُ التَّأْلِيفِ وَالتَّعْقِيدُ اللَّفْظِيُّ بِالنَّحْوِوَالْغَرَابَةُ بِكَثْرَةِ الْإِطِّلَاعِ عَلَى كَلَامِ الْعَرَبِ وَالتَّعْقِيدُ الْمَعْنَوِيُّ بِالْبَيَانِ وَالْأَحْوَالُ وَمُقْتَضَيَاتُهَا بِالْمَعَانِيْ فَوَجَبَ عَلَى طَالِبِ الْبَلَاغَةِ مَعْرِفَةُ اللُّغَةِ وَالصَّرْفِ وَالنَّحْوِ وَالْمَعَانِيْ وَالْبَيَانِ مَعَ كَوْنِهِ سَلِيْمَ الذَّوْقِ كَثِيْرَ الْاِطِّلَاعِ عَلَى كَلَامِ الْعَرَبِ...

ترجمہ: کلمہ اور کلام میں تنافر کا پتہ ذوق سے، کلمہ میں مخالفتِ قیاس کا پتہ علم صرف سے، ضعفِ تالیف اور (کلام میں) تعقیدِ لفظی کا پتہ علم نحو سے، (کلمہ کی) غرابت کا پتہ عربوں کی گفتگو پر اچھی خاصی اطلاع سے، (کلام میں) تعقیدِ معنوی کا پتہ علم بیان سے جبکہ احوال اور ان کے مقتضیات کا پتہ علم معانی سے چلتا ہے لہٰذا علم بلاغت کے طالب پر ضروری ہے کہ علم لغت، علم صرف، علم نحو، علم معانی اور علم بیان کی صحیح جانکاری کے ساتھ اچھے ذوق کا مالک ہو اور عربوں کے کلام کا کثیر مطالعہ رکھتا ہو۔

تشریح: بلیغ بننے کے لیے مندرجہ بالا علوم پر مہارت اور ساتھ میں اچھے ذوق کا مالک ہونا اور عربوں کے کلام کی اچھی خاصی جانکاری رکھنا ضروری ہے۔

تعریفات:

- **علم لغت:** ایسا علم جو مفردات کا مادہ اور مفردات کے معانی موضوعہ کے بارے میں بتائے۔
- **علم صرف:** ایسے قواعد کا علم جن کے ذریعے ایک صیغہ سے دوسرا صیغہ بنانے اور صیغوں میں تغیر (تبدیلی) کرنے کا طریقہ پتہ چلے۔
- **علم نحو:** ایسے قواعد کا علم جن کے ذریعے اسم، فعل اور حرف کے آخِر کی حالتیں اور ان (اسم، فعل اور حرف) کو آپس میں ملانے کا طریقہ پتہ چلے۔

علم معانی وعلم بیان: ان دونوں علوم کی تعریفیں آئندہ اسباق میں آئیں گی۔

التركيب

قوله:"التنافر مع معطوفاته (مخالفة القياس وضعف التأليف والتعقيد اللفظي والغرابة والتعقيد المعنوي والأحوال ومقتضياتها) نائب الفاعل ل"يعرف"، وقوله:"بالذوق مع معطوفاته (بالصرف وبالنحو وبكثرة الاطلاع وبالبيان وبالمعاني) متعلق ب"يعرف". وقوله:"على كلام العرب" متعلق ب"الاطلاع"،وقوله:"معرفة اللغة" فاعل ل"وجب"، و"مع كونه سليم الذوق إلخ" مفعول فيه، و"سليم الذوق" خبر أول ل"كون"، و"كثير الاطلاع" خبر ثان له.

عِلْمُ الْمَعَانِيْ(Stylistics)

هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ أَحْوَالُ اللَّفْظِ الْعَرَبِيِّ الَّتِيْ بِهَا يُطَابِقُ مُقْتَضَى الْحَالِ فَتَخْتَلِفُ صُوَرُ الْكَلَامِ لِاخْتِلَافِ الْأَحْوَالِ مِثَالُ ذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: وَأَنَّا لَا نَدْرِيْ أَشَرٌّ أُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا فَإِنَّ مَا قَبْلَ "أَمْ" صُوْرَةٌ مِنَ الْكَلَامِ تُخَالِفُ صُوْرَةَ مَا بَعْدَهَا؛ لِأَنَّ الْأُوْلَى فِيْهَا فِعْلُ الْإِرَادَةِ مَبْنِيٌّ لِلْمَجْهُوْلِ وَالثَّانِيَةَ فِيْهَا فِعْلُ الْإِرَادَةِ مَبْنِيٌّ لِلْمَعْلُوْمِ وَالْحَالُ الدَّاعِي لِذٰلِكَ نِسْبَةُ الْخَيْرِ إِلَيْهِ سُبْحَانَهُ فِي الثَّانِيَةِ وَمَنْعُ نِسْبَةِ الشَّرِّ إِلَيْهِ فِي الْأُوْلَى وَيَنْحَصِرُ الْكَلَامُ عَلَى هٰذَا الْعِلْمِ فِيْ ثَمَانِيَةِ أَبْوَابٍ وَخَاتِمَةٍ ...

علم معانی

ترجمہ: علم معانی میں عربی لفظ کی ایسی حالتوں کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے، جن کی بدولت عربی لفظ مقتضیٰ حال کے مطابق ہوتا ہے۔ لفظ کی حالتیں بدلنے سے کلام کی صورتیں بدلتی ہیں، جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے: اور یہ کہ ہمیں نہیں معلوم کہ زمین والوں سے کوئی برائی کا ارادہ فرمایا گیا ہے یا ان کے رب نے کوئی بھلائی چاہی ہے۔ اس آیت میں لفظِ "أم" سے پہلے والے کلام کی صورت اس سے بعد والے کلام کی صورت سے مختلف ہے؛ کیونکہ "??" سے پہلے جملہ میں ارادہ فعل مجہول ہے جبکہ "أم" کے بعد دوسرے جملہ میں ارادہ فعل معروف ہے اور ایسا کرنے پر ابھارنے والا حال یہ ہے کہ دوسرے جملہ میں خیر کی نسبت اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف کی ہے جبکہ پہلے جملہ میں شر کی نسبت اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف منع ہے۔ علم معانی پر گفتگو کرنے کے لیے آٹھ ابواب اور ایک خاتمہ باندھا گیا ہے۔

تشریح: کلام کی مختلف صورتیں ہیں، جیسے کلام کا خبریہ، انشائیہ، اسمیہ، فعلیہ، مطلق یا مقید ہونا، ایسے ہی لفظ کی مختلف حالتیں ہیں، جیسے لفظ کو مقدم یا مؤخر کرنا، ذکر یا حذف کرنا اور نکرہ یا معرفہ لانا، اور اگر لفظ فعل ہے تو معروف یا مجہول لانا، نونِ تاکید کے ساتھ لانا یا اس کے بغیر، وغیرہ۔ ان سب پر مثالیں ان شاء اللہ العزیز اگلے

صفحات میں آپ خود پڑھ لیں گے لہذا یہاں ذکر کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ بہر حال متن میں ذکر کردہ مثال میں دو جملے ہیں ایک "أم" سے پہلے اور دوسرا "أم" کے بعد، ان دونوں جملوں کی آپس میں صورت، ایک لفظ کی بدولت مختلف ہوئی اور وہ ہے پہلے جملہ میں ارادہ مصدر سے فعل ماضی مجہول اور دوسرے میں معروف۔ اب سوچنا یہ ہے کہ ایسا کرنے پر کس امر نے ابھارا؟(What makes to do so?)وہ ایک عقیدہ (Belief) ہے کہ اگرچہ سب کچھ اللہ تعالی کا پیدا کیا ہوا ہے لیکن اس ذاتِ پاک کی طرف ہمیشہ خیر کی نسبت کرنی چاہیے نہ کہ شر کی، اسی وجہ سے یوں کہا گیا کہ زمین والوں کے ساتھ خیر کا ارادہ اللہ تعالی نے فرمایا اور شر کا ارادہ کس نے کیا، اس کا ذکر نہیں ہوا اگرچہ شر کا ارادہ بھی اللہ تعالی کی طرف سے ہے۔

سوال: بظاہر علم معانی کا تعلق کلام سے ہے لفظ سے نہیں؛ کیونکہ کلام مقتضی الحال کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ لفظ لہذا مصنف رحمۃ اللہ تعالی علیہ کو لفظ کی جگہ پر کلام ذکر کرنا چاہیے تھا؟

جواب: کلام الفاظ سے ملکر بنتا ہے اور حقیقت میں کلام مقتضیٰ حال کے مطابق تب ہوتا ہے جبکہ الفاظ کے احوال کا لحاظ رکھا جائے ورنہ کلام مقتضیٰ حال کے مطابق نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کلام کی جگہ لفظ ذکر کیا۔

التركيب

قوله:"علم" خبر لما قبله وموصوف لما بعده، وقوله:"العربيّ" صفة ل"اللفظ"، و"التي" صفة ل"أحوال"، و"بها" متعلق ب"يطابق". قوله: فإن ما قبل أم إلخ ف"ما" موصول، و"قبل أم" مفعول فيه لفعل مقدر أي ثبت مثلا .فالجملة صلة. ثم الموصول مع الصلة اسم ل"إن"، و"صورة من الكلام" موصوف لما بعده. وقس "ما بعدها" على "ما قبل أم". قوله:"الأولى" صفة لموصوف محذوف أي الجملة. و"فيها" ظرف، و"فعل الإرادة" فاعله. ثم الجملة الظرفية خبر لما قبله.وقوله:"مبني" اسم مفعول، والضمير المستتر نائب الفاعل، و"للمجهول" متعلق ب"مبني". فشبه الجملة خبر لمبتدأ محذوف أي هو. وقس عليه "الثانية فيها فعل الإرادة مبني للمعلوم".وقوله:"لذلك" متعلق ب"الداعي" الذي هو صفة ل"الحال"، وهو مبتدأ.وقوله:"إليه" و"في الثانية"

متعلق ب"نسبة"،و"سبحانه" حال من الضمير في "إليه"،وقوله:"إليه" ظرف ب"نسبة"،و"في الأولى"ظرف ب"منع".قوله:"على هذا العلم"ظرف من "الكلام" الذي هو فاعل ل"ينحصر".

اَلْبَابُ الْأَوَّلُ فِي الْخَبَرِ وَالْإِنْشَاءِ

كُلُّ كَلَامٍ فَهُوَ إِمَّا خَبَرٌ أَوْ إِنْشَاءٌ، وَالْخَبَرُ مَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ لِقَائِلِهِ إِنَّهُ صَادِقٌ فِيْهِ أَوْ كَاذِبٌ كَسَافَرَ مُحَمَّدٌ وَعَلِيٌّ مُقِيْمٌ وَالْإِنْشَاءُ مَا لَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ لِقَائِلِهِ ذٰلِكَ كَسَافِرْ يَا مُحَمَّدُ وَأَقِمْ يَا عَلِيُّ وَالْمُرَادُ بِصِدْقِ الْخَبَرِ مُطَابَقَتُهُ لِلْوَاقِعِ وَبِكِذْبِهِ عَدَمُ مُطَابَقَتِهِ لَهُ فَجُمْلَةُ عَلِيٌّ مُقِيْمٌ إِنْ كَانَتِ النِّسْبَةُ الْمَفْهُوْمَةُ مِنْهَا مُطَابِقَةً لِمَا فِي الْخَارِجِ فَصِدْقٌ وَإِلَّا فَكِذْبٌ وَلِكُلِّ جُمْلَةٍ رُكْنَانِ مَحْكُوْمٌ عَلَيْهِ وَمَحْكُوْمٌ بِهِ وَيُسَمَّى الْأَوَّلُ مُسْنَدًا إِلَيْهِ كَالْفَاعِلِ وَنَائِبِهِ وَالْمُبْتَدَإِ الَّذِيْ لَهُ خَبَرٌ وَيُسَمَّى الثَّانِيْ مُسْنَدًا كَالْفِعْلِ وَالْمُبْتَدَإِ الْمُكْتَفٰى بِمَرْفُوْعِهِ ...

(علم معانی کا) پہلا باب خبر اور انشاء کے بارے میں ہے۔

ترجمہ: کلام خبر ہو گا یا انشاء اور خبر سے مراد ایسا کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے، جیسے: "سافر محمد." یعنی محمد نے سفر کیا۔ اور "عليّ مقيم." یعنی علی مقیم ہے۔ اور انشاء سے مراد ایسا کلام ہے جس کے کہنے والے کو ایسا نہ کہا جاسکے، جیسے: "سافر يا محمد." یعنی اے محمد! تو سفر کر۔ اور "أقم يا عليّ." یعنی اے علی! اقامت اختیار کر۔ اور صدقِ خبر سے مراد خبر کا واقع کے مطابق ہونا ہے اور کذبِ خبر سے مراد خبر کا واقع کے مطابق نہ ہونا، لہذا "عليّ مقيم." اس جملہ سے سمجھی جانے والی نسبت اگر واقع کے مطابق ہے تو صدق اور اگر واقع کے مطابق نہیں تو کذب۔ پھر ہر جملہ کے دو رکن ہیں محکوم علیہ اور محکوم بہ، پہلے یعنی محکوم علیہ کو مسند الیہ کہا جاتا ہے، جیسے فاعل، نائب الفاعل اور وہ مبتدا جس کی خبر ہو اور دوسرے یعنی محکوم بہ کو مسند کہا جاتا ہے، جیسے فعل اور وہ مبتدا جس کے مرفوع پر اکتفا کیا ہو۔

تشریح: کلام جملہ خبریہ ہوتا ہے یا جملہ انشائیہ۔ جملہ خبریہ کے قائل کو سچا یا جھوٹا کہا جاسکتا ہے: قائل نے اگر ایسی بات کہی جو حقیقت کے مطابق ہے تو قائل کو سچا کہا جائے گا اور اگر حقیقت کے مطابق نہیں تو قائل کو جھوٹا کہا جائے گا، جیسے ذکر کردہ مثالوں میں اگر محمد نے واقعی سفر کیا تھا اور علی نے واقعی اقامت کی تھی تو یہ

دونوں خبریں حقیقت کے مطابق ہیں اس لیے ان کے قائل کو سچا کہا جائے گا اور اگر محمد نے سفر نہیں کیا تھا اور نہ ہی علی نے اقامت کی تھی پھر بھی قائل نے ایسا کہہ دیا تو یہ دونوں خبریں حقیقت کے مطابق نہ ہوئیں لہذا ان کے قائل کو جھوٹا کہا جائے گا۔

جملہ انشائیہ کے قائل کو سچا یا جھوٹا نہیں کہا جا سکتا، جیسے ذکر کردہ مثالوں میں قائل نے کہا: اے محمد! مسافر بن جا، اور اے علی! مقیم ہو جا۔

سوال: صدقِ خبر اور کذبِ خبر سے کیا مراد ہے؟

جواب: اگر قائل کی کہی ہوئی بات حقیقت کے مطابق ہے تو صدقِ خبر اور اگر حقیقت کے مطابق نہیں تو کذبِ خبر۔

سوال: جملہ خبریہ کے قائل کو سچا یا جھوٹا کیوں کہا جا سکتا ہے؟

جواب: جملہ خبریہ کا قائل حقیقت میں کسی بات کی حکایت کر رہا ہوتا ہے (Story teller) یا کسی ایسے امر کے بارے میں بات کرتا ہے جس کا تعلق زمانہ ماضی سے ہوتا ہے اور ظاہر ہے حکایت بیان کرنے والا سچا بھی ہو سکتا ہے اور جھوٹا بھی۔

سوال: جملہ انشائیہ کے قائل کو سچا یا جھوٹا کیوں نہیں کہا جا سکتا؟

جواب: کیونکہ جملہ انشائیہ کا قائل کوئی حکایت بیان نہیں کر رہا ہوتا اور نہ ہی کوئی ایسی بات کہہ رہا ہوتا ہے جو ماضی (Past) سے متعلقہ ہو، بلکہ وہ کسی کو پکار رہا ہوتا ہے، جیسے: "**یا محمد**." (اے محمد!)، یا کسی بات کا حکم دے رہا ہوتا ہے، جیسے: "**سافر**." (تو سفر کر۔) ، یا کوئی آرزو کر رہا ہوتا ہے، جیسے: "**لیت الشباب یعود**." (کاش! جوانی لوٹ آئے۔)، یا کوئی سوال پوچھ رہا ہوتا ہے، جیسے: "**أأنت فعلت هذا؟**" (کیا آپ نے یہ کیا تھا؟) یا پھر کوئی امید رکھ رہا ہوتا ہے، جیسے: "**لعلي أفوز في الاختبار**." (مجھے امتحان میں کامیابی کی امید ہے۔)اور ظاہر ہے ان سب میں قائل کو سچا یا جھوٹا نہیں بولا جا سکتا ہے۔

سوال: جملہ کے کتنے ارکان ہیں؟

جواب: جملہ کے دو ارکان ہیں محکوم علیہ یعنی جس پر کوئی حکم لگا ہو یا جس کے بارے میں کچھ کہا ہو اور محکوم بہ یعنی جو حکم لگا ہو یا جو بات کسی کے بارے میں کہی ہو، جیسے: "**زيد يشتري جوال نوكيا في الشهر الآتي**." (زید آئندہ مہینہ میں نوکیا فون خریدے گا۔) اس مثال میں "**زيد**" محکوم علیہ ہے کہ اس پر فون

خریدنے کا حکم لگاہے یا اس کے بارے میں فون خریدنے والی بات کی گئی ہے، اور "**يشتري**" محکوم بہ ہے کہ فون خریدنے کا حکم یا فون خریدنے والی بات زید کے بارے میں کی گئی ہے۔

فائدہ: محکوم علیہ کو مسند الیہ بھی کہا جاتا ہے اور مسند الیہ سے مرادوہ ہے جس کی طرف کوئی بات منسوب ہو اور محکوم بہ کو مسند بھی کہا جاتا ہے اور مسند سے مرادوہ بات جو کسی کی طرف منسوب ہو۔

سوال: محکوم علیہ کونسی چیزیں ہو سکتی ہیں؟

جواب: فاعل (Nominative Subject)، جیسے: **ضَرَبَ زيدٌ**. یعنی زید نے مارا، نائب الفاعل (Accusative Subject)، جیسے: **ضُرِبَ زيدٌ**. یعنی زید کو مارا گیا۔ اور مبتدا، جیسے: **زيدٌ ضارب**. یعنی زید نے مارا ہے۔

سوال: محکوم بہ کون سی چیزیں ہو سکتی ہیں؟

جواب: فعل، جیسے: **ضَرَبَ**. یعنی مارا اس ایک مرد نے۔ اور مبتدا کی قسم ثانی یعنی حرفِ نفی یا الفِ استفہام کے بعد واقع ہونے والی صفت جو اسم ظاہر کو رفع دے، جیسے: **ما قائمُ الزيدانِ**. یعنی دونوں زید کھڑے نہیں ہیں اور "**أَقائمُ الزيدانِ**؟" یعنی کیا دونوں زید کھڑے ہیں؟

التركيب

قوله: "إمّا" حرف ترديد، وما بعدها خبر للضمير المرفوع المنفصل. قوله: "أن يقال لقائله إنه صادق فيه أو كاذب" الموصول الحرفي مع الصلة فاعل ل"يصح". قوله: "المراد" صفة للأمر المحذوف، و"بكذب الخبر" معطوفا على "بصدق الخبر" متعلق ب"المراد"، و"عدم مطابقته له" معطوفا على "مطابقته للواقع" خبر ل"الأمر المراد". قوله: "فصدق" أي فهو صدق فالجملة جزاء لما قبله، و"منها" متعلق ب"المفهومة" التي هي صفة ل"النسبة"، وقوله: "إلّا" أي إن لم تكن النسبة المفهومة منها أي من تلك الجملة مطابقة لما وقع في الخارج فكذب أي فهو كذب. قوله: "محكوم عليه ومحكوم به" معطوف عليه مع معطوف بدل من "ركنان"، وهو

مبتدأ مؤخر ل"كل جملة". قوله:"الأول" صفة لموصوف محذوف، وهو الركن، وكذا قوله: "الثاني"،وقوله:"بمرفوعه" نائب الفاعل الغير الصريح ل"المكتفى".

اَلْكَلَامُ عَلَى الْخَبَرِ

اَلْخَبَرُ إِمَّا أَنْ يَكُوْنُ جُمْلَةً فِعْلِيَّةً أَوِ اسْمِيَّةً فَالْأُوْلَى مَوْضُوْعَةٌ لِإِفَادَةِ الْحُدُوْثِ فِيْ زَمَنٍ مَخْصُوْصٍ مَعَ الْاِخْتِصَارِ...

یہ کلام خبر کے بارے میں ہے۔

ترجمہ: خبر جملہ فعلیہ ہوتی ہے یا جملہ اسمیہ۔ جملہ فعلیہ کی وضع مخصوص زمانہ میں اختصار کے ساتھ حدثی معنی کا فائدہ دینے کے لیے ہوئی۔

تشریح: سامع (Listener) تک پیغام (Message) جیسے جملہ اسمیہ کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے، ایسے ہی جملہ فعلیہ کے ساتھ بھی پہنچایا جاتا ہے بلکہ جملہ فعلیہ کے ذریعے خبر دینا، جملہ اسمیہ کی نسبت بہتر ہے کہ کم لفظوں میں اپنی بات سامع تک پہنچائی جاسکتی ہے، جیسے جملہ فعلیہ کے ذریعے بتانا ہو کہ میں آئندہ کل موبائل فون خریدوں گا تو "أشتری الجوال." کہنا کافی ہے اور جملہ اسمیہ کے ذریعے بتانا ہو تو "أنا مشتري الجوال غدا." کہنا ضروری ہے، جملہ فعلیہ میں "آئندہ کل" کا معنی حاصل کرنے کے لیے علیحدہ سے "غدا" نہیں کہنا پڑا بلکہ فعل مضارع سے ہی حاصل ہو گیا جبکہ جملہ اسمیہ میں اس مقصد کے لیے "غدا" لفظ بطور خاص کہنا پڑا۔

فائدہ: حقیقت میں فعل تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے:۔(1) **حدثی معنی:** اس کو مصدری معنی بھی کہا جاتا ہے۔(2) **نسبة الی الفاعل:** فعل کی نسبت فاعل یا نائب الفاعل کی طرف۔(3) **زمانہ:** برابر ہے معین ہو جیسے فعل ماضی میں ہوتا ہے یا غیر معین ہو جیسے فعل مضارع میں ہوتا ہے کیونکہ اس میں حال اور استقبال دونوں کا احتمال (Posibilty) رہتا ہے۔

مثال: "ضَرَبَ زیدٌ." میں "ضَرْبٌ" (مارنا) حدثی معنی ہے، اور "ضرب" کی "زید" کی طرف نسبت، نسبۃ الی الفاعل ہے جبکہ "مارا" زمانہ ماضی میں کام ہونے کی خبر دیتا ہے۔ یونہی "یُضْرَبُ زیدٌ." میں "ضَرْبٌ" (مارنا) حدثی معنی ہے، اور "یضرب" کی "زید" کی طرف نسبت، نسبۃ الی نائب الفاعل ہے جبکہ "مارا جاتا ہے یا مارا جائے گا" زمانہ حال یا استقبال میں کام ہونے کی خبر دیتا ہے۔

التركيب

قوله:"على الخبر" خبر ل"الكلام"،وقوله:"إمّا" حرف ترديد، و"أو" عاطفة ل"اسمية" على "فعلية"،وقوله:"فالأولى" صفة للموصوف المحذوف أي الجملة، ثم مبتدأ ل"موضوعة"، و"لإفادة" متعلق ب"موضوعة"، و"في زمن مخصوص" متعلق ب"إفادة"، و"مع الاختصار" مفعول فيه لها.

وَقَدْ تُفِيْدُ الْإِسْتِمْرَارَ التَّجَدُّدِيَّ بِالْقَرَائِنِ إِذَا كَانَ الْفِعْلُ مُضَارِعًا كَقَوْلِ طَرِيْفٍ:

أَوَكُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيْلَةٌ

بَعَثُوْا إِلَيَّ عَرِيْفَهُمْ يَتَوَسَّمُ

...

ترجمہ: اور جملہ فعلیہ، قرائن کے پائے جانے کے وقت، بعض اوقات (Sometimes) استمرارِ تجدّدی کا فائدہ دیتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جملہ فعلیہ کا فعل، فعل مضارع ہو، جیسے طریف کا قول: تو کیا جب کبھی عکاظ میں کوئی قبیلہ اترے گا تو وہ میری شناخت کے لیے اپنا نمائندہ بھیجیں گے؟

تشریح: استمرار تجدّدی سے مراد حدثی معنی کا بار بار پایا جانا اور قرائن قرینۃ کی جمع ہے اور یہاں قرینہ سے مراد تقاضائے مقام (Need of Circumstances) اور سیاقِ جملہ (Context of Sentence) ہے جس سے جملہ فعلیہ میں استمرارِ تجدّدی کا علم ہو، جیسے ذکر کردہ شعر میں "یتوسّم" فعل مضارع ہے اور اس میں استمرارِ تجدّدی یعنی عریف سے توسّم کا بار بار واقع ہونا ہے اور اس پر قرینہ تقاضائے مقام وسیاق ہے کہ عریف بھیجنے کا مقصد آدمی کی شناخت ہے اور یہ شناخت توسّم متجدّد یعنی کثیر چہروں پر بار بار نظر ڈالنے کے بعد ہی ہو گی۔ ایسے ہی "یقلّب اللہ اللیل والنھار۔" مثال میں رات اور دن کی بدلی میں استمرارِ تجدّدی ہے یعنی اللہ تعالی رات کو دن میں بدلتا ہے پھر دن کو رات میں اور اسی طرح تا قیامت سلسلہ رہے گا۔

شعر کا پس منظر (Background of Couplet):

طریف بن تمیم عنبری عرب کا مشہور شاعر تھا، اس نے شراحیل شیبانی کو قتل کیا تھا۔ جب طریف عکاظ کے میلہ میں شرکت کرنے کے لیے حاضر ہوا چونکہ شراحیل کا بیٹا حمصیصہ اپنے باپ کا انتقام لینے کے سلسلہ میں طریف کی تلاش میں تھا اور اس نے لوگوں کو کہہ رکھا تھا کہ طریف نظر آئے تو بتانا۔ بہر حال لوگوں نے اشارہ سے حمصیصہ کو بتایا۔ پھر حمصیصہ جب جب طریف کے پاس سے گزرتا تو طریف کو گھورتا ہوا گزرتا، اس پر طریف نے پوچھا کہ تم مجھے بار بار ٹکٹکی باندھ کر کیوں دیکھتے ہو؟ حمصیصہ کہنے لگا کہ میں نے اللہ تعالی سے وعدہ کر

رکھا ہے کہ جس دن میرے باپ کا قاتل مل گیا تو میں اسے قتل کر دونگا اس لیے تمہیں بار بار دیکھ رہا ہوں تا کہ اچھی طرح سے پہچان لوں کہ تو ہی طریف ہے۔ اس پر طریف نے چند اشعار کہے ان اشعار میں سے ایک شعر یہ بھی ہے جو بطور مثال پیش کیا گیا۔ "**عکاظ**": مقامِ نخلہ اور مقامِ طائف کے درمیان واقع ایک بازار ہے یہاں ہر سال ایک میلہ ذیقعدہ میں تقریبا بیس دن کے لیے منعقد ہوا کرتا تھا۔ اس میلہ میں عرب کے مشہور شعراء آیا کرتے اور فن شاعری کا خوب مظاہرہ کیا کرتے۔ "**توسّم**" کا معنی کسی شے کی فراست سے شناخت اور چھان بین کرنا ہے جبکہ "**عریف**" قوم کے سردار اور نمائندہ کو کہا جاتا ہے۔

فائدہ: "**عکاظ**" علمیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

التركيب

قوله: "إذا كان الفعل مضارعا" شرط مؤخر لقوله: "قد تفيد الاستمرار التجددي بالقرائن". قوله: "أو كلما وردت عكاظ إلخ" الهمزة للاستفهام التقريري، والواو عاطفة لما بعدها على مقدر أي "حضرت العرب في عكاظ"، و"يتوسم" حال من "عريفهم" ثم مفعول ل"بعثوا".

وَالثَّانِيَةُ مَوْضُوْعَةٌ لِمُجَرَّدِ ثُبُوْتِ الْمُسْنَدِ لِلْمُسْنَدِ إِلَيْهِ نَحْوُ الشَّمْسُ مُضِيْئَةٌ وَقَدْ تُفِيْدُ الْاِسْتِمْرَارَ بِالْقَرَائِنِ إِذَا لَمْ يَكُنْ فِيْ خَبَرِهَا فِعْلٌ نَحْوُ الْعِلْمُ نَافِعٌ...

ترجمہ: اور دوسرے جملہ کی وضع محض اس لیے ہوئی کہ مسند کو مسند الیہ کے لیے ثابت کیا جائے، جیسے: سورج روشنی دینے والا ہے۔ اور کبھی کبھار قرائن سے جملہ اسمیہ استمرار کا فائدہ دیتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی خبر فعل نہ ہو، جیسے: علم نفع بخش ہے۔

تشریح: خبر جب جملہ اسمیہ ہو تو صرف ایک فائدہ حاصل ہوتا ہے اور وہ مسند کو مسند الیہ کے لیے ثابت کرنا ہے یعنی مسند کا حکم مسند الیہ پر لگانا۔ جملہ اسمیہ نہ تو حدثی معنی کا فائدہ دیتا ہے اور نہ ہی استمرارِ تجدّدی کا، جیسے: "الشمس مضيئة." میں "مضيئة" کو "الشمس" کے لیے ثابت کیا گیا ہے، اس میں حدثی معنی کا افادہ نہیں؛ کیونکہ خبر فعل نہیں اور حدثی معنی فعل کا جزو ہے اور نہ ہی اس میں استمراد تجدّدی ہے کہ یوں کہا جائے کہ سورج بار بار روشنی دیتا ہے یعنی کچھ لمحہ روشنی دی پھر نہ دی پھر کچھ لمحہ روشنی دی اور پھر نہ دی، ایسا نہیں ہے بلکہ سورج پر محض روشن کرنے کا حکم لگا دیا گیا۔ اگر جملہ اسمیہ کی خبر فعل نہ ہو بلکہ اسم ہو تو اس صورت میں کبھی کبھار استمرار کا فائدہ حاصل ہوتا ہے جبکہ اس پر قرینہ موجود ہو نیز شرط رکھی گئی کہ جملہ اسمیہ کی خبر فعل نہ ہو؛ کیونکہ فعل ہونے کی صورت میں استمرار کا فائدہ نہیں ہو گا؛ کیونکہ فعل حدوث اور تجدّد یعنی فعل واقع ہونے کے بعد ختم ہو جانے پھر نئے سرے سے واقع ہونے پر دلالت کرتا ہے اور یہ (حدوث و تجدّد) استمرار کے مخالف ہے جیسے: العلم نافع. اس مثال میں نفع بخش ہونے کا ثبوت علم کے لیے بطور استمرار ہے یعنی علم کی افادیت کوئی وقتی یا عارضی نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے ہے اور علم کے نفع بخش ہونے پر قرینہ تجربہ اور مشاہدہ ہے، ایسے ہی "والله غفور رحيم." اور "محمد رسول الله." مثالوں میں ثبوتِ مسند میں استمرار و دوام ہے۔

التركيب

قوله: "الثانية" صفة ل "الجملة" المحذوفة، ثم مبتدأ لما بعدها. وقوله: "للمسند إليه" متعلق ب "ثبوت". قوله: "قد تفيد" جزاء مقدم، و "في خبرها" خبر ل "لم يكن".

وَالْأَصْلُ فِي الْخَبَرِ أَنْ يُّلْقَى لِإِفَادَةِ الْمُخَاطَبِ الْحُكْمُ الَّذِيْ تَضَمَّنَهُ الْجُمْلَةُ كَمَا فِيْ قَوْلِنَا حَضَرَ الْأَمِيْرُ أَوْ لِإِفَادَةِ أَنَّ الْمُتَكَلِّمَ عَالِمٌ بِهِ نَحْوُ أَنْتَ حَضَرْتَ أَمْسِ وَيُسَمَّى الْحُكْمُ فَائِدَةَ الْخَبَرِ وَكَوْنُ الْمُتَكَلِّمِ عَالِمًا بِهِ لَازِمَ الْفَائِدَةِ...

ترجمہ: اور خبر میں اصل یہ ہے کہ مخاطب کو فائدہ دینے کے لیے جملہ کے ذریعے حکم لگایا جائے، جیسے ہمارے قول میں ہے: امیر حاضر ہوا۔ یا جملہ کے ذریعے حکم، یہ فائدہ دینے کے لیے لگایا جائے کہ متکلم اس حکم کا عالم ہے، جیسے: آپ کل حاضر ہوئے تھے۔ حکم کو فائدہ الخبر کہتے ہیں جبکہ متکلم کا عالمِ حکم ہونا، لازم فائدۃ الخبر کہلاتا ہے۔

تشریح: اصل کے کئی معانی ہیں موقع کے مناسبت سے ان معانی میں سے کوئی ایک معنی مراد لیا جا سکتا ہے، معانی یہ ہیں قانون کلی، قانونِ اکثری، بنیاد، مرجع اور حقیقت وغیرہ البتہ یہاں پر اصل سے مراد قانونِ اکثری ہے کہ اکثر اور اغلب یہ ہے کہ خبر ان ذکر کردہ دو معانی (Purposes) میں سے ایک معنی کے لیے آتی ہے لیکن بعض اوقات ان دو کے علاوہ دیگر معانی کے لیے بھی آتی ہے جن کی تفصیل ان شاء اللہ العزیز اگلے صفحات میں آئے گی بہر حال پہلا معنی یہ کہ خبر سے مخاطب کو کوئی نئی بات بتائی جائے جو کہ مخاطب کے علم میں پہلے سے نہ ہو، جیسے: امیر حاضر ہوا یا کل زید کا انتقال ہو گیا تھا، گویا مخاطب کو ایسی بات کی خبر دی گئی جو اس کے لیے نئی ہے اور دوسرا معنی یہ کہ خبر سے مخاطب کو یہ باور کروایا جائے کہ جو بات بتائی جا رہی ہے اس کا علم جیسے آپ کو ہے ویسے ہی مجھ متکلم کو بھی ہے، جیسے زید کو بکر کہے: آپ کل تشریف لائے تھے۔ گویا زید نے اس جملہ کے ذریعے بکر کو بتا دیا کہ مجھے آپ کی تشریف آوری کا علم ہے، گفتگو کا خلاصہ یہ کہ خبر کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر۔

سوال: خبر کی دوسری قسم کو لازم فائدۃ الخبر کا نام کیوں دیا گیا؟

جواب: کیونکہ خبر کی یہ قسم لازمی طور پر تقاضا کرتی ہے کہ متکلم کو خبر میں ذکر کردہ حکم کا پہلے سے پتہ ہے، اسی لیے اس قسم کو لازم فائدۃ الخبر کا نام دیا گیا۔

التركيب

قوله: "في الخبر" صفة ل"الأصل"، ثم مبتدأ لما بعده، وقوله: "لإفادة المخاطب" متعلق ب"يلقى"، وقوله: "الحكم الذي تضمنه الجملة" نائب الفاعل ل"يلقى"، وقوله: "لإفادة أن المتكلم عالم به" عطف على قوله: "لإفادة المخاطب". قوله: "كون" مضاف إلى اسمه و"عالما به" خبر له. فالكون مع اسمه وخبره معطوف على "الحكم" الذي هو نائب الفاعل ل"يسمى"، و"لازم فائدة الخبر" بالعطف على "فائدة الخبر" مفعول ل"يسمى".

وَقَدْ يُلْقَى الْخَبَرُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى كَالِاسْتِرْحَامِ فِيْ قَوْلِ مُوْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ: رَبِّ إِنِّيْ لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ[16] وَإِظْهَارِ الضُّعْفِ فِيْ قَوْلِ زَكَرِيَّا عَلَيْهِ السَّلَامُ: قَالَ رَبِّ إِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ[17] وَإِظْهَارِ التَّحَسُّرِ فِيْ قَوْلِ امْرَأَةِ عِمْرَانَ: فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّيْ وَضَعْتُهَا أُنْثَى وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ[18] وَإِظْهَارِ الْفَرَحِ بِمُقْبِلٍ وَالشَّمَاتَةِ بِمُدْبِرٍ فِيْ قَوْلِكَ: جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ وَإِظْهَارِ السُّرُوْرِ فِيْ قَوْلِكَ: أَخَذْتُ جَائِزَةَ التَّقَدُّمِ لِمَنْ يَعْلَمُ ذٰلِكَ وَالتَّوْبِيْخِ فِيْ قَوْلِكَ لِلْعَاثِرِ: الشَّمْسُ طَالِعَةٌ...

ترجمہ: اور بسا اوقات خبر دوسری اغراض کے لیے لائی جاتی ہے، جیسے رحم کی اپیل حضرت موسی علیہ السلام کے فرمان میں: اے میرے رب! میں اس خیر کا محتاج ہوں جو تو میرے لیے اتارے۔، کمزوری کا اظہار حضرت زکریا علیہ السلام کے فرمان میں: عرض کی اے میرے رب! میری ہڈی کمزور ہو گئی۔، حسرت کا اظہار حضرت عمران رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی بیوی کے فرمان میں: پھر جب عمران کی بیوی نے بچی کو جنم دیا تو اس نے کہا اے میرے رب! میں نے تو لڑکی کو جنم دیا ہے حالانکہ رب بہتر جانتا ہے جو اس نے جنا۔، اچھی چیز کی آمد پر فرحت اور بری چیز کی رخصتی پر مسرت کا اظہار تیرے قول میں: تم فرماؤ کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا۔، تیرے قول میں خوشی کا اظہار: میں نے اول آنے پر انعام لیا۔ اس کے لیے جس کو اس کا علم ہو اور تیرے قول میں ڈانٹ غلطی کرنے والے کو: سورج نکلا ہوا ہے۔

تشریح: خبر حقیقت میں دو اغراض میں سے کسی ایک غرض کے لیے ہوتی ہے: مخاطب کو کوئی نئی بات بتانے کے لیے یا یہ بتانے کے لیے کہ متکلم کو بھی اس بات کا علم ہے، مگر بعض اوقات دیگر اغراض کے لیے آتی ہے:

---

[16] سورۃ القصص: الآیۃ: 24.

[17] سورۃ مریم: الآیۃ: 4.

[18] سورۃ آل عمران: الآیۃ: 36.

- استرحام: رحم کی درخواست کرنا، جیسے حضرت موسی علیہ السلام نے اللہ تعالی سے رحم طلب کرنے کے لیے عرض کیا کہ میں تیری طرف سے ملنے والی خیر کا محتاج ہوں؛ کیونکہ اس خبر سے نہ تو اللہ تعالی کو نئی بات بتانا مقصود ہے؛ کیونکہ وہ ظاہر و باطن خوب جانتا ہے، اور نہ ہی اللہ تعالی کو یہ بتانا مقصود ہے کہ مجھے بھی اس بات کا علم ہے کہ میں تیرا محتاج ہوں بلکہ مقصود اللہ تعالی کے رحم کو طلب کرنا ہے۔
- کمزوری اور ناتوانی کا اظہار کرنے کے لیے خبر لانا، جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالی کی بارگاہ میں عرض کیا تھا کہ اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، اس خبر میں حضرت زکریا علیہ السلام نے مخاطب کو کوئی نئی بات نہیں بتائی؛ کیونکہیہاں مخاطب اللہ تعالی ہے اور اس سے کچھ چھپا نہیں اوراللہ تعالی کو یہ بھی نہیں بتانا چاہا کہ مجھے بھی اپنی کمزوری کا علم ہے بلکہ انہوں نے اس پاک بارگارہ میں اپنی کمزوری اور انکساری کا اظہار کیا ہے۔
- حسرت کا اظہار کرنے کے لیے خبر لانا، جیسے حضرت عمران رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی بیوی نے اللہ کی بارگاہ میں اپنی امید اور خواہش کے پورا نہ ہونے پر حسرت اور غم کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ اے میرے رب میری خواہش بچے کی تھی لیکن میں نے بچی کو جنم دیا لہذا اب بیت المقدس کی خدمات اس بچی کے سپرد کیسے کرونگی۔ یہاں نہ تو مخاطب یعنی اللہ کو کوئی نئی بات بتانا مقصود ہے اور نہ ہی یہ بتانا کہ مجھے بھی اس بات کا علم ہے بلکہ مقصود خواہش کے ادھوری رہنے پر اللہ تعالی کے سامنے حسرت اور غم کا اظہار ہے۔
- اچھی چیز کی آمد پر خوشی کا اظہار کرنے کے لیے اور بری چیز کے جانے اور مٹنے پر فرحت کا اظہار کرنے کے لیے خبر لانا، جیسے: جاء الحق وزهق الباطل: اس قول سے مقصود نہ تو کوئی نئی بات بتانا ہے؛ کیونکہ حق کا آنا اور باطل کا جانا سب کو معلوم ہے، اور نہ ہی متکلم کا اپنا عالم ہونا بتانا مطلوب ہے، بلکہ فقط اظہار فرحت ہے۔
- اظہار مسرت جیسے: "أخذت جائزة التقدم." میں نہ تو فائدۃ الخبر ہے؛ کیونکہ مخاطب کو پہلے ہی سے پتہ ہے کہ متکلم نے پہلی پوزیشن پر انعام لیا ہے اور نہ ہی لازم فائدۃ الخبر ہے کہ متکلم یہ بتانا چاہتا ہو کہ مجھے بھی پتہ ہے کہ میں نے پہلی پوزیشن پر انعام لیا ہے بلکہ انعام حاصل کرنے پر خوشی کا اظہار مقصود ہے۔

- غلطی کرنے والے کو ڈانٹنے کے لیے خبر لانا، جیسے کوئی بندہ دن میں چلتے ٹھوکر کھالے تو اس کو کہا جائے بھائی! سورج نکلا ہے۔ مخاطب کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے؛ کیونکہ اس کو علم ہے کہ سورج نکلا ہے اور نہ ہی متکلم مخاطب کو بتانا چاہ رہا ہے کہ مجھے بھی سورج کے نکلنے کا علم ہے بلکہ متکلم صرف مخاطب کو غلطی پر ڈانٹ رہا ہے لہذا یہاں نہ فائدۃ الخبر ہے اور نہ ہی لازم فائدۃ الخبر۔

التركيب

قوله: "في قول موسى إلخ" متعلق ب"الاسترحام" الذي يعطف عليه إظهار الضعف وإظهار التحسر وإظهار الفرح والشماتة وإظهار السرور والتوبيخ. قوله: "بمقبل" متعلق ب"الفرح"، و"مدبر" ب"الشماتة". وقوله: "لمن يعلم ذلك" متعلق ب"إظهار"، وقوله: "للعاثر" ب"التوبيخ".

أَضْرُبُ الْخَبَرِ حَيْثُ كَانَ قَصْدُ الْمُخْبِرِ بِخَبَرِهِ إِفَادَةَ الْمُخَاطَبِ يَنْبَغِيْ أَنْ يَّقْتَصِرَ مِنَ الْكَلَامِ عَلَى قَدْرِ الْحَاجَةِ حِذْرًا مِنَ اللَّغْوِ فَإِنْ كَانَ الْمُخَاطَبُ خَالِيَ الذِّهْنِ مِنَ الْحُكْمِ أُلْقِيَ إِلَيْهِ الْخَبَرُ مُجَرَّدًا عَنِ التَّأْكِيْدِ نَحْوُ أَخُوْكَ قَادِمٌ وَإِنْ كَانَ مُتَرَدِّدًا فِيْهِ طَالِبًا لِمَعْرِفَتِهِ حَسُنَ تَوْكِيْدُهُ نَحْوُ إِنَّ أَخَاكَ قَادِمٌ وَإِنْ كَانَ مُنْكِرًا وَجَبَ تَوْكِيْدُهُ بِمُؤَكِّدٍ أَوْ مُؤَكِّدَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ حَسَبَ دَرَجَةِ الْإِنْكَارِ نَحْوُ إِنَّ أَخَاكَ قَادِمٌ وَإِنَّهُ لَقَادِمٌ أَوْ وَاللّٰهِ إِنَّهُ لَقَادِمٌ فَالْخَبَرُ بِالنِّسْبَةِ لِخُلُوِّهِ مِنَ التَّوْكِيْدِ وَاشْتِمَالِهِ عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ أَضْرُبٍ كَمَا رَأَيْتَ وَيُسَمَّى الضَّرْبُ الْأَوَّلُ ابْتِدَائِيًّا وَالثَّانِيْ طَلَبِيًّا وَالثَّالِثُ إِنْكَارِيًّا وَيَكُوْنُ التَّوْكِيْدُ بِإِنَّ وَأَنَّ وَلَامِ الْإِبْتِدَاءِ وَأَحْرُفِ التَّنْبِيْهِ وَالْقَسَمِ وَنُوْنَيِ التَّأْكِيْدِ وَالْحُرُوْفِ الزَّائِدَةِ وَالتَّكْرِيْرِ وَقَدْ وَأَمَّا الشَّرْطِيَّةِ ...

ترجمہ: خبر کی اقسام: جب مخبر (First Person) کا اپنی خبر سے مخاطب (Second Person) کو فائدہ دینا مقصود ہو تو مناسب ہے کہ مخبر فضول گفتگو سے پرہیز کرتے ہوئے، ضرورت کے مطابق گفتگو کرے لہذا مخاطب کے ذہن میں اگر کوئی حکم نہ ہو تو ایسے مخاطب کے ساتھ، تاکید سے خالی گفتگو کی جائے، جیسے: تیرا بھائی آنے والا ہے۔ اور اگر مخاطب کے ذہن میں حکم ہو لیکن شک ہو، اس بارے میں مزید جاننا چاہتا ہو تو حکم تاکید کے ساتھ لانا اچھا ہے، جیسے: بے شک تیرا بھائی آنے والا ہے۔ اور اگر مخاطب حکم کا انکاری ہو تو حکم کے ساتھ ایک تاکید، دو تاکیدیں یا انکار کے مطابق زیادہ تاکیدیں لانا ضروری ہے، جیسے: بے شک تیرا بھائی آنے والا ہے، بے شک وہ ضرور آنے والا ہے اور خدا کی قسم بے شک وہ ضرور آنے والا ہے۔ بہر حال خبر تاکید سے خالی ہو اور تاکید کے ساتھ ہو اس لحاظ سے خبر کی تین قسمیں ہیں جیسا کہ تو نے ملاحظہ کیا۔ پہلی قسم کو خبر ابتدائی، دوسری قسم کو خبر طلبی اور تیسری قسم کو خبر انکاری کا نام دیا جاتا ہے اور تاکید "إنّ"، "أنّ"، لامِ ابتدا، حروفِ تنبیہ، حروفِ قسم، تاکید کے دو نون (نون ثقیلہ اور نون خفیفہ)، حروفِ زائدہ، تکریر، "قد" اور "أمّا" شرطیہ سے لائی جاتی ہے۔

تشریح: بندے کو چاہیے کہ ضرورت کے مطابق گفتگو کرے نہ زیادہ کہ فضول ہو جائے اور نہ کم کہ مقصد فوت ہو جائے لہذا ضرورت کے مطابق درمیانی گفتگو کرنی چاہیے، جیسے آپ کسی کو عربی میں بتانا چاہتے ہیں کہ میں نے نماز پڑھ لی تھی تو آپ کہیں گے "صلّیت الصلاۃ." یہ درمیانی گفتگو ہے جس سے آپ کا مقصد پورا ہو گیا اور اگر آپ "أنا صلّیت الصلاۃ." بولیں تو ضرورت سے زائد گفتگو ہے اور اگر "الصلاۃ" بولیں تو ضرورت سے کم گفتگو ہے کہ آپ کی مراد سمجھنے میں پریشانی ہے پھر گفتگو کرنے سے پہلے دیکھ لیا جائے کہ مخاطب بالکل کورا ہے یعنی اس کے ذہن میں فی الحال وہ بات نہیں جو آپ بتانا چاہ رہے ہیں تو اس کے ساتھ سادہ انداز میں کوئی تاکید لائے بغیر گفتگو کریں، جیسے: "أخوك قادم." اور خبر کی اس قسم کو ابتدائی بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مخاطب کا ذہن شروع سے ہی خالی ہے اور اگر مخاطب کے ذہن میں وہ بات پہلے سے موجود ہے جو آپ بتانا چاہ رہے ہیں لیکن مخاطب کو اس بات میں تھوڑا شک ہے اور وہ اس شک کو دور کرنے کی طلب رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ خبر کی اس قسم کو طلبی کہا جاتا ہے تو اس صورت میں گفتگو تاکید کے ساتھ اچھی ہے، جیسے: "إنّ أخاك قادم." یعنی مخاطب کو آنے کا تھا لیکن شک تھا کہ آئے گا یا نہیں اور وہ اس شک کو دور کرنا چاہتا ہے لہذا جملہ سے پہلے "إنّ" ذکر کر دیا تاکہ شک ختم ہو جائے اور جو بات آپ مخاطب کو بتانے کا ارادہ رکھتے ہیں اگر اس بات سے مخاطب پہلے ہی سے انکاری ہے یعنی نہیں مانتا تو اب اس کے انکار کے مطابق گفتگو میں تاکیدیں لائی جائیں یعنی انکار جس قدر شدت اختیار کرتا جائے اسی قدر تاکیدیں بڑھا دی جائیں لہذا ایک تاکید سے انکار ختم ہو سکتا ہے تو ایک تاکید، دو سے ختم ہو سکتا ہے تو دو تاکیدیں اور اگر تین سے ختم ہوتا ہے تو تین تاکیدیں لانا واجب ہیں اور اسی طرح مزید، جیسے متن میں تین مثالیں مذکور ہوئیں پہلی مثال میں صرف ایک تاکید ہے یعنی "إنّ" اور دوسری مثال میں دو تاکیدیں یعنی "إنّ" اور لام ابتدا جبکہ تیسری مثال میں تین تاکیدیں ہیں یعنی قسم، "إنّ" اور لام ابتدا۔

کلام میں تاکید کی صورتیں:

1. "إنّ" اور "أنّ" کے ذریعے، جیسے: "إنّ زیدا قائم." اور "أنّ زیدا قائم."۔
2. نون ثقیلہ اور نون خفیفہ کے ذریعے، جیسے: "اضربَنَّ." (ضرور ضرور مار تو ایک مرد۔) اور "اضربَنْ." یعنی ضرور مار تو ایک مرد۔

3. "قد" کے ذریعے، جیسے: قد سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول. یعنی تحقیق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔
4. "أمّا" شرطیہ کے ذریعے، جیسے: أمّا الذین سعدوا ففي الجنة. یعنی بہر حال جو سعادت مند ہیں وہ جنت میں ہونگے۔
5. لفظ مکرر ذکر کر کے، جیسے: زید زید ضرب. یعنی زید نے ہی مارا۔
6. حروفِ زائدہ کے ذریعے کہ اگر ان کو کلام سے نکال بھی دیا جائے تو معنی میں کوئی فرق نہ آئے، یہ عموما کلام میں خوبصورتی کے لیے ذکر کیے جاتے ہیں۔ یہ حروف آٹھ ہیں:۔"إنْ"، جیسے: ما إنْ زید قائم. (زید نہیں کھڑا ہوا۔) اور "أنْ"، جیسے: فلما أنْ جاء البشیر. (پس جب خوشخبری سنانے والا آیا۔) اور "ما"، جیسے: إذا ما تخرج أخرج. (جب تو نکلے گا تو میں نکلوں گا۔) اور "لا"، جیسے: ما جاءني زید ولا عمرو. (میرے پاس زید نہیں آیا اور نہ ہی عمرو۔) اور "مِنْ"، جیسے: ما جاءني من أحد. (میرے پاس کوئی نہیں آیا۔) اور "کاف"، جیسے: لیس کمثله شيء. (اس کا مثل کوئی نہیں۔) اور "با"، جیسے: ما زید بقائم. (زید کھڑا نہیں ہے۔) اور "لام"، جیسے: ردف لکم. (وہ تمہارا ردیف تھا یعنی تمہارے پیچھے سوار تھا۔)
7. حروفِ قسم کے ذریعے اور وہ تین ہیں:۔"و"، جیسے: والله زید قائم. (اللہ کی قسم زید کھڑا ہے۔) اور "با"، جیسے: بالله زید قائم. (اللہ کی قسم زید کھڑا ہے۔) اور "تا"، جیسے: تالله زید قائم. (اللہ کی قسم زید کھڑا ہے۔)
8. حروفِ تنبیہ کے ذریعے کہ مخاطب کو غفلت سے بیدار کرنے کے لیے آتے ہیں، یہ جملہ کے شروع میں آتے ہیں اور یہ تین ہیں:۔"ألا"، جیسے: ألا إنهم هم المفسدون. (سن لو وہ فسادی لوگ ہیں۔) اور "ها"، جیسے: ها أنتم هؤلاء حاججتم في التقدیر. (تم وہی ہو جو تقدیر کے معاملہ میں جھگڑے تھے۔) اور "أما"، جیسے: أما زید قائم. (خبردار زید کھڑا ہے)۔

قوله:"أضرب الخبر" مبتدأ، و"حيث" مضاف لما بعده ومفعول فيه ل"ثابتة"، و"بخبره" متعلق ب"قصد".قوله:"أن يفتقر من الكلام على قدر الحاجة حذرا من اللغو" فاعل ل"ينبغي"، و"حذرا من اللغو" مفعول له ل"يقتصر"، وقوله:"مجردا عن التأكيد" حال من "الخبر"، وقوله:"طالبا لمعرفته" خبر ثان ل"كان" أو حال من ضمير المتردد. قوله:"أكثر" أي أكثر من مؤكّدين: الجار مع المجرور ظرف لاسم التفضيل، والضمير المستتر الراجع إلى التأكيد فاعله، ثم الشبيه بالجملة الاسمية عطف على "مؤكدين"، و"حسب درجة الإنكار" حال من الضمير المستكن في "أكثر". قوله:"بالنسبة إلى اشتماله عليه" حال من الخبر، و"لخلوه" متعلق ب"النسبة"، و"ثلاثة أضرب" خبر لما قبله أي فالخبر، وقوله:"كما رأيت" ف"ما" في "كما" زائدة، و"رأيت" مجرور محلا، والكاف متعلق بثابتثم خبر للمبتدأ المحذوف أي هذا. وقوله:"ابتدائيا" عطف عليه الطلبي والإنكاري، ثم كان مفعولا ل"يسمى"، والضرب الثاني والضرب الثالث عطفا على الضرب الأول، ثم كان نائب الفاعل ل"يسمى". قوله:"بإنّ" مع معطوفاته متعلق ب"ثابتا"، وهو خبر ل"كان"، وقوله:"الشرطية" اسم منسوب صفة ل"أمّا".

اَلْكَلَامُ عَلَى الإِنْشَاءِ

اَلْإِنْشَاءُ إِمَّا طَلَبِيٌّ أَوْ غَيْرُ طَلَبِيٍّ فَالطَّلَبِيُّ مَا يَسْتَدْعِيْ مَطْلُوْبًا غَيْرَ حَاصِلٍ وَقْتَ الطَّلَبِ وَغَيْرُ الطَّلَبِيِّ مَا لَيْسَ كَذٰلِكَ وَالْأَوَّلُ يَكُوْنُ بِخَمْسَةِ أَشْيَاءٍ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ وَالْإِسْتِفْهَامِ وَالتَّمَنِّي وَالنِّدَاءِ أَمَّا الْأَمْرُ فَهُوَ طَلَبُ الْفِعْلِ عَلَى وَجْهِ الْإِسْتِعْلَاءِ وَلَهُ أَرْبَعُ صِيَغٍ فِعْلُ الْأَمْرِ نَحْوُ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ[19] وَالْمُضَارِعُ الْمَقْرُوْنُ بِاللَّامِ نَحْوُ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ[20] وَاسْمُ فِعْلِ الْأَمْرِ نَحْوُ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ وَالْمَصْدَرُ النَّائِبُ عَنْ فِعْلِ الْأَمْرِ نَحْوُ سَعْيًا فِي الْخَيْرِ ...

یہ کلام انشاء کے بارے میں ہے۔

ترجمہ: انشاء، طلبی ہوتا ہے یا غیر طلبی پس انشائے طلبی میں ایسی چیز طلب کی جاتی ہے جو طلب کرتے وقت حاصل نہ ہو جبکہ غیر طلبی میں ایسا نہیں ہوتا۔ انشائے طلبی میں پانچ چیزیں آتی ہیں امر، نہی، استفہام، تمنی اور ندا۔ بہر حال امر سے مراد مخاطب پر بلندی چاہتے ہوئے، مخاطب سے کوئی فعل طلب کرنا اور امر کے چار صیغے ہیں فعل امر، جیسے: تو مضبوطی سے کتاب تھام۔، وہ مضارع جس پر الف لام داخل ہو، جیسے: چاہیے کہ وسعت والا اپنی وسعت سے خرچ کرے۔، اسم بمعنی فعل امر، جیسے: فلاح کی طرف آجاؤ۔ اور وہ مصدر جو فعل امر کا نائب یعنی فعل امر کی جگہ ہو، جیسے: تو بھلائی کی کوشش کر۔

تشریح: انشاء کی تعریف پچھلے باب میں جانی جاچکی یہاں انشاء کی اقسام پر گفتگو ہوگی۔ انشاء کی دو قسمیں ہیں:۔ (1) انشائے طلبی: اس میں جس چیز کو طلب کیا جاتا ہے وقتِ طلب حاصل نہیں ہوتی، جیسے زید کو بولا جائے: صلّ الصلاۃ. یعنی نماز پڑھ لو۔ اس میں نماز کی ادائیگی کا جب مطالبہ کیا گیا اس وقت ابھی نماز کی ادائیگی ہونی تھی۔ (2) انشائے غیر طلبی: اس میں کوئی مطالبہ نہیں ہوتا، جیسے: **نعم زید**. یعنی زید کتنا اچھا ہے۔

---

[19] سورۃ مریم: الآیۃ: 12.

[20] سورۃ الطلاق: الآیۃ: 7.

پھر انشائے طلبی کے تحت پانچ چیزیں آتی ہیں اور وہ ہیں فعل امر، فعل نہی، استفہام، تمنی اور ندا۔ ان پانچوں پر بحث ان شاء اللہ ترتیب وائز مذکور ہوگی۔ فعل امر میں متکلم اپنے آپ کو مخاطب سے بڑا سمجھتے ہوئے مخاطب کو کسی کام کے کرنے کا کہتا ہے برابر ہے متکلم مخاطب سے حقیقت میں بڑا ہو یا نہ ہو، جیسے زید اپنے آپ کو بکر سے بڑا سمجھتے ہوئے بکر کو بولے: اذکر الله. یعنی اللہ کا ذکر کر۔

امر کے چار صیغے ہیں:

امر کے لیے چار صیغے استعمال ہوتے ہیں اور یہ فعل اور اسم دونوں سے ہوسکتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:۔

1. **فعل امر** : امر حاضر کے صیغوں سے کوئی فعل طلب کرنا، جیسے اللہ تعالی نے حضرت موسی کو فرمایا: خذ الكتاب بقوة. یعنی تو کتاب مضبوطی سے پکڑ۔
2. **مضارع مقرون باللام**: امر غائب کے صیغوں سے کوئی فعل طلب کرنا، جیسے: لينفق ذو سعة من سعته. یعنی چاہیے کہ وسعت والا اپنی وسعت سے خرچ کرے۔
3. **اسم بمعنی فعل الامر**: ایسے اسم سے فعل طلب کرنا جو امر کے معنی میں ہو، جیسے: حيّ على الفلاح. یعنی فلاح کی طرف آجاؤ۔
4. **فعل امر کے قائم مقام مصدر**: ایسے مصدر کے ذریعے فعل طلب کرنا جو فعل امر کی جگہ پر لایا گیا ہو، جیسے: سعيا في الخير. یعنی بھلائی میں کوشش کر۔ اس مثال میں "سعيا" مصدر ہے جو "اسع" فعل امر کی جگہ ذکر کیا گیا۔

التركيب

قوله: "غير حاصل" صفة ثانية لموصوف محذوف أي أمرا، و"وقت الطلب" ظرف ل"حاصل". قوله: "كذلك" متعلق ب"ثابتا" فيكون خبرا ل"ليس". قوله: "الأول" صفة للموصوف المحذوف أي القسم فيكون مبتدأ، وقوله: "بخمسة أشياء" متعلق ب"ثابتا" فيكون خبرا ل"يكون"، و"خمسة أشياء" مبدل، وما بعده بدل البعض أو الكل، وفيه وجوه أخر أيضا. قوله: "أما الأمر" ف"أما" حرف شرط، والأمر مبتدأ متضمن معنى الشرط، وما بعده خبر متضمن معنى الجزاء، و"على وجه الاستعلاء"

متعلق ب"طلب". قوله: "صيغ" تمييز ل"أربع"، ويبدل منه ما بعده ثم هو يكون مبتدأ مؤخرا ل "له". قوله: "المقرون" ف"أل" بمعنى الذي، وبأللام متعلق ب"المقرون" الذي صفة ل"المضارع". قوله: "ذو سعة" فاعل ل"ينفق"، و"من سعته" متعلق به. قوله: "حي" اسم بمعنى الأمر، والضمير المستكن فاعله، و"على الفلاح" متعلق به. قوله: "النائب" ف"أل" بمعنى الذي، و"عن فعل الأمر" متعلق ب"النائب" الذي صفة للمصدر. قوله: "في الخير" متعلق بالمصدر أي سعيا النائب عن "اسع". وهو فعل الأمر، والضمير المستتر فاعل فالفعل مع معمولاته جملة فعلية.

وَقَدْ تُخْرَجُ صِيَغُ الْأَمْرِ عَنْ مَعْنَاهَا الْأَصْلِيِّ إِلَى مَعَانٍ أُخَرَ تُفْهَمُ مِنْ سِيَاقِ الْكَلَامِ وَقَرَائِنِ الْأَحْوَالِ كَالدُّعَاءِ نَحْوُ أَوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ[21] وَالْاِلْتِمَاسِ كَقَوْلِكَ لِمَنْ يُسَاوِيْكَ أَعْطِنِي الْكِتَابَ وَالتَّمَنِّيْ نَحْوُ

أَلَا أَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيْلُ أَلَا انْجَلِي[22] : بِصُبْحٍ وَمَا الْإِصْبَاحُ مِنْكَ بِأَمْثَلِ

وَالْإِرْشَادِ نَحْوُ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ[23] وَالتَّهْدِيْدِ نَحْوُ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ[24] وَالتَّعْجِيْزِ نَحْوُ

يَا لَبَكْرٍ انْشِرُوْا لِيْ كُلَيْبًا : يَا لَبَكْرٍ أَيْنَ أَيْنَ الْفِرَارُ

وَالْإِهَانَةِ نَحْوُ كُوْنُوْا حِجَارَةً أَوْ حَدِيْدًا[25] وَالْإِبَاحَةِ نَحْوُ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا[26] وَالْاِمْتِنَانِ نَحْوُ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ[27] وَالتَّخْيِيْرِ نَحْوُ خُذْ هٰذَا أَوْ ذَاكَ وَالتَّسْوِيَةِ نَحْوُ فَاصْبِرُوْا أَوْ لَا تَصْبِرُوْا[28] وَالْإِكْرَامِ نَحْوُ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ[29] ...

---

[21] سورة النمل: الآية: 19.

[22] الياء للإشباع.

[23] سورة البقرة: الآية: 282.

[24] سورة فصّلت: الآية: 40.

[25] سورة بني إسرائيل: الآية: 50.

[26] سورة البقرة: الآية: 60.

[27] سورة المائدة: الآية: 88.

[28] سورة الطور: الآية 16.

[29] سورة الحجر: الآية: 46.

ترجمہ: اور بعض اوقات امر کے صیغے حقیقی معانی سے نکال لیے جاتے ہیں اور دوسرے معانی میں استعمال ہوتے ہیں جو کلام کے سیاق اور احوال کے قرائن سے معلوم ہوتے ہیں، جیسے دعامثلا: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر ادا کروں۔، التماس، جیسے تیرا اپنے برابر والے کو کہنا: مجھے کتاب دے دو۔، تمنی، جیسے: اے لمبی رات صبح سے روشن ہو جا اور صبح بھی تجھ سے بہتر نہیں۔، ارشاد، جیسے: اے ایمان والو! جب تم ایک مقرر مدت تک کسی قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور تمہارے درمیان کسی لکھنے والے کو انصاف کے ساتھ معاہدہ لکھنا چاہیے۔، تہدید، جیسے: تم جو چاہو کرو۔، تعجیز، جیسے: اے قبیلہ بکر! میرے لیے کلیب کو زندہ کرو۔ اے قبیلہ بکر! تم کہاں کہاں بھاگتے پھروگے؟، اہانت، جیسے: تم فرماؤ کہ پتھر بن جاؤ یا لوہا۔، اباحت، جیسے: تم کھاؤ اور پیو۔، امتنان، جیسے: جو اللہ نے تم کو رزق دیا اس میں سے کھاؤ۔، تخییر، جیسے: یہ لے لو یا وہ لے لو۔، تسویہ، جیسے: تم صبر کرو یا نہ کرو۔ اور اکرام، جیسے: ان میں سلامتی کے ساتھ امن وامان سے داخل ہو جاؤ۔

تشریح: امر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے اصلی معنی اور اس سے مراد: امر جس معنی کے لیے وضع ہوا تھا اسی معنی میں استعمال ہو اور وہ معنی ہے بلندی چاہتے ہوئے مخاطب سے کوئی فعل طلب کرنا، اور مفہومی معنی یعنی امر اصلی معنی کے علاوہ دیگر کسی اور معنی میں استعمال ہو جو کلام کے سیاق سے معلوم ہو۔

ممکنہ معانی جن کے لیے امر استعمال ہو سکتا ہے:

1. **دعا:** امر کبھی دعا کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے: "أوزعني." میں "أوزع" امر کا صیغہ ہے اور اس آیت میں امر والے معنی نہیں کہ اللہ تعالی پر بلندی چاہتے ہوئے نبی علیہ السلام نے اللہ کو حکم دیا ہو بلکہ نبی علیہ السلام نے اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالی سے شکر کی توفیق کی دعا مانگی ہے۔
2. **التماس:** امر کبھی اپنے ہم مرتبہ سے کوئی درخواست کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے: "أعطني الكتاب." میں "أعط" امر کا صیغہ ہے جو اپنے ہم مرتبہ سے کتاب حاصل کرنے کی درخواست کے لیے استعمال ہوا ہے؛ کیونکہ ہم مرتبہ پر حکم نہیں چلایا جاتا۔

3. **تمنی:** امر کبھی کسی شے کی تمنا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے: "**ألا أیها اللیل الطویل إلخ**" شعر میں "**انجل**" امر کا صیغہ ہے جس کے ذریعے شاعر رات سے تمنا کر رہا ہے کہ جلدی گزرے اور دن آئے اور ظاہر ہے کہ رات کو تو حکم نہیں دیا جا سکتا۔
4. **ارشاد:** امر کے ذریعے کبھی کسی کی کسی کام پر رہنمائی کی جاتی ہے، جیسے: "**إذا تداینتم إلخ**" میں "**اکتبوا**" لین دین کے معاملات میں لکھت پڑھت پر رہنمائی دیتا ہے البتہ لکھت پڑھت واجب نہیں کہ امر حکم کے لیے نہیں ہے۔
5. **تهدید:** امر کبھی ڈرانے اور دھمکانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے: "**اعملوا ماشئتم.**" میں "**اعملوا**" امر کا صیغہ ہے اور ڈانٹ ڈپٹ کے لیے استعمال ہوا ہے کہ جو کرنا ہے کرو، پر اس سب کی جزا تمہیں آخرت میں دیکھنا ہوگی۔ اس میں بے شرم ہونے کا حکم نہیں دیا جارہا ؛کیونکہ امر یہاں اپنے اصلی معنی پر نہیں۔
6. **تعجیز:** امر کے ذریعے کبھی عجز (کسی کام سے عاجز ہونے) کا اظہار کیا جاتا ہے، جیسے: "**انشروا لي کلیبا إلخ**" میں "**انشروا**" امر کا صیغہ ہے اور اس کے ذریعے قبیلہ بکر کے عجز کا اظہار مقصود ہے یعنی وہ کلیب کو زندہ کرنے سے عاجز ہیں؛ کیونکہ زندہ کرنا مخاطب لوگوں کے بس میں نہیں۔
7. **اہانت:** امر کے ذریعے کبھی مخاطب کو ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: "**کونوا حجارۃأو حدیدا.**" میں "**کونوا**" امر ہے اور کفار کو ذلیل کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا اور یقینا وہ اس پر قدرت نہیں رکھتے۔
8. **اباحت:** امر کبھی مخاطب کو کسی فعل کی اجازت دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے: "**کلوا واشربوا.**" دونوں امر کے صیغے ہیں جو کھانے پینے کی اجازت کے لیے لائے گئے ہیں، امر اپنے اصلی معنی پر نہیں کہ کھانا پینا واجب ہو؛ کیونکہ اس میں حرج عظیم ہے لہذا کہنا ہوگا کہ یہاں پر کھانا پینا مباح ہے؛ کیونکہ عمومی طور پر مباح انہیں چیزوں کو رکھا جاتا ہے جن میں نفع و نقصان دونوں کا امکان ہو۔

9. **امتنان:** امر کے ذریعے کبھی مخاطب پر احسان کیا جاتا ہے، جیسے: "**كلوا ممّا رزقكم الله.**" میں "**كلوا**" امر کا صیغہ ہے اور یہ اللہ تعالی کے دیے گئے رزق میں سے کھانے کی بطور احسان اجازت دینے کے لیے استعمال ہوا ہے اور یہ اپنے حقیقی معنی پر نہیں ورنہ کھانا واجب ہوتا۔

10. **تخییر:** امر کے ذریعے کبھی مخاطب کو کسی کام کے کرنے میں اختیار دیا جاتا ہے، جیسے: "**خذ هذا أو ذاك.**" میں "**خذ**" امر کا صیغہ ہے اور مخاطب کو اختیار دیا جارہا ہے کہ دونوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرلے۔

11. **تسویه:** امر کبھی دو چیزوں میں برابری کا معنی دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے: "**فاصبروا أو لا تصبروا.**" میں "**فاصبروا**" میں امر ہے جو صبر کرنے اور نہ کرنے میں برابری کا معنی دے رہا ہے۔ یہاں امر اپنے اصلی معنی میں استعمال نہیں ہورہا کہ صبر کرانا مقصود ہو اور صبر واجب ہو۔

12. **اکرام:** کبھی امر کے ذریعے مخاطب کو اکرام اور عزت دینا مقصود ہوتا ہے، جیسے: "**ادخلوها بسلام آمنين.**" میں "**ادخلوا**" صیغہ امر ہے اور جنتی لوگوں کو عزت دینے کے لیے استعمال ہو رہا کہ امن وسلامتی کے ساتھ جنت کے باغات میں تشریف لائیں، اور اس پر قرینہ یہ کہ جنتی لوگ عزت اور عظمت والے لوگ ہیں اور معزز لوگوں کے لیے تشریف آوری وغیرہ، عزت والے الفاظ اور معانی استعمال کیے جاتے ہیں۔

التركيب

قوله: "الأصلي" اسم منسوب صفة ل"معناها"، وقوله: "تفهم" صفة ثانية ل"معان"، وقوله: "قرائن الأحوال" عطف على "سياق الكلام". قوله: "لبكر" منادى واللام عليه زائدة بمعنى الاستغاثة للتأكيد. قوله: "أين" تأكيد للأوّل، اسم استفهام مفعول فيه ل"ثابت" مثلا، فيكون خبرا مقدما ل"الفرار". قوله: "آمنين" حال من ضمير الفاعل المستكن من "ادخلوا".

وَأَمَّا النَّهْيُ فَهُوَ طَلَبُ الْكَفِّ عَنِ الْفِعْلِ عَلَى وَجْهِ الْإِسْتِعْلَاءِ وَلَهُ صِيغَةٌ وَاحِدَةٌ وَهِيَ الْمُضَارِعُ مَعَ لَا النَّاهِيَةِ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: وَلَاتُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا[30] وَقَدْ تُخْرَجُ صِيغَتُهُ عَنْ مَعْنَاهَا الْأَصْلِيِّ إِلَى مَعَانٍ أُخَرَ تُفْهَمُ مِنَ الْمَقَامِ وَالسِّيَاقِ كَالدُّعَاءِ نَحْوُ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الأَعْدَاءَ[31] وَالْإِلْتِمَاسِ كَقَوْلِكَ لِمَنْ يُسَاوِيكَ: لَا تَبْرَحْ مِنْ مَّكَانِكَ حَتَّى أَرْجِعَ إِلَيْكَ وَالتَّمَنِّيْ نَحْوُ لَا تَطْلُعْ فِيْ قَوْلِهِ:

يَا لَيْلُ طُلْ يَا نَوْمُ زُلْ : يَا صُبْحُ قِفْ لَا تَطْلُعْ

وَالتَّهْدِيْدِ كَقَوْلِكَ لِخَادِمِكَ: لَا تُطِعْ أَمْرِيْ ...

ترجمہ: اور بہر حال نہی مخاطب پر برتری چاہتے ہوئے کسی کام سے روکنے کو طلب کرنے کا نام ہے اور اس کا صرف ایک ہی صیغہ ہے اور وہ مضارع پر لائے نہی داخل کرنے سے بنتا ہے، جیسے اللہ تعالی کا فرمان: زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو۔ اور کبھی کبھار نہی کے صیغہ کو اصلی معنی سے نکال کر دیگر معانی میں استعمال کیا جاتا ہے ایسے معانی جو محل کے تقاضا اور گفتگو کے سیاق سے سمجھے جاتے ہیں، جیسے دعا مثلا: تو تم مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دو۔ التماس، جیسے تیرا کہنا اپنے ہم مرتبہ سے: جب تک میں واپس نہ آؤں تب تک تم ادھر سے نہ جانا۔ تمنی، جیسے: "لاتطلع" فعل نہی شاعر کے قول میں ہے یعنی اے رات! تو لمبی ہو جا، اے نیند! تو اڑ جا، اے صبح! تو ٹھہر جا، طلوع نہ ہو۔ اور تہدید، جیسے: تیرا اپنے خادم کو کہنا: تو میری بات نہ مان۔

تشریح: نہی امر کا متضاد ہے یعنی امر میں متکلم اپنے آپ کو مخاطب پر برتر جانتے ہوئے مخاطب کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے جبکہ نہی میں متکلم اپنے آپ کو مخاطب پر برتر جانتے ہوئے مخاطب کو کسی کام سے رکنے کا حکم دیتا ہے نہی کا صرف ایک ہی صیغہ ہے جبکہ امر کے چار صیغے ہیں جیسا کہ آپ پڑھ چکے اور وہ یعنی نہی کا صیغہ فعل مضارع پر لائے نہی داخل کرنے سے بنتا ہے، جیسے: "تفسدون" پر "لا" کو داخل کیا گیا اور نون اعرابی گرا دیا

---

[30] سورۃ الأعراف: الآیۃ: 56.

[31] سورۃ الأعراف: الآیۃ: 150.

گیا کیونکہ فعل نہی میں نون اعرابی گرانا ضروری ہے۔ نہی کی مثال "لا تفسدوا" میں متکلم (اللہ تعالی) نے مخاطبین (کفار) کو زمین میں فساد پھیلانے سے روکا ہے اور اللہ تعالی لا محالہ اپنی مخلوق سے برتر ہے۔ نہی دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے:۔(1) اصلی معنی: نہی جس معنی کے لیے وضع ہوا اسی میں استعمال ہو اور وہ معنی ہے بلندی چاہتے ہوئے مخاطب کو کوئی کام کرنے سے روکن۔ اور (2) مفہومی معنی: اصلی معنی کے علاوہ دیگر کسی اور معنی میں استعمال ہو جو کلام کے سیاق سے معلوم ہو۔

ممکنہ معانی جن میں نہی استعمال ہو سکتا ہے:

1. **دعا:** نہی کبھی دعا کے لیے استعمال ہوتی ہے، جیسے حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسی علیہ السلام سے عرض کیا: "لا تشمت بي الأعداء." یعنی آپ مجھ پر میرے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں اس میں حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسی علیہ السلام کو اشمات سے رکنے کا عرض کیا اور اس عرض میں عاجزی وانکساری ہے استعلا نہیں اور بغیر استعلا عاجزی سے کچھ کہنا دعا کہلاتا ہے۔
2. **التماس:** نہی کبھی اپنے ہم مرتبہ سے کوئی درخواست کرنے کے لیے آتی ہے، جیسے: "لا تبرح إلخ" میں "لا تبرح" نہی کا صیغہ ہے اور اسمیں متکلم نے ہم مرتبہ مخاطب کو اپنی جگہ نہ چھوڑنے کا التماس کیا ہے، حکم نہیں دیا کہ ہم پلہ وہم عصر لوگوں کو حکم نہیں دیا جاتا۔
3. **تمنی:** نہی کبھی کسی شے کی تمنا کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے، جیسے: "لا تطلع" میں صبح سے دن کے ساتھ طلوع نہ ہونے کی تمنا کی گئی ہے، حکم نہیں دیا گیا؛ کیونکہ دن بات سننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو پھر حکم کیسا؟
4. **تهديد:** نہی کبھی ڈرانے اور دھمکانے کے معنی میں استعمال ہوتی ہے، جیسے خادم کو کہنا: "لا تطع أمري." یعنی تو میری بات نہ مان، اس میں "لا تطع" اپنے اصلی معنی پر نہیں کہ خادم سے واقعی عدم اطاعت طلب کی جاری ہو بلکہ خادم کو باس (Boss) وارننگ دے رہا ہے کہ تو میری بات نہ مان، دیکھنا تیرے ساتھ کیا ہوتا ہے۔

التركيب

قوله:"أمّا"حرف شرط و"النهي" مبتدأ متضمن معنى الشرط وما بعده خبر متضمن معنى الجزاء،وقوله:"عن الفعل" متعلق ب"الكف"، وقوله:"على وجه الاستعلاء" متعلق ب"طلب"،وقوله:"مع لا الناهية" مفعول فيه ل"ثابتا" الذي هو حال من "المضارع".

وَأَمَّا الْإِسْتِفْهَامُ فَهُوَ طَلَبُ الْعِلْمِ بِشَيْءٍ وَأَدَوَاتُهُ الْهَمْزَةُ وَهَلْ وَمَاوَمَنْ وَمَتَى وَأَيَّانَ وَكَيْفَ وَأَيْنَ وَأَنَّى وَكَمْ وَأَيٌّ فَالْهَمْزَةُ لِطَلَبِ التَّصَوُّرِ أَوِ التَّصْدِيْقِ وَالتَّصَوُّرُهُوَ إِدْرَاكُ الْمُفْرَدِ كَقَوْلِكَ أَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ أَمْ خَالِدٌ؟ تَعْتَقِدُ أَنَّ السَّفَرَ حَصَلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلٰكِنْ تَطْلُبُ تَعْيِيْنَهُ وَلِذَا يُجَابُ بِالتَّعْيِيْنِ فَيُقَالُ عَلِيٌّ مَثَلًا وَالتَّصْدِيْقُ هُوَ إِدْرَاكُ النِّسْبَةِ نَحْوُأَسَافَرَ عَلِيٌّ؟ تَسْتَفْهِمُ عَنْ حُصُوْلِ السَّفَرِ وَعَدَمِهِ وَلِذَا يُجَابُ بِنَعَمْ أَوْ لَا...

ترجمہ: اور بہر حال استفہام کے ذریعے کسی چیز کے بارے میں معلومات چاہی جاتی ہے اور حروف استفہام:۔أ، هل، ما، من، متى، أيّان، كيف، أين، أنّى، كم اور أيّ ہیں۔ ہمزہ کے ذریعے تصور یا تصدیق کے بارے میں معلومات چاہی جاتی ہے اور تصور سے مراد ہے کسی مفرد کے بارے میں جاننا، جیسے تیرا کہنا: علی نے سفر کیا ہے یا خالد نے؟ جبکہ آپ کو پتہ ہو کہ سفر ان دونوں میں سے کسی ایک نے کیا ہے لیکن آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ سفر کیا کس نے ہے بس اسی لیے کسی ایک کو خاص کر کے جواب دیا جائے، جیسے: علی نے سفر کیا ہے۔ اور تصدیق سے مراد ہے نسبت کے بارے میں جاننا، جیسے: کیا علی نے سفر کیا تھا؟ گویا کہ آپ سفر کے واقع ہونے اور واقع نہ ہونے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں بس اسی لیے جواب میں "ہاں" یا "نہیں" کہا جائے۔

تشریح: اس پیراگراف کو حل کرنے کے لیے چند سوالات قائم کیے جاسکتے ہیں، جیسے:

سوال: انشائے طلبی کی تیسری قسم استفہام سے کیا مراد ہے؟

جواب: استفہام سے مراد ہے کوئی بات معلوم کرنے کے لیے سوال کرنا۔

سوال: کتنے اور کن کلمات کے ذریعے سوال کیا جاتا ہے؟

جواب: گیارہ کلمات ہیں جن کے ذریعے سوال کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:۔أ، هل، ما، من، متى، أيّان، كيف، أين، أنّى، كم اور أيّ۔

فائدہ: ادوات ذکر کرنے سے "علمني"، "أخبرني" اور "حدثني" وغیرہ استفہام کی تعریف سے نکل گئے کہ اگرچہ ان کے ذریعے بھی سوال کیا جاتا ہے لیکن یہ ادوات نہیں؛ کیونکہ ادوات حروف کو کہا جاتا ہیں جبکہ ان میں سے سوائے دو یعنی ہمزہ اور ھل کے، باقی سب اسماء ہیں یہ شاید اس لیے کہ اَدوات اَداۃ کی جمع ہے اور اداۃ آلہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور شک نہیں کہ یہ سب حروف اور اسماء آلاتِ استفہام ہیں۔

سوال: حرف استفہام ہمزہ کے ذریعے کیا معلوم کیا جاتا ہے؟

جواب: ہمزہ کے ذریعے یا تو کسی تصور کے بارے میں پوچھا جاتا ہے یا پھر کسی تصدیق کے بارے میں۔

سوال: طلبِ تصور سے کیا مراد ہے؟

جواب: طلبِ تصور سے مراد ہے مفرد کے بارے میں معلومات چاہنا یعنی ہمزہ کے ذریعے کسی مفرد کے بارے میں معلومات چاہی جاتی ہے، جیسے: "أعلي مسافر أم خالد؟" مثال میں علی یا خالد کے بارے میں معلومات چاہی جارہی ہے کہ علی نے سفر کیا ہے یا خالد نے؛ کیونکہ سائل کو اتنا معلوم ہے کہ ان میں سے کسی ایک نے سفر کیا ہے لہذا جواب میں ان دونوں مفردوں میں سے ایک مفرد کو متعین کرنا ہوگا، اگر علی نے سفر کیا ہے تو علی کہہ دیا جائے ورنہ خالد۔

سوال: طلبِ تصدیق سے کیا مراد ہے؟

جواب: طلبِ تصدیق سے مراد ہے نسبت کے بارے میں جاننا یعنی ہمزہ کے ذریعے محکوم علیہ اور محکوم کے درمیان پائی جانے والی نسبت کے بارے میں بھی معلومات چاہی جاتی ہے کہ یہ نسبت واقع ہوئی ہے یا نہیں۔ اسی لیے ایسے سوال کے جواب میں یا تو **نعم** بولا جاتا ہے یا لا، جیسے: "أسافر علي؟" مثال میں سفر کی نسبت ہے علی کی طرف اور سائل ہمزہ کے ذریعے پوچھنا چاہ رہا ہے کہ یہ نسبت واقع ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر واقع ہوئی ہے تو جواب میں **نعم** کہہ دیا جائے اور اگر نہیں واقع ہوئی تو جواب میں **لا** کہہ دیا جائے پورا جملہ یعنی "**نعم سافر علي.**" یا "**ما سافر علي.**" کہنے کی ضرورت نہیں۔

التركيب

قوله: "أمّا الاستفهام إلخ" قد مرّ مثله غير واحد. قوله: "أدواته" مبتدأ وما بعده إلى "أيّ" خبر له. قوله: "تعتقد" حال من ضمير التخاطب في "قولك".

وَالْمَسْؤُوْلُ عَنْهُ فِي التَّصَوُّرِ مَا يَلِي الْهَمْزَةَ وَيَكُوْنُ لَهُ مُعَادِلٌ يُذْكَرُ بَعْدَ أَمْ وَتُسَمَّى مُتَّصِلَةً فَتَقُوْلُ فِي الْاِسْتِفْهَامِ عَنِ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ أَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا أَمْ يُوْسُفُ؟ وَعَنِ الْمُسْنَدِ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الْأَمْرِ أَمْ رَاغِبٌ فِيْهِ؟ وَعَنِ الْمَفْعُوْلِ أَإِيَّايَ تَقْصُدُ أَمْ خَالِدًا؟ وَعَنِ الْحَالِ أَرَاكِبًا جِئْتَ أَمْ مَاشِيًا؟ وَعَنِ الظَّرْفِ أَيَوْمَ الْخَمِيْسِ قَدِمْتَ أَمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ؟ وَهٰكَذَا وَقَدْ لَا يُذْكَرُ الْمُعَادِلُ نَحْوُ أَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا؟، أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الْأَمْرِ؟، أَإِيَّايَ تَقْصُدُ؟، أَرَاكِبًا جِئْتَ؟، أَيَوْمَ الْخَمِيْسِ قَدِمْتَ؟ وَالْمَسْؤُوْلُ عَنْهُ فِي التَّصْدِيْقِ النِّسْبَةُ وَلَا يَكُوْنُ لَهَا مُعَادِلٌ فَإِنْ جَاءَتْ "أَمْ" بَعْدَهَا قُدِّرَتْ مُنْقَطِعَةً وَتَكُوْنُ بِمَعْنَى بَلْ ...

ترجمہ: اور تصور میں جس چیز کے بارے میں پوچھا جاتا ہے ہمزہ استفہام کے ساتھ ملی ہوتی ہے اور "أم" کے بعد معادل ذکر کیا جاتا ہے اور اس کو "أم" "متصلہ کہا جاتا ہے لہذا مسند الیہ کے بارے میں پوچھنا ہو تو آپ "أَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا أَمْ يُوسُفُ؟ " کہیں گے اور مسند کے بارے میں پوچھنا ہو تو آپ "أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الْأَمْرِ أَمْ رَاغِبٌ فِيهِ؟" کہیں گے اور اگر آپ نے مفعول کے بارے میں پوچھنا ہو تو "أَإِيَّايَ تَقْصُدُ أَمْ خَالِدًا؟" کہیں گے اور اگر حال کے بارے میں پوچھنا ہو تو آپ "أَرَاكِبًا جِئْتَ أَمْ مَاشِيًا؟" کہیں گے اور اگر ظرف کے بارے میں پوچھنا ہو تو آپ "أَيَوْمَ الْخَمِيْسِ قَدِمْتَ أَمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ؟" کہیں گے اور اسی طرح دیگر معمولات میں ہو گا اور کبھی معادل ذکر نہیں کیا جاتا، جیسے: "أَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا؟"، "أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الْأَمْرِ؟"، "أَإِيَّايَ تَقْصُدُ؟"، "أَرَاكِبًا جِئْتَ؟"، "أَيَوْمَ الْخَمِيْسِ قَدِمْتَ؟" اور تصدیق میں مسئول عنہ نسبت ہے اور نسبت کا کوئی معادل نہیں ہوتا البتہ اگر نسبت کے بعد معادل آئے تو اس "أم" کو منقطعہ کہا جاتا ہے اور یہ "بل" کے معنی میں ہو گا۔

تشریح: اصول یہ ہے کہ ہمزہ کے ذریعے جس شے کا تصور مطلوب ہے ہمزہ کے فوراً بعد مذکور ہو برابر ہے مسند الیہ ہو یا مسند یا مفعول یا حال یا ظرف اور پھر اس کے بعد "أم" مذکور ہو۔ "أم" کے بعد کبھی معادل مذکور

ہو گا، اور معادل سے مراد مقابل ہے اور اس صورت میں "أم" کو متصلہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ "أم" سے پہلے والا کلام اور بعد والا کلام آپس میں متصل اور مربوط (Connected) ہوتا ہے، جیسے: "أَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا أَمْ يُوسُفُ؟" یعنی کیا یہ آپ نے کیا تھا یا یوسف نے؟ اس مثال میں یہ معلوم ہے کہ فعل ہوا ہے لیکن فاعل یعنی مسند الیہ کی تعیین مقصود ہے کہ مسند الیہ "أنت" ہے یا "خالد" اور مسئول عنہ "أَنْتَ" ہے جو کہ ہمزہ استفہام کے ساتھ متصل یعنی فورا بعد میں آیا ہے اور "أم" کے بعد معادل "یوسف" مذکور ہے۔ اور "أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الْأَمْرِ أَمْ رَاغِبٌ فِيهِ؟" یعنی کیا آپ اس سے روگردان ہیں یا اس میں دلچسپی رکھتے ہیں؟ اس مثال میں یہ معلوم ہے کہ مسند یعنی رغبت کا مخاطب سے وقوع ہوا ہے لیکن کس میں یا کس سے ہے، اس کی تعیین مقصود ہے اور مسئول عنہ "رَاغِبٌ" ہے اور یہ ہمزہ استفہام کے ساتھ متصل ہے اور "أم" کے بعد معادل "رَاغِبٌ فِيهِ" مذکور ہے۔ اور "أَإِيَّايَ تَقْصُدُ أَمْ خَالِدًا؟" یعنی کیا آپ کا مقصود میں ہوں یا خالد؟ اس مثال میں قصد کا وقوع ہے لیکن کس کے لیے ہے اس میں یعنی مفعول بہ میں تعیین مقصود ہے کہ مفعول بہ "إیاي" ہے یا "خالد" ہے اور مسئول عنہ "إِيَّايَ" ہے اور یہ حرفِ استفہام کے ساتھ متصل ہے اور "أم" کے بعد معادل "خَالِدًا" مذکور ہے۔ اور "أَرَاكِبًا جِئْتَ أَمْ مَاشِيًا؟" یعنی کیا آپ سوار ہو کر آئے تھے یا پیدل؟ اس مثال میں آنے کا علم ہے لیکن آنے کی حالت میں تعیین مقصود ہے کہ آنا سوار ہو کر ہے یا پیدل اور مسئول عنہ "رَاكِبًا" ہے اور یہ حرفِ استفہام کے ساتھ متصل ہے اور "أم" کے بعد معادل "مَاشِيًا" بھی مذکور ہے۔ اور "أَيَوْمَ الْخَمِيْسِ قَدِمْتَ أَمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ؟" یعنی کیا جمعرات آپ آئے تھے یا جمعہ کے دن؟ اس مثال میں مجئ معلوم ہے لیکن کس زمانہ میں ہے اس کی یعنی ظرف کی تعیین مقصود ہے اور مسئول عنہ "يَوْمَ الْخَمِيْسِ" ہے اور یہ حرفِ استفہام کے ساتھ متصل ہے اور "أم" کے بعد معادل "يَوْمَ الْجُمُعَةِ" بھی مذکور ہے۔

کبھی ہمزہ کے فورا بعد مسئول عنہ یعنی جس کے بارے میں پوچھا جارہا ہے وہ ذکر کر دیا جاتا ہے لیکن معادل یعنی مقابل لفظی طور پر ذکر نہیں کیا جاتا لیکن تقدیرا مراد ہوتا ہے، جیسے: "أَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا؟"، "أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الْأَمْرِ؟"، "أَإِيَّايَ تَقْصُدُ؟"، "أَرَاكِبًا جِئْتَ؟" اور "أَيَوْمَ الْخَمِيْسِ قَدِمْتَ؟" ان سب مثالوں میں مسئول عنہ حرفِ استفہام کے فورا بعد مذکور ہے لیکن معادل لفظی طور پر مذکور نہیں لیکن تقدیری طور پر

موجود ہے اور وہ وہی ہے جو اوپر والی مثالوں میں مذکور ہوا۔ البتہ جب ہمزہ کے ذریعے طلبِ تصدیق ہو تو معادل ذکر نہیں کیا جاتا ہے؛ کیونکہ طلبِ تصدیق میں نسبت کے واقع ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں پوچھا جاتا ہے اور نسبت کا کوئی معادل نہیں ہوتا ورنہ کلام کا مقصد فوت ہو جائے گا لہذا اس میں "أم "ذکر نہیں کیا جاتا، اور اگر "أم " آئے تو "بل" کے معنی میں ہوتا ہے اور بتاتا ہے کہ پہلے والے کلام میں غلطی ہوئی اور اس کے ذریعے اس غلطی کو دور کیا جارہا ہے اور اسے "أم "منقطعہ کہا جاتا ہے؛ کیونکہ اس سے پہلے والے کلام اور اس کے بعد والے کلام کا آپس میں جوڑ نہیں ہوتا، جیسے: "أَسَافَرَ عَلِيٌّ؟" یعنی کیا علی نے سفر کیا تھا؟ اس مثال میں نسبت یعنی علی سے سفر کے واقع ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں پوچھا جارہا ہے اور علی کا کوئی معادل نہیں البتہ اگر علی کے بعد "أم " آجاتا ہے، جیسے: "أَسَافَرَ عَلِيٌّ أَمْ بَكْرٌ؟" تو مطلب یہ ہوتا کہ "أم " سے پہلے والے حصہ میں غلطی ہوئی ہے اور اس غلطی کا ازالہ "أم " کے بعد والے حصہ سے کیا جارہا ہے یعنی سفر کی نسبت علی کی طرف نہیں بلکہ بکر کی طرف کر کے پوچھنا تھا کہ بکر سے سفر واقع ہوا ہے یا نہیں چونکہ "أم " کے ماقبل کا مابعد کے ساتھ جوڑ نہیں اسی لیے اس کو "أم "منقطعہ کہا گیا۔

التركيب

قوله: "المسئول عنه في التصور" مبتدأ لما بعده، و"المسئول" صفة لموصوف محذوف أي الأمر، وقوله: "يذكر" صفة ل"معادل". قوله: "أراغب" ف"أ" حرف استفهام، و"راغب" خبر مقدّم لما بعده أو صفة تسدّ مسدّ المبتدأ، وما بعده فاعل يسدّ مسدّ الخبر. قوله: "قدّرت" جزاء ل"جاءت"، وقوله: "تكون بمعنى بل" عطف على "قدّرت".

وَ"هَلْ" لِطَلَبِ التَّصْدِيْقِ فَقَطْ نَحْوُهَلْ جَاءَ صَدِيْقُكَ؟ وَالْجَوَابُ نَعَمْ أَوْلَا وَلِذَا يَمْتَنِعُ مَعَهَا ذِكْرُالْمُعَادِلِ فَلَا يُقَالُ هَلْ جَاءَ صَدِيْقُكَ أَمْ عَدُوُّكَ؟ وَ"هَلْ" تُسَمَّى بَسِيْطَةً إِنِ اسْتُفْهِمَ بِهَا عَنْ وُجُوْدِ شَيْءٍ فِيْ نَفْسِهِ نَحْوُهَلِ الْعَنْقَاءُ مَوْجُوْدَةٌ؟ وَمُرَكَّبَةً إِنِ اسْتُفْهِمَ بِهَا عَنْ وُجُوْدِ شَيْءٍ لِشَيْءٍ نَحْوُهَلْ تَبِيْضُ الْعَنْقَاءُأَوْ تَفْرَخُ؟ ...

ترجمہ: اور "هل" صرف تصدیق کو طلب کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے: کیا آپ کا دوست آیا تھا؟ اور جواب "**نعم**" یا "لا" ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کے ساتھ معادل ذکر کرنا غلط ہے لہذا "هل جاء صديقك أم عدوك؟ "نہیں کہا جائے گا اور "هل" کے ذریعے اگر کسی چیز کے وجود کے بارے میں پوچھا جائے تو "هل" بسیطہ ہے، جیسے: کیا عنقا موجود ہے؟ اور اگر "هل" کے ذریعے ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ پایا جانا، اس بارے میں پوچھا جائے تو یہ "هل" مرکبہ ہے، جیسے: کیا عنقا انڈے دیتا ہے یا بچے جنتا ہے؟

تشریح: "هل" کے ذریعے موضوع اور محمول کے درمیان پائی جانے والی نسبت کے بارے میں پوچھا جاتا ہے کہ یہ نسبت واقع ہوئی ہے یا نہیں یہی وجہ ہے کہ اس کے جواب میں ہاں یا نہیں کہا جاتا ہے، جیسے پوچھا جائے: کیا آپ کے دوست آئے تھے؟ تو جواب میں "**نعم**" کہہ دیا جائے اگر **مجیٔ** کا وقوع صدیق کے لیے ہوا ہو اور "لا" کہہ دیا جائے اگر **مجیٔ** کی صدیق سے نفی ہو۔ "هل" چونکہ تصدیق کی طلب کے لیے آتا ہے لہذا اس میں معادل ذکر نہیں کیا جاتا ورنہ مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اگر معادل "أم" کے بعد ذکر کر دیا جائے تو اس "أم" کو اضطرابیہ کہا جاتا ہے اور یہ "بل" کے معنی میں ہوتا ہے کہ اپنے سے پہلے والے کلام میں واقع ہونے والی غلطی کو ٹھیک کرتا ہے، جیسے: "هل جاء صديقك أم عدوك أي بل عدوك؟ "یعنی **مجیٔ** کی نسبت صدیق کی طرف کرنے میں غلطی ہوئی ہے اور اس غلطی کی تصحیح "أم" نے آکر کی ہے کہ **مجیٔ** کی حقیقت میں نسبت عدو کی طرف ہے۔

سوال: "هل" کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: "هل" کی دو قسمیں ہیں:۔

1. **بسیطه:** اگر "هل" کے ذریعے وجودِ شے یعنی یہ چیز دنیا میں پائی جاتی ہے یا نہیں، اس بارے میں سوال کیا جائے تو یہ "هل" بسیطہ ہے، جیسے: "**هل العنقاء موجودة؟**"۔ عنقا کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ ایک بہت بڑا پرندہ ہے اس کا ایک پر مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں اور اس کا کام بچوں کو اٹھانا ہے بہر حال اس "هل" کی شناخت یہ ہے کہ اس کی خبر افعال عامہ میں سے ہوتی ہے، افعال عامہ چار ہیں اور وہ ہیں "**وجود، کون، ثبوت** اور **حصول**"۔
2. **مرکبه:** اگر "هل" کے ذریعے پوچھا جائے کہ محمول موضوع کے لیے ثابت ہے یا نہیں تاہم اس بات کا پہلے سے علم ہو کہ موضوع دنیا میں موجود ہے تو یہ "هل" مرکبہ ہے، جیسے: **هل تبيض العنقاء أو تفرخ؟** اس مثال میں سائل کو علم ہے کہ عنقا دنیا میں موجود ہے لیکن سائل کو اس کی صفت کا نہیں پتا کہ انڈے دیتا ہے یا بچے جنتا ہے لہذا سائل نے اس بارے میں پوچھ لیا۔

التركيب

قوله: "فقط" أي إذا طلبت التصديق ب"هل" فأنته، وقوله: "إن استفهم بها عن وجود شيء في نفسه" شرط مؤخر ل"هل تسمى بسيطة"، و"في نفسه" صفة ل"شيء".

وَ"مَا" يُطْلَبُ بِهَا شَرْحُ الْإِسْمِ نَحْوُمَا الْعَسْجَدُ أَوِاللُّجَيْنُ؟ أَوْ حَقِيْقَةُالْمُسَمَّى نَحْوُمَا الْإِنْسَانُ؟ أَوْ حَالُ الْمَذْكُوْرِ مَعَهَا كَقَوْلِكَ لِقَادِمٍ عَلَيْكَ:مَا أَنْتَ؟ وَ"مَنْ" يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِيْنُ الْعُقَلَاءِ كَقَوْلِكَ:مَنْ فَتَحَ مِصْرَ؟ وَ"مَتَى" يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِيْنُ الزَّمَانِ مَاضِيًا كَانَ أَوْمُسْتَقْبِلًا نَحْوُ مَتَى جِئْتَ؟ وَمَتَى تَذْهَبُ؟ وَ"أَيَّانَ" يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِيْنُ الزَّمَانِ الْمُسْتَقْبَلِ خَاصَّةً وَتَكُوْنُ فِيْ مَوْضِعِ التَّهْوِيْلِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: "يَسْئَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ"[32] وَ"كَيْفَ" يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِيْنُ الْحَالِ نَحْوُ كَيْفَ أَنْتَ؟ وَ"أَيْنَ" يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِيْنُ الْمَكَانِ نَحْوُأَيْنَ تَذْهَبُ؟...

ترجمہ:اور"ما"کے ذریعے کسی اسم کے معنی کی وضاحت طلب کی جاتی ہے،جیسے:"عسجد"یا"لجین"کا کیا معنی ہے؟ یا کسی ذات کی حقیقت کے بارے میں پوچھا جاتا ہے،جیسے:انسان کی حقیقت کیا ہے؟ یا"ما"کے ساتھ مذکور چیز کا حال پوچھا جاتا ہے،جیسے تیرا اپنے پاس آنے والے آدمی سے پوچھنا:تمہارا کیا حال ہے؟ اور"من"کے ذریعے عقلاء کی تعیین مطلوب ہوتی ہے،جیسے تیرا پوچھنا:مصر کس نے فتح کیا تھا؟ اور"متی"کے ذریعے زمانہ کی تعیین مطلوب ہوتی ہے کہ زمانہ ماضی تھا یا مستقبل،جیسے:آپ کب آئے؟ اور آپ کب جائیں گے؟ اور"أیّان"کے ذریعے خصوصیت سے زمانہ مستقبل کی تعیین مطلوب ہوتی ہے اور اس کا استعمال ہیبت ناک جگہ میں ہوتا ہے،جیسے اللہ تعالی کا فرمان:قیامت کا دن کب آئے گا؟اور"کیف"کے ذریعے حال کی تعیین مقصود ہوتی ہے،جیسے:آپ کیسے ہیں؟ اور"أین"کے ذریعے مکان کی تعیین طلب کی جاتی ہے،جیسے:آپ نے کہاں جانا ہے؟

تشریح:عبارت میں مذکور اسمائے استفہام کے استعمال کی وضاحت کچھ اس طرح ہے:

1. "ما":اس کے ذریعے کسی اسم کا معنی،کسی ذات کی حقیقت،یا پھر کسی ذات کی حالت معلوم کی جاتی ہے۔پہلے کی مثال:"ما العسجد أو اللجین؟"یعنی عسجد یا لجین کا معنی کیا ہے؟ عسجد ایک جڑی

---

[32] سورۃ القیامۃ:الآیۃ:6.

بوٹی کانام ہے جبکہ لجین چاندی کو کہا جاتا ہے اور دوسرے کی مثال: "ما الإنسان؟ "یعنی انسان کی حقیقت کیا ہے؟ اور تیسرے کی مثال: "ما أنت؟"یعنی تیری حالت کیا ہے تو عالم ہے یا جاہل؟

2. "من": اس کے ذریعے عقلا (عقل والوں) میں سے ان افراد کا تعین مقصود ہوتا ہے جنہوں نے یہ کام کیا یا عقلا کی جنس کے بارے میں پوچھا جاتا ہے، پہلے کی مثال: "من فتح مصر؟"یعنی جن لوگوں کو عقل کی نعمت سے نوازا گیا ان میں سے کون ہے جس نے شہر فتح کیا ہے؟ تو جواب میں زید کہہ دیا جائے گا یا کوئی اور۔ دوسرے کی مثال: "من جبرئیل؟"یعنی جبرئیل جو کہ صاحب عقل ہیں، ان کی جنس کیا ہے؟ یہ انسان ہیں یا جن یا پھر فرشتے؟ تو جواب میں ملک یعنی فرشتہ کہہ دیا جائے گیا۔
3. "متی": اس کے ذریعے پوچھا جاتا ہے کہ فعل کس زمانہ میں واقع ہوا ماضی میں یا مستقبل میں، جیسے پہلے کی مثال: "متی جئت؟"یعنی تو کس زمانہ میں آیا تھا؟ اس میں زمانہ ماضی کو متعین کیا گیا اور "متی تذهب؟"یعنی تو کب جائے گا؟ اس میں زمانہ مستقبل کو متعین کیا گیا۔
4. "أیّان": اس کے ذریعے خصوصیت سے زمانہ مستقبل کا تعین کیا جاتا ہے اور اس میں اسم استفہام کا استعمال ہیبت ناک چیز کے ساتھ ہوتا ہے، جیسے: "أیّان یوم القیامة؟"یعنی قیامت کا دن کب آئے گا؟ اس میں زمانہ مستقبل خاص کیا گیا اور "أیّان" جس کے ساتھ استعمال ہوا وہ ہیبت ناک بھی ہے۔
5. "کیف": اس کے ذریعے کسی کی حالت پوچھی جاتی ہے، جیسے: "کیف أنت؟"یعنی تم کیسے ہو؟
6. "أین": اس کے ذریعے جگہ کا تعین کروایا جاتا ہے، جیسے: "أین تذهب؟"یعنی آپ اس جگہ کا نام بتائیں جہاں پر جانے کا ارادہ ہے۔

وَ"أَنَّى" تَكُوْنُ بِمَعْنَى كَيْفَ نَحْوُأَنَّى يُحْيِيْ هٰذِهِ اللهُ بَعْدَ مَوْتِهَا[33] وَبِمَعْنَى مِنْ أَيْنَ نَحْوُ[34]يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هٰذَا[35] وَبِمَعْنَى مَتَى نَحْوُ زُرْ أَنَّى شِئْتَ وَ"كَمْ" يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِيْنُ عَدَدٍ مُبْهَمٍ نَحْوُكَمْ لَبِثْتُمْ ؟[36]وَ"أَيٌّ" يُطْلَبُ بِهَا تَمْيِيْزُ أَحَدِ الْمُتَشَارِكَيْنِ فِيْ أَمْرٍ يَعُمُّهُمَا نَحْوُأَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا؟[37] وَيُسْئَلُ بِهَا عَنِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ وَالْحَالِ وَالْعَدَدِ وَالْعَاقِلِ وَغَيْرِهٖ حَسَبَ مَا تُضَافُ إِلَيْهِ...

ترجمہ: اور "أنّى" استعمال ہوتا ہے "کیف" کے معنی میں، جیسے: اللہ انہیں ان کی موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟، کبھی "من أین" کے معنی میں، جیسے: اے مریم! یہ تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے؟ اور کبھی "متی" کے معنی میں، جیسے: تو جب چاہے زیارت کر لے۔ اور "کم" کے ذریعے مبہم عدد کی تعیین مطلوب ہوتی ہے، جیسے: تم یہاں کتنی دیر رہے ہو؟ اور "أيّ" کے ذریعے کسی امر عام میں، دو شریک چیزوں میں سے، کسی ایک کا امتیاز مقصود ہوتا ہے، جیسے: دونوں گروہوں میں سے کون بطورِ مقام بہتر ہے؟ اور "کم" کے ذریعے زمانے، مکان، حال، عدد، عاقل وغیرہ کے بارے میں مضاف الیہ کے لحاظ سے پوچھا جاتا ہے۔

تشریح: عبارت میں ذکر کردہ اسمائے استفہام کے استعمال کی وضاحت کچھ اس طرح ہے:

1. "أنّى": تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے:۔(1) کیف (کیسے): "أنّى" کبھی "کیف" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس صورت میں "أنّى" کے بعد فعل کا ہونا ضروری ہے، ماضی ہو یا مضارع، جیسے: "فأتوا حرثكم أنّى شئتم أي كيف شئتم." "یعنی جس حالت پر چاہو تم اپنی بیویوں کے پاس آؤ۔ اور "أنّى يحيى هذه الله بعد موتها أي كيف يحيى؟" "یعنی اللہ اس بستی

---

[33] سورۃ البقرۃ: الآیۃ: 259.

[34] یا مریم أنّی یجيء لك هذا؟

[35] سورۃ آل عمران: الآیۃ: 37.

[36] سورۃ الکہف: الآیۃ: 19.

[37] سورۃ مریم: الآیۃ: 73.

کو موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟ (2)من أین (کہاں سے): "أنّی" کبھی "من أین" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے: یا مریم أنّی لك هذا أي من أین لك هذا؟یعنی اے مریم یہ رزق کہاں سے تمہارے پاس آیا ہے؟ (3)متی (جب یا کب): "أنّی" کبھی "متی" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے: "زر أنّی شئت أي متی شئت." یعنی جب چاہو زیارت کرلو۔

2. "کم": اس کے ذریعے عدد مبہم یعنی نامعلوم عدد کی تعیین مقصود ہوتی ہے، جیسے: کم لبثتم؟یعنی تم یہاں کتنے برس یا مہینے یا دن یا گھنٹے ٹھہرے ہو؟

3. "أيّ": دو یا دو زیادہ چیزیں کسی صفت میں شریک ہوں تو ان میں سے ایک کو دوسری یا دوسروں سے ممتاز کرنے کے لیے "أيّ" کے ذریعے سوال کیا جاتا ہے، جیسے: أيّ الفریقین خیر مقاما؟یعنی دونوں گروہ بہتر ہونے میں شریک ہیں لیکن ان دونوں میں سے بہتر باعتبار رتبہ کون ہے؟اس مثال میں اسم استفہام مضاف ہے اوراستعمال کے لحاظ سے اس کا مضاف الیہ کبھی زمان، کبھی مکان، کبھی حال، کبھی عدد اور کبھی عاقل وغیرہ ہوتے ہیں اور پھر معنی مضاف الیہ کے حساب سے متعین کیا جاتا ہے، جیسے: "لأيّ یوم أجّلت؟"یعنی کس بڑے دن کے لیے انہیں ٹھرایا گیا تھا؟: یہ زمان کی مثال ہےاور"وما تدري نفس بأيّ أرض تموت؟ "یعنی کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر مرے گا؟: یہ مکان کی مثال ہے اور "علی أيّ حال کنت؟ "یعنی تمہاری کیاحالت ہے؟: یہ حال کی مثال ہے اور "أيّ الرجال بنی المدرسة؟"یعنی مدرسہ کتنے لوگوں نے بنایا؟: یہ عدد کی مثال ہےاور "أیّهم یکفل مریم؟"یعنی کن لوگوں نے مریم کی کفالت کی؟: یہ عاقل کی مثال ہے اور "فبأيّ حدیث بعده یؤمنون؟"یعنی اس کے بعد وہ کونسی بات پر ایمان لائیں گے؟: یہ غیر عاقل کی مثال ہے؛ کیونکہ حدیث میں عقل نہیں ہوتی۔

فائدہ: اسمائے استفہام کے ترکیبی قوانین:

- جب "ما" اور "من" کے ذریعے سوال کیا جائے تو یہ کبھی مبتدا اور ان کا مابعد خبر بنتا ہے، جیسے: "من أبو زید؟"یعنی زید کے والد صاحب کون ہیں؟اور "ما لونها؟"یعنی اس کا رنگ کونسا ہے؟اور یہ کبھی مفعول بہ بنتے ہیں، جیسے: "من أکرمت؟"یعنی تونے کس کو عزت دی؟

- اگر "متى"، "أيّان" اور "أين" کے بعد فعل ہو تو مفعول فیہ مقدم بنتے ہیں، جیسے: "متى تذهب؟" یعنی آپ کب جائیں گے؟ اور "أيّان تسافر؟" یعنی آپ کب سفر کریں گے؟ اور "أين تتعلّم؟" یعنی آپ کہاں پڑھتے ہیں؟ اور اگر ان کے بعد اسم ہو تو انہیں کسی متعلق کا مفعول فیہ بنا کر خبر مقدم اور مابعد مبتدائے مؤخر بنتا ہے، جیسے: "متى نصر الله؟" یعنی اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اور "أيّان يوم الدين؟" یعنی قیامت کا دن کب آئے گا؟ اور "أين أخوك؟" یعنی آپ کے بھائی کہاں ہیں؟
- "أيّ" کے ذریعے اگر سوال کیا جائے تو یہ کبھی مفعول بہ مقدم بنتا ہے، جیسے: "أيّ آيات الله تنكرون؟" یعنی اللہ کی کتنی آیتوں کے تم انکاری ہو؟ اور کبھی مبتدا بنتا ہے، جیسے: "أيّ شيء أكل زيدا؟" یعنی کس چیز نے زید کو کھالیا؟
- "أنّى" ظرفِ مکان ہے لہذا یہ مفعول فیہ بنتا ہے، جیسے: "أنّى يضربك زيد؟" یعنی زید آپ کو کیسے مارے گا؟
- "كيف" اگر افعال قلوب سے پہلے آئے تو یہ مفعول فیہ مقدم بنتا ہے، جیسے: "كيف تظنّ الأمر؟" یعنی تمہارا اس معاملہ میں کیا خیال ہے؟ اور اگر اس کے بعد افعال قلوب میں سے نہ ہوں تو دیکھا جائے گا کہ اس کے مابعد کو "كيف" کی حاجت ہے یا نہیں اگر نہیں تو "كيف" کو مابعد سے حال بنایا جائے گا "كيف جاء زيد أي على أيّ حالة جاء زيد؟" یعنی زید کیسے آیا؟ اور اگر حاجت ہو تو کیف خبر مقدم اور مابعد مبتدائے مؤخر اور "كيف" اس وقت لفظی طور پر منصوب ہو گا جبکہ محلی طور پر مرفوع ہو گا، جیسے: "كيف أنت؟" یعنی آپ کیسے ہیں؟
- "كم" کے بعد اگر فعل ہو اور وہ (فعل) ضمیر میں عامل ہو تو "كم" کو تمیز کے ساتھ ملا کر مبتدا بنائیں گے اور بعد والے حصہ کو خبر، جیسے: "كم كتابا اشتريته؟" یعنی آپ نے کتنی کتابیں خریدی تھیں؟ اور اگر فعل ضمیر میں عامل نہ ہو تو "كم" کو تمیز کے ساتھ ملا کر مفعول بہ بنائیں گے، جیسے: "كم كتابا اشتريت؟" یعنی کتنی کتابیں آپ نے خریدیں؟

التركيب

قوله: "بمعنى كيف" خبر ل"تكون". قوله: "في أمر" متعلق ب"المتشاركين"، و"يعمهما" صفة ل"أمر". قوله: "حسب ما تضاف إليه" حال من الضمير المجرور في "بها".

وَقَدْ تُخْرَجُ أَلْفَاظُ الْإِسْتِفْهَامِ عَنْ مَعْنَاهَا الْأَصْلِيِّ لِمَعَانٍ أُخَرَ تُفْهَمُ مِنْ سِيَاقِ الْكَلَامِ كَالتَّسْوِيَةِ نَحْوُسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ [38] وَالنَّفْيِ نَحْوُ هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ [39] وَالْإِنْكَارِ نَحْوُأَغَيْرَ اللهِ تَدْعُوْنَ؟ [40] وَأَلَيْسَ اللهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ؟ [41] وَالْأَمْرِ نَحْوُفَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ [42] وَنَحْوُ أَأَسْلَمْتُمْ [43] بِمَعْنَى انْتَهُوْا وَأَسْلِمُوْا وَالنَّهْيِ نَحْوُأَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ [44] وَالتَّشْوِيْقِ نَحْوُهَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ [45] وَالتَّعْظِيْمِ نَحْوُمَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ [46] وَالتَّحْقِيْرِ نَحْوُأَهٰذَا الَّذِيْ مَدَحْتَهُ كَثِيْرًا؟ وَالتَّهَكُّمِ نَحْوُأَعَقْلُكَ يَسُوْغُ لَكَ أَنْ تَفْعَلَ كَذَا؟ وَالتَّعَجُّبِ نَحْوُ وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ [47] وَالتَّنْبِيْهِ عَلَى الضَّلَالِ نَحْوُفَأَيْنَ تَذْهَبُوْنَ؟ [48] وَالْوَعِيْدِ نَحْوُأَتَفْعَلُ كَذَا وَقَدْ أَحْسَنْتُ إِلَيْكَ؟...

---

[38] سورة البقرة: الآية: 6.

[39] سورة الرحمن: الآية: 60.

[40] سورة الأنعام: الآية: 40.

[41] سورة الزمر: الآية: 36.

[42] سورة المائدة: الآية: 91.

[43] سورة آل عمران: الآية: 20.

[44] سورة التوبة: الآية: 13.

[45] سورة الصف: الآية: 10.

[46] سورة البقرة: الآية: 255.

[47] سورة الفرقان: الآية: 7.

[48] سورة التكوير: الآية: 26.

ترجمہ: اور کبھی الفاظِ استفہام کو ان کے اصلی معانی سے نکال کر دوسرے معانی کے لیے لایا جاتا ہے جو کلام کے سیاق سے سمجھے جاتے ہیں، جیسے تسویہ، مثلا:ان کے لیے برابر ہے کہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔، نفی، مثلا: نیکی کا بدلہ نہیں ہے مگر نیکی۔، انکار، مثلا: کیا اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروگے؟، امر، مثلا: کیا تم باز آتے ہو؟ اور کیا تم بھی اسلام قبول کرتے ہو؟ اس معنی میں کہ تم باز آجاؤ اور اسلام لے آؤ۔ ، نہی، مثلا: تو کیا تم ان سے ڈرتے ہو پس اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔، تشویق، مثلا: کیا میں ایسی تجارت پر تمہاری رہنمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے۔، تعظیم، مثلا: کون ہے جو اس کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے؟، تحقیر، مثلا: کیا یہ وہ بندہ ہے جس کی آپ بہت تعریف کرتے تھے؟، تھکم، مثلا: کیا تمہاری عقل نے تم کو اجازت دے دی کہ تم ایسا کرلو؟، تعجب، مثلا: اور کافروں نے کہا کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ یہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے۔، گمراہی پر تنبیہ، مثلا: پھر تم کدھر جاتے ہو؟ اور وعید، مثلا: کیا تم میرے ساتھ ایسا کروگے حالانکہ میں نے تمہارے ساتھ بھلا کیا تھا؟

تشریح: الفاظِ استفہام کے جس طرح اصلی معانی ہیں ایسے ہی مجازی معانی بھی ہیں۔ اصلی معانی پر تفصیلی گفتگو پچھلے صفحات میں گزر چکی اب یہاں مجازی معانی پر گفتگو ہوگی۔ مجازی معانی مندرجہ ذیل ہیں:

1. **تسویہ:** کبھی ہمزہ اور "أم" دو چیزوں میں برابری کا معنی دیتے ہیں، جیسے: "**سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَأَنۡذَرۡتَهُمۡ أَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ**." "اس مثال میں کافروں کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر کہا گیا ہے اور یہ معنی ہمزہ اور "أم" نے دیے ہیں اور یہ دونوں یہاں استفہام کے لیے استعمال نہیں ہوئے۔
2. **نفی:** کبھی "هل" بجائے استفہام کے نفی کا معنی دیتا ہے، جیسے: "**هَلۡ جَزَآءُ الۡإِحۡسَانِ إِلَّا الۡإِحۡسَانُ**" اس مثال میں حرف استفہام "هل" نفی کا معنی دے رہا ہے۔
3. **انکار:** ہمزہ سے کبھی انکار کے معنی لیے جاتے ہیں، جیسے: "**أَغَيۡرَ اللّٰهِ تَدۡعُونَ**؟" و "**أَلَيۡسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبۡدَهُ**؟" ان دونوں مثالوں میں ہمزہ سے انکار کا معنی مراد لیا گیا ہے اور انسانوں کو بتایا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی بھی دوسرے کی عبادت کا انکار کرو اور اللہ کے سوا کسی بھی دوسرے کا مخلوق کو کافی ہونا، اس کا بھی انکار کرو۔

4. **امر**: "ھل" اور ہمزہ کبھی امر کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں، جیسے: "**فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنتَهُونَ**؟" اور "**أَأَسْلَمْتُمْ**؟" پہلی مثال کا معنی ہے: تم باز آجاؤ اور دوسری کا معنی ہے: تم اسلام لے آؤ۔

5. **نھی**: ہمزہ کبھی کسی چیز سے روکنے کے لیے آتا ہے، جیسے: "**أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ**." یعنی اللہ کے سوا کسی دوسرے سے نہ ڈرو؛ کیونکہ وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔

6. **تشویق**: "ھل" کبھی کسی چیز کا شوق دلانے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے: "**هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ**؟" یعنی "ھل" کے ذریعے انسانوں کو امر خیر (نیکی / بھلائی) کا شوق دیا جارہا ہے کہ اس امر خیر کو اپناؤ گے تو عذاب سے بچ جاؤ گے اور امر خیر سے مراد ایمان اور جہاد ہے۔

7. **"من"**: یہ کبھی کسی کو عزت دینے کے لیے آتا ہے، جیسے: "**مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ**؟" یعنی جتنی بھی کوئی عزت اور عظمت والا ہو سفارش اللہ تعالی کی اجازت سے ہی کر سکے گا، بغیر اس کی اجازت کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

8. **تحقیر**: ہمزہ کے ذریعے کبھی کسی کو ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: "**أَهٰذَا الَّذِي مَدَحْتَهُ كَثِيرًا**!؟ یعنی کیا یہ ذلیل آدمی ہے جس کی تعریفیں کرتے تم میرے سامنے تھکتے نہیں تھے؟

9. **تھکم**: کبھی ہمزہ کے ذریعے کسی کا مذاق اڑایا جاتا ہے، جیسے: "**أَعَقْلُكَ يَسُوغُ لَكَ أَنْ تَفْعَلَ كَذَا**!؟" یعنی تم اچھے بھلے سمجھدار اور عقلمند آدمی ہو اس کے باوجود تم نے ایسی حماقت کر دی۔

10. **تعجب**: کبھی "ما" کے ذریعے کسی پر تعجب کیا جاتا ہے، جیسے: "**وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ**؟" یعنی کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تعجب کرنے لگے کہ یہ رسول ہونے کے باوجود ہماری طرح کھاتے پیتے اور بازار میں آتے جاتے ہیں۔

11. **تنبیه علی الضلال**: کبھی "أین" کے ذریعے غلطی اور گمراہی پر تنبیہ کی جاتی ہے، جیسے: "**فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ**؟" یعنی تم کہاں گمراہی میں بھٹکتے پھر رہے ہو؟۔

12.**وعید:** کبھی ہمزہ کے ذریعے دھمکی دی جاتی ہے، جیسے: "أَتَفْعَلُ كَذَا وَقَدْ أَحْسَنْتُ إِلَيْكَ؟"یعنی میں نے تمہارے ساتھ اچھا کیا تھا لیکن تم میرے ساتھ برا کر رہے ہو اور دیکھ لو برائی کا بدلہ اچھا نہیں ہوتا۔

سوال: مصنف رحمہ اللہ نے انکار کی دو مثالیں کیوں ذکر کیں؟

جواب: یہ بتانے کے لیے کہ کبھی مُنکَر اسم ہوتا ہے اور کبھی فعل، جیسے پہلی مثال میں منکر اسم (غیر اللہ) ہے جبکہ دوسری مثال میں منکر فعل (کفایۃ) ہے۔

سوال: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے امر میں دو مثالیں کیوں ذکر کیں؟

جواب: یہ بتانے کو کہ جس طرح اسم مشتق امر کے معنی میں ہو سکتا ہے ایسے ہی فعل بھی امر کے معنی میں ہو سکتا ہے، جیسے پہلی مثال میں اسم مفعول امر کے معنی میں ہے جبکہ دوسری مثال میں فعل ماضی امر کے معنی میں ہے۔

تنبیہ: اوپر مذکور سب مثالوں میں الفاظِ استفہام اپنے اصلی معنی یعنی سوال پوچھنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوئے بلکہ مجازی معانی کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

التركيب

قوله: "الأصلي" صفة أولى ل"معناها"، و"تفهم" صفة ثانية ل"معان". قوله: "أأنذرتهم أم لم تنذرهم" في تأويل الإنذار وعدم الإنذار مبتدأ مؤخر ل"سواء"، و"عليهم" متعلق ب"سواء". قوله: "كذا" مفعول به ل"تفعل"، وقوله: "قد أحسنت إليك" حال من الضمير المستتر في "تفعل".

وَأَمَّا التَّمَنِّيْ فَهُوَ طَلَبُ شَيْءٍ مَحْبُوْبٍ لَا يُرْجَى حُصُوْلُهُ لِكَوْنِهِ مُسْتَحِيْلًا أَوْ بَعِيْدَ الْوُقُوْعِ كَقَوْلِهِ: أَلَا لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُوْدُ يَوْمًا : فَأُخْبِرُهُ بِمَا فَعَلَ الْمَشِيْبُ وَقَوْلِ الْمُعْسِرِ: لَيْتَ لِيْ أَلْفَ دِيْنَارٍ وَإِذَا كَانَ الْأَمْرُ مُتَوَقَّعَ الْحُصُوْلِ فَإِنْ تَرَقُّبُهُ يُسَمَّى تَرَجِّيًا وَيُعَبَّرُ عَنْهُ بِعَسَى أَوْ لَعَلَّ نَحْوُ: لَعَلَّ اللهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا[49] وَلِلتَّمَنِّيْ أَرْبَعُ أَدَوَاتٍ وَاحِدَةٌ أَصْلِيَّةٌ وَهِيَ "لَيْتَ" وَثَلَاثَةٌ غَيْرُ أَصْلِيَّةٍ وَهِيَ "هَلْ" نَحْوُ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَا[50] وَ"لَوْ" نَحْوُ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ[51] وَ"لَعَلَّ" نَحْوُ قَوْلِهِ:

أَسِرْبَ الْقَطَا هَلْ مَنْ يُعِيْرُ[52] جَنَاحَهُ : لَعَلِّيْ إِلَى مَنْ قَدْ هَوَيْتُ أَطِيْرُ

وَلِاسْتِعْمَالِ هٰذِهِ الْأَدَوَاتِ فِي التَّمَنِّيْ يُنْصَبُ الْمُضَارِعُ الْوَاقِعُ فِيْ جَوَابِهَا ...

ترجمہ: اور بہر حال تمنی سے مراد ایسی محبوب چیز حاصل کرنے کی خواہش کرنا جس کے حاصل ہونے کی امید نہ ہو؛ کیونکہ وہ محال (ناممکن) ہے یا بعید الوقوع (مشکل) ہے، جیسے شاعر کا قول: کاش! کسی دن میری جوانی لوٹ آئے، تو اسے بتاؤں جو بڑھاپے نے میرے ساتھ کیا ہے۔ اور تنگدست کا کہنا: کاش! میرے پاس ہزار درھم ہوتے۔ اور جب اس چیز کے حاصل ہونے کی امید ہو پس اگر تو اس چیز کے حصول کا انتظار کرے تو اسے ترجی کہا جاتا ہے اور ترجی کو "عسی" یا "لعل" کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے: امید ہے اللہ اس کے بعد کوئی نیا معاملہ پیدا فرما دے۔ تمنا کے اظہار کے لیے چار الفاظ ہیں:۔ ایک اصلی ہے اور وہ "لیت" ہے اور باقی تین غیر اصلی ہیں اور وہ "ھل" ہے، جیسے: کاش! کوئی ہمارے سفارشی ہوتے جو ہماری سفارش

---

[49] سورۃ الطلاق: الآیۃ: 1.

[50] سورۃ الأعراف: الآیۃ: 53.

[51] سورۃ الشعراء: الآیۃ: 102.

[52] عاریت سے مراد اپنی کوئی چیز کسی دوسرے کو دینا تاکہ وہ اس سے بغیر کسی عوض کے یعنی فری نفع اٹھائے، جیسے طلبہ (Students) آپس میں ایک دوسرے کو پڑھنے کے لیے کتابیں دیتے ہیں۔

کرتے۔اور "**لو**" ہے، جیسے: کاش! ہمارے لیے ایک دفعہ دنیا میں لوٹ کر جانا ہو تا تو ہم بھی ایمان والوں میں سے ہو جاتے۔اور "**لعلّ**" ہے، جیسے: اے قطا کے جھنڈ! کیا کوئی ہے جو اپنا پر مجھے بطور عاریت دے پھر کاش اڑ کر میں اپنی محبوبہ کے پاس چلا جاؤں۔ان الفاظ کو جب اظہارِ تمنا کے لیے استعمال کیا جائے تو جو فعل مضارع ان (الفاظ) کے جواب میں واقع ہو گا منصوب ہو گا۔

تشریح: تمنّی کا لغوی معنی خواہش کرنا ہے اور اصطلاحی معنی ایسی محبوب چیز کو حاصل کرنے کی خواہش کرنا یا خواہش رکھنا جس کے ملنے کی امید نہ ہو؛ کیونکہ اس کا حصول ناممکن ہے یا پھر بہت مشکل، جیسے شعر میں شاعر نے جوانی کے لوٹنے کی خواہش کی ہے جس کا لوٹنا ناممکن ہے اور تنگدست کا خواہش کرنا کہ اس کے پاس ہزار دینار ہوں، ہزار دینار ملنا ممکن تو ہے لیکن اس کے حق میں بعید الوقوع (بہت مشکل) ہے۔

ترجّی کا لغوی معنی ہے امید کرنا اور اصطلاحی معنی ایسی چیز کو حاصل کرنے کی خواہش کرنا جس کے حاصل ہونے کی امید ہو۔ترجّی کا اظہار کرنے کے لیے دو الفاظ ہیں:۔"**عسی**" اور "**لعلّ**". جیسے قرآنی آیت میں اس امید کا اظہار ہے کہ اللہ تعالی اس معاملہ کو حل فرمائے گا۔

سوال: تمنا کے اظہار کے لیے کتنے اور کونسے الفاظ ہیں؟

جواب: چار الفاظ ہیں ایک اصلی اور وہ "**لیت**" ہے یعنی اس لفظ کو اظہارِ تمنا کے لیے ہی وضع کیا گیا ہے، اس کی مثال ابھی متن اور شرح میں گزری اور تین الفاظ غیر اصلی ہیں یعنی ان کو وضع تو کسی اور معنی کے لیے کیا گیا لیکن اظہارِ تمنا کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ تین الفاظ سے مراد:۔"**ھل**"، "**لو**" اور "**لعلّ**" ہیں۔

"**ھل**" استفہام کے لیے، "**لو**" شرط کے لیے اور "**لعلّ**" ترجّی کے لیے وضع کیا گیا اور یہاں مثالوں میں ناممکن اور بعید الوقوع چیزوں کی تمنا اور آرزو کے لیے استعمال ہو رہے ہیں۔

قانون: جو فعل مضارع تمنی کے جواب میں واقع ہو گا اس کے پانچ مرفوع صیغوں کو نصب دیا جائے گا، جیسے شعر میں "**فنکون**" اور "**أطیر**" اور سات صیغوں کے آخر سے نونِ اعرابی گرا دیا جائے گا، جیسے قرآنی آیت میں "**فیشفعوا**" ہے۔

التركيب

قوله:"لا يرجى حصوله" صفة ثانية ل"شيء"، وقوله:"لكونه مستحيلا أو بعيد الوقوع" متعلق ب"لا يرجى"، وقوله:"فإن ترقبه" شرط لما بعده، وجزاء لما قبله.قوله:"عنه" نائب الفاعل الغير الصريح ل"يعبّر". قوله:"لاستعمال هذه الأدوات في التمني" متعلق ب"ينصب"، و"في جوابها" متعلق ب"الواقع".

وَأَمَّا النِّدَاءُ فَهُوَ طَلَبُ الْإِقْبَالِ بِحَرْفٍ نَائِبٍ مَنَابَ "أَدْعُوا" وَأَدَوَاتُهُ ثَمَانِيَةٌ"يَا وَالْهَمْزَةُوَأَيْ وَآوَآيِ وَأَيَا وَهَيَا وَوَا" فَالْهَمْزَةُ وَأَيْ لِلْقَرِيْبِ وَغَيْرُهُمَا لِلْبَعِيْدِ وَقَدْ يُنَـزَّلُ الْبَعِيْدُ مَنْـزِلَةَ الْقَرِيْبِ فَيُنَادَى بِالْهَمْزَةِ وَأَيْ إِشَارَةً إِلَى أَنَّهُ لِشِدَّةِ اسْتِحْضَارِهِ فِيْ ذِهْنِ الْمُتَكَلِّمِ صَارَ كَالْحَاضِرِ مَعَهُ كَقَوْلِ الشَّاعِرِ:

أَسُكَّانَ نَعْمَانَ الأَرَاكِ تَيَقَّنُوْا : بِأَنَّكُمْ فِيْ رَبْعِ قَلْبِيْ سُكَّانُ

وَقَدْ يُنَـزَّلُ الْقَرِيْبُ مَنْـزِلَةَ الْبَعِيْدِ فَيُنَادَى بِأَحَدِ الْحُرُوْفِ الْمَوْضُوْعَةِ لَهُ إِشَارَةً إِلَىٰ أَنَّ الْمُنَادَى عَظِيْمُ الشَّأْنِ رَفِيْعُ الْمَرْتَبَةِ حَتَّى كَأَنَّ بُعْدَ دَرَجَتِهِ فِي الْعَظَمِ عَنْ دَرَجَةِ الْمُتَكَلِّمِ بُعْدٌ فِي الْمَسَافَةِ كَقَوْلِكَ:أَيَا مَوْلَايَ وَأَنْتَ مَعَهُ أَوْ إِشَارَةً إِلَى انْحِطَاطِ دَرَجَتِهِ كَقَوْلِكَ:أَيَا هٰذَا لِمَنْ هُوَمَعَكَ أَوْ إِشَارَةً إِلَى أَنَّ السَّامِعَ غَافِلٌ لِنَحْوِنَوْمٍ أَوْ ذُهُوْلٍ كَأَنَّهُ غَيْرُ حَاضِرٍ فِي الْمَجْلِسِ كَقَوْلِكَ لِلسَّاهِيْ:أَيَا فُلَانُ ...

ترجمہ: اور بہر حال ندا سے مراد "أدعو" کے قائم مقام حرف کے ذریعے مخاطب کی توجہ چاہنا ہے اور ندا کے لیے آٹھ حروف استعمال ہوتے ہیں:۔یا، ہمزہ، أي، آ، آي، أیا، هیا اور وا۔ہمزہ اور أي منادی قریب کے لیے جبکہ ان دو کے علاوہ باقی سب منادی بعید کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور کبھی کبھار منادی بعید کو منادی قریب کی جگہ پر رکھتے ہوئے ہمزہ اور أي کے ساتھ ندا دی جاتی ہے اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ منادی متکلم کے ذہن میں خوب مستحضر ہونے کی وجہ سے گویا متکلم کے سامنے موجود ہے، جیسے شاعر کا قول: اے نعمانِ اراک کے رہنے والو! یقین کرو تم میرے دل کی گہرائی میں رہتے ہو۔اور کبھی منادی قریب کو منادی بعید کی جگہ پر رکھتے ہوئے ان حروف میں سے کسی ایک حرف سے ندا دی جاتی ہے جن کو منادی بعید کے لیے وضع کیا گیا یا تو اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ منادی بڑی عظمت والا اور بلند مرتبہ والا ہے گویا منادی کے عظیم ہونے میں متکلم کے درجہ سے بُعد، مسافت میں بُعد کے مترادف ہے، جیسے تیرا کہنا: اے میرے مولا! حالانکہ تو اس کے پاس ہے یا پھر اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ منادی مرتبہ میں کم ہے، جیسے: اے یہ! اس آدمی

کے لیے جو آپ کے پاس موجود ہے یا پھر اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ سامع نیند یا ذہول کی وجہ سے غافل ہے گویا وہ مجلس میں حاضر ہی نہیں، جیسے تیرا بھولنے والے کو کہنا: اے فلاں!

تشریح: ندا کہتے ہے توجہ چاہنے کے لیے مخاطب کو حرف ندا کے ساتھ پکارنا، حرفِ ندا کبھی لفظوں میں موجود ہوتا ہے، جیسے: "یا زید. "اے زید! اور کبھی لفظوں میں موجود نہیں ہوتا لیکن ملحوظ ہوتا ہے، جیسے: "**یوسف أعرض عن هذا**. "اے یوسف! آپ اس سے اعراض فرمائیں۔ کوئی بھی حرفِ ندا ہو وہ "**أدعو**" کے قائم مقام ہوتا ہے، جیسے: "یا زید. "کہا جائے تو یہ اصل میں "**أدعو زیدا**. " ہے۔

سوال: حروفِ ندا کتنے اور کونسے ہیں؟

جواب: حروفِ ندا آٹھ ہیں اور وہ یہ ہیں:۔ "یَا، أَ، أَيْ، آ، آيَ، أَيَا، **هَيَا** اور وَا"۔

سوال: ان کا استعمال کیا ہے؟

جواب: "یا" اور ہمزہ منادی قریب کے لیے استعمال ہوتے ہیں یعنی ان دونوں کے ساتھ جس کو پکارا جائے گا وہ پکارنے والے کے قریب ہو گا اور باقی سب منادی بعید کے لیے استعمال ہوتے ہیں یعنی باقی چھ کے ذریعے جس کو پکارا جائے گا وہ پکارنے والے سے دور ہو گا۔

سوال: کیا "یا" اور ہمزہ منادی بعید کے لیے بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: اگر ایسے ہے تو کیوں؟

جواب: بعض اوقات جس کو ندا (Call) دی جارہی ہوتی ہے وہ بظاہر متکلم سے مسافت میں دور ہوتا ہے لیکن دل کے قریب ہوتا ہے لہذا منادی بعید کو منادی قریب کے مرتبہ پر رکھ کر "یا" یا ہمزہ سے ندا دی جاتی ہے، جیسے شعر سے واضح ہے کہ نعمانِ اراک میدانِ عرفات اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے جو متکلم (شاعر) سے دور ہے لیکن اس کے باشندے شاعر کے دل میں بستے ہیں یا دل کے قریب ہیں اس لیے ان کو ندا دینے کے لیے شاعر نے ہمزہ استعمال کیا۔ ایسے ہی بعض اوقات منادی متکلم کے قریب ہوتا ہے لیکن بلند مرتبہ اور عظمت والا ہے یا منادی متکلم کی نظروں میں کم مرتبہ ہے یا حقیر ہے یا منادی پاس ہوتے ہوئے بھی پاس نہیں؛ کیونکہ اس کی توجہ کسی اور طرف ہے تو ان سب صورتوں میں منادی قریب کو منادی بعید کے رتبہ

پر رکھتے ہوئے، باقی چھ حروفِ ندا میں سے کسی ایک حرف سے ندا دی جاتی ہے، جیسے: "أيا مولاي."یعنی اے میرے آقا!حالانکہ کے خادم اپنے آقا کے پاس موجود ہے لیکن آقا عظمت والا اور بلند رتبہ ہے اس لیے "أيا" کے ساتھ ندا دی،اور "أيا هذا." (اے یہ!)چونکہ متکلم کے ہاں منادی کی کوئی خاص حیثیت نہیں اس لیے ندا دینے کے لیے "أيا" استعمال کیا اور "أيا فلان."یعنی اے فلاں!ایسے آدمی کو کہنا جس کی توجہ آپ کی طرف نہیں۔

التركيب

قوله: "مناب أدعو" مفعول فيه ل"نائب" هو صفة ل"حرف"، وقوله: "منزلة القريب" مفعول فيه ل"ينزل"، وقوله: "إشارة" مفعول له ل"ينادى". قوله: "في العظم" ظرف ل"بعد"، وهو اسم كأنّ وهكذا "عن المتكلم".

وَقَدْ تُخْرَجُ أَلْفَاظُ النِّدَاءِ عَنْ مَعْنَاهَا الْأَصْلِيِّ لِمَعَانٍ أُخَرَ تُفْهَمُ مِنَ الْقَرَائِنِ كَالْإِغْرَاءِ نَحْوُ قَوْلِكَ لِمَنْ أَقْبَلَ يَتَظَلَّمُ: يَا مَظْلُوْمُ وَالزَّجْرِ نَحْوُ

أَفُؤَادِيْ مَتَى الْمَتَابُ أَلَمَّا: تَصْحُ وَالشَّيْبُ فَوْقَ رَأْسِيْ أَلَمَّا

وَالتَّحَيُّرِ وَالتَّضَجُّرِ نَحْوُ

أَيَا مَنَازِلَ سَلْمَى أَيْنَ سَلْمَاكِ؟

وَيَكْثُرُ هٰذَا فِيْ نِدَاءِ الْأَطْلَالِ وَالْمَطَايَا وَنَحْوِهَا وَالتَّحَسُّرِ وَالتَّوَجُّعِ كَقَوْلِهِ:

أَيَا قَبْرَ مَعْنٍ كَيْفَ وَارَيْتَ جُوْدَهُ: وَقَدْ كَانَ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْبَحْرُ مُتْرَعًا"

وَالتَّذَكُّرِ نَحْوُ

أَيَا مَنْزِلَيْ سَلْمَى سَلَامٌ عَلَيْكُمَا: هَلِ الْأَزْمُنُ اللَّاتِيْ مَضَيْنَ رَوَاجِعُ

وَغَيْرُ الطَّلَبِيِّ يَكُوْنُ بِالتَّعَجُّبِ وَالْقَسَمِ وَصِيَغِ الْعُقُوْدِ كَبِعْتُ وَاشْتَرَيْتُ وَيَكُوْنُ بِغَيْرِ ذٰلِكَ وَأَنْوَاعُ الْإِنْشَاءِ غَيْرِ الطَّلَبِيِّ لَيْسَتْ مِنْ مَبَاحِثِ عِلْمِ الْمَعَانِيْ فَلِذَا ضَرَبْنَا صَفْحًا عَنْهَا...

ترجمہ: اور بسا اوقات الفاظِ ندا اصلی معانی سے نکال کر دوسرے معانی میں استعمال کیے جاتے ہیں جو قرائن سے مفہوم ہوتے ہیں، جیسے اغرا مثلا: تیرا ظلم کی شکایت کرنے والے کو کہنا اے مظلوم!، زجر، مثلا: اے میرے دل! تو کب توبہ کرے گا آخر کب تک ہوش کے ناخن لے گا حالانکہ بڑھاپے کی سفیدی سر پر ظاہر ہو چکی ہے۔"، حیرت اور دل کی بے چینی کا اظہار، مثلا: اے سلمی کے ویرانو! تمہاری سلمی کدھر گئی؟ اور یہ صورت اکثر اوقات ٹیلوں اور سواریوں وغیرہ کو ندا دینے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔، حسرت اور تکلیف کا اظہار کرنا، جیسے شاعر کا قول: "اے معن کی قبر! تو نے اس کی سخاوت کو کیسے چھپا لیا حالانکہ اس کی سخاوت سے خشکی اور تری نے حصہ پایا ہے۔ اور یاد تازہ کرنا، مثلا: اے سلمی کے دو ویرانو! تم سلامت رہو کیا بیٹے ہوئے لمحات واپس لوٹ سکتے ہیں؟ اور انشائے غیر طلبی تعجب، قسم اور الفاظِ عقود میں پائی جاتی ہے، جیسے: "بعت" اور "اشتریت"

اور کبھی ان کے علاوہ بھی پائی جاتی ہے اور انشائے غیر طلبی کی انواع چونکہ علم المعانی کی ابحاث سے تعلق نہیں رکھتیں اسی لیے ہم نے ان سے صرفِ نظر کی۔

تشریح: حروفِ ندا جس طرح اپنے اصلی معنی میں استعمال ہوتے ہیں ایسے ہی بعض اوقات قرائن کے ساتھ دوسرے معانی کے لیے بھی آتے ہیں اور وہ معانی درجہ ذیل ہیں:

1. **اغراء:** بعض اوقات حرفِ ندا سے کسی فعل پر اکسانے کے معنی لیے جاتے ہیں، جیسے حاکم ظلم کی شکایت کرنے والے کو بولے: اے مظلوم! یعنی ظلم کی شکایت کرنے والے کو اکسایا جارہا ہے کہ مزید ظلم کی داستان سنائے۔ حرف ندا یہاں اپنے اصلی معنی پر نہیں ہے؛ کیونکہ ظلم کی شکایت کرنے والا پہلے ہی سے حاکم کی طرف متوجہ ہے۔
2. **زجر:** بعض اوقات حرفِ ندا کے ذریعے ڈانٹ ڈپٹ مقصود ہوتی ہے، جیسے: "**أَفُؤَادِي مَتَى الْمَتَابُ أَلَمَّا : تَصْحُ وَالشَّيْبُ فَوْقَ رَأْسِي أَلَمَّا**." شعر میں حرف ندا ہمزہ کے ذریعے دل کو ڈانٹا جارہا ہے کہ اب تو توبہ کرلے، ہوش کے ناخن لے لے، اور پرہیزگاری اختیار کرلے بالوں پر سفیدی بھی ظاہر ہو چکی ہے اگر اب توبہ نہیں کرنی تو کب کرنی ہے؟ حرف ندا یہاں اپنے اصلی معنی میں نہیں ہے؛ کیونکہ دل پہلے ہی سے متوجہ ہے لہذا مزید توجہ چاہنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔
3. **تحیّر وتضجّر:** کبھی حرفِ ندا کے ذریعے حیرت اور بے چینی کا اظہار کیا جاتا ہے، جیسے: "**أَيَا مَنَازِلَ سَلْمَى إلخ**" یعنی شاعر کو اپنی محبوبہ کے ساتھ گزارا وقت یاد آیا تو جن جگہوں پر محبوبہ نے قیام کیا ان کو ندا دیتے ہوئے شاعر نے اپنے دل کی حسرت اور بے چینی کا اظہار کیا اور ظاہر ہے کہ حرفِ ندا اپنے اصلی معنی پر نہیں ہے؛ کیونکہ ویرانے عقل نہیں رکھتے کہ شاعر کی ندا پر توجہ دیں۔
4. **تحسّر وتوجّع:** کبھی حرفِ ندا کے ذریعے دل کی حسرت اور تکلیف کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: "**أَيَا قَبْرَ مَعْنٍ إلخ**" یعنی حرفِ ندا "أیا" کے ذریعے معن نامی شخص کی قبر کو مخاطب کر کے حسرت اور تکلیف کا اظہار کیا جارہا ہے، اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حرفِ ندا اپنے اصلی معنی پر نہیں ہے؛ کیونکہ قبر کو مخاطب نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ قبر عقل نہیں رکھتی پھر توجہ کیسے چاہی جاسکتی ہے؟

5. **تذکّر**: کبھی حرفِ ندا کے ذریعے گزری یادیں تازہ کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: "**أَیَا مَنْزِلَيْ سَلْمٰی إلخ**" میں حرفِ ندا "أَیَا" کے ذریعے شاعر اپنی محبوبہ کے ساتھ گزرے لمحات کی یاد کو تازہ کرنے کے لیے محبوبہ کی قیام گاہوں کو ندا دے رہا ہے اور ظاہر ہے کہ حرفِ ندا اپنے اصلی معنی پر نہیں؛ کیونکہ قیام گاہیں عقل نہیں رکھتیں لہٰذا ان کی توجہ بھی حاصل نہیں کی جاسکتی۔

انشائے غیر طلبی کی صورتیں:

انشائے غیر طلبی سے مراد وہ جس میں کوئی طلب نہ ہو، اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:۔

تعجب: یعنی حیرت کا اظہار کرنا۔ اس کے دو صیغے ہیں "**ماأفعله**" اور "**أفعل به**"، مثلا: "**سبحان الله ماأجملكوأجمل بك**" یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ کی پاکی ہے کہ آپ کتنا جمال رکھتے ہیں۔

قسم: یعنی گفتگو کو پختہ کرنے اور مخاطب کو یقین دلانے کے لے قسم اٹھانا۔ اس کے لیے **واو**، **با**، **تا** اور **لام** حروف ہیں، جیسے: "**والعصر إن الإنسان لفي خسر**." یعنی عصر کی قسم بے شک انسان خسارے میں ہے۔

عقود: یعنی ایسے الفاظ جو معاہدوں وغیرہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں، جیسے: "**بعت**" یعنی میں نے یہ چیز بیچی، "**اشتريت**" یعنی میں نے یہ چیز خریدی، "**وهبت**" یعنی میں نے یہ چیز تحفہ دی، "**أعتقت**" یعنی میں نے غلام آزاد کیا اور "**تزوّجت**" یعنی میں نے شادی کی وغیرہ۔

افعالِ رجا: یعنی ایسے افعال جو امید کا اظہار کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، جیسے: "**عسى اللهأن يأتي بالفتح**." یعنی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح سے نوازے۔

افعالِ مدح وذم: یعنی ایسے افعال جن کے ذریعے کسی کی تعریف یا مذمت بیان کی جاتی ہے، جیسے: "**نعم زيد**." یعنی زید کتنا اچھا ہے، اور ایسے ہی "**بئس زيد**." یعنی زید کتنا برا ہے۔

نوٹ: تعجب، قسم، افعال رجا اور افعال مدح وذم کے لیے علم نحو اور عقود کے لیے علم فقہ کی طرف رجوع کرنا فائدہ مند ہے۔

سوال: انشائے غیر طلبی کو مصنف علیہ الرحمۃ نے وضاحت کے ساتھ بیان کیوں نہیں کیا؟

جواب: کیونکہ انشائے غیر طلبی کی انواع کا علم المعانی کی ابحاث سے کوئی خاص تعلق ناطہ نہیں؛ کیونکہا کثر قسمیں وہ ہیں جن کو خبر سے انشاء کی طرف نقل کیا گیا ہے، جیسے: افعالِ رجا، افعالِ مدح وذم، عقود اور قسم اٹھانا۔ اسی لیے مصنف رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے ان کو ذکر نہیں کیا۔

التركيب

قوله:"لمن أقبل" متعلق ب"قول"،و"يتظلم"حال من الضمير المستكن في "أقبل"،و"يا مظلوم" مقول للقول. قوله:"وقد كان منه البر والبحر مترعا" حال من الضمير المجرور في "جوده"،و"منه" ظرف مقدم ل"مترع"،وهو خبر ل"كان". قوله:"اللاتي" الموصول مع صلته صفة ل"الأزمن"، ثم مبتدأ ل"رواجع". قوله:"غير الطلبي" المركب الإضافي صفة ل"الإنشاء". قوله:"فلذا" الفاء للنتيجة، واللام جارة، و"ذا" اسم إشارة مجرور، والمشار إليه ما سبق ثم ظرف ل"ضربنا"، و"صفحا" مفعول مطلق ل"ضربنا" بتضمنه معنى أمسكنا، و"عنها" متعلق ل"ضربنا"، فتقدير العبارة فلذا أمسكنا إمساكا عنها أو "صفحا" بتأويل صافحين حال من ضمير الفاعل في "ضربنا".

اَلْبَابُ الثَّانِيْ فِي الذِّكْرِ وَالْحَذْفِ

إِذَا أُرِيْدَ إِفَادَةُ السَّامِعِ حُكْمًا فَأَيُّ لَفْظٍ يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى فِيْهِ فَالْأَصْلُ ذِكْرُهُ وَأَيُّ لَفْظٍ عُلِمَ مِنَ الْكَلَامِ لِدَلَالَةٍ بَاقِيَةٍ عَلَيْهِ فَالْأَصْلُ حَذْفُهُ وَإِذَا تَعَارَضَ هٰذَانِ الْأَصْلَانِ فَلَا يُعْدَلُ عَنْ مُقْتَضَى أَحَدِهِمَا إِلَى مُقْتَضَى الْآخَرِ إِلَّا لِدَاعٍ...

دوسرا باب ذکر وحذف کے بارے میں ہے۔

ترجمہ: جب سننے والے کو کسی حکم کا فائدہ دینا مقصود ہو تو جو لفظ اس حکم پر دلالت کرے اس کا ذکر اصل ہے اور جو لفظ کلام سے بطور دلالت معلوم ہو اس کا حذف اصل ہے اور جب ان دونوں اصلوں میں تعارض ہو تو بغیر امر داعی کے کسی ایک کے مقتضی سے دوسرے کے مقتضی کی طرف عدول نہ کیا جائے۔

تشریح: قانون یہ ہے کہ جو بات آپ سامع کو بتانا چاہ رہے ہیں اس بات پر جو لفظ دلالت کرتا ہو اس لفظ کو کلام میں ذکر کرنا ضروری ہے اور حذف کی صورت میں باقی کلام کی اس پر دلالت ضروری ہے، جیسے پوچھا جائے: "من قتل؟" یعنی کس کو قتل کیا گیا؟ تو جواب میں صرف "زيد" کہا جائے، "قتل" ذکر کرنے کی حاجت نہیں؛ کیونکہ سوال میں موجود "قتل" اس کے حذف پر دلیل ہے اور اگر جواب میں "قتل زيد." کہہ دیا جائے تو "قتل" ذکر کرنے کی وجہ ممکن ہے سامع کے ذہن میں اس حکم کی پختگی مقصود ہو۔

التركيب

قوله: "حكماً" مفعول ل"إفادة". قوله: "فلا يعدل عنه إلخ" جزاء لما قبله، و"عن إلخ" نائب الفاعل الغير الصريح، و"إلى إلخ" متعلق ب"لا يعدل"، و"لداع" متعلق به أيضاً.

فَمِنْ دَوَاعِي الذِّكْرِ زِيَادَةُ التَّقْرِيْرِ وَالْإِيْضَاحِ نَحْوُأُولٰئِكَ عَلَى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[53] وَقِلَّةُ الثِّقَةِ بِالْقَرِيْنَةِلِضُعْفِهَا أَوْ ضُعْفِ فَهْمِالسَّامِعِ نَحْوُزَيْدٌ نِعْمَ الصَّدِيْقُ تَقُوْلُ ذٰلِكَ إِذَا سَبَقَ لَكَ ذِكْرُزَيْدٍ وَطَالَ عَهْدُ السَّامِعِ بِهِ أَوْ ذُكِرَ مَعَهُ كَلَامٌ فِيْ شَأْنِ غَيْرِهِوَالتَّعْرِيْضُ بِغَبَاوَةِالسَّامِعِ نَحْوُعَمْرٌو قَالَ كَذَا فِيْ جَوَابِ "مَاذَا قَالَ عَمْرٌو؟" وَالتَّسْجِيْلُ عَلَى السَّامِعِ حَتّٰى لَا يَتَأَتّٰى لَهُ الْإِنْكَارُ كَمَا إِذَا قَالَ الْحَاكِمُ لِشَاهِدٍ:هَلْ أَقَرَّ زَيْدٌهٰذَا بِأَنَّ عَلَيْهِ كَذَا فَيَقُوْلُ الشَّاهِدُ:نَعَمْ زَيْدٌهٰذَا أَقَرَّ بِأَنَّ عَلَيْهِ كَذَاوَالتَّعَجُّبُ إِذَا كَانَ الْحُكْمُ غَرِيْبًا نَحْوُ عَلِيٌّ يُقَاوِمُ الْأَسَدَ تَقُوْلُ ذٰلِكَ مَعَ سَبْقِ ذِكْرِهِوَالتَّعْظِيْمُ وَالْإِهَانَةُ إِذَا كَانَ اللَّفْظُ يُفِيْدُ ذٰلِكَ كَأَنْ يَسْأَلُكَ سَائِلٌ:هَلْ رَجَعَ الْقَائِدُ؟ فَتَقُوْلُ:رَجَعَ الْمَنْصُوْرُ أَوِ الْمَهْزُوْمُ...

ترجمہ: پس ذکر پر ابھارنے والی چیزوں میں سے تقریر (پختگی) اور وضاحت میں زیادتی ہے، جیسے: یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی وہ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ اور قرینہ پر اعتماد کی کمی ہے قرینہ کے کمزور ہونے کی وجہ سے یا سامع کی سمجھ بوجھ کے کمزور ہونے کی وجہ سے، جیسے: زید کتنا اچھا دوست ہے! یہ تو اس وقت کہے گا جب زید کا ذکر پہلے ہو چکا ہو اور سامع کی توجہ بھی اس پر دیر تک رہی ہو یا زید کے ذکر کے ساتھ کسی دوسرے کے بارے میں بھی گفتگو ہوئی ہو اور سامع کی کند ذہنی پر تعریض کرنا ہے، جیسے: عمرو نے ایسے کہا تھا۔ اس سوال کے جواب میں: عمرو نے کیا کہا تھا؟ اور سامع کے ذہن پر مہر لگانا تاکہ سامع سے انکار نہ بن پڑے، جیسے حاکم گواہ سے بولے: کیا زید نے یہ اقرار کیا ہے کہ اس پر اتنی رقم قرض ہے؟ تو گواہ کہے: ہاں زید نے اقرار کر لیا ہے کہ اس پر اتنی رقم قرض ہے۔ اور تعجب کرنا ہے جبکہ حکم انوکھا ہو، جیسے: علی شیر کا مقابلہ کرتا ہے یا کر رہا ہے۔ یہ تو تب کہے جب اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو اور تعظیم اور اہانت ہے جبکہ لفظ اس کا فائدہ دے گویا کوئی پوچھنے والا تم سے پوچھے: کیا قائد لوٹا؟ تو بولے: فتح یاب لوٹا یا شکست یاب لوٹا۔

---

[53] سورۃ البقرۃ: الآیۃ: 5.

تشریح: ذکر پر ابھارنے والی وجوہ (Reasons) مندرجہ ذیل ہیں:

1. ذکر کے ذریعے مذکور کی، زیادہ وضاحت اور پختگی مقصود ہو، جیسے ذکر کردہ آیت میں دوسرا "أولئك" صرف اس لیے لایا گیا تاکہ سامع کے لیے زیادہ واضح اور اس کے ذہن میں زیادہ راسخ ہو جائے کہ ہدایت یافتہ لوگ ہی کامیاب وکامران ہیں۔
2. قرینہ پر قلتِ وثوق یعنی اگر لفظ کو حذف کیا جاتا ہے تو حذف کی بنیاد قرینہ ہے یا سامع کا فہم اور دونوں میں کسی ایک پر بھی کامل بھروسہ نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ قرینہ ضعیف ہو سکتا ہے کہ اس کی طرف ذہن ہی نہ جائے اور سامع کا فہم بھی کمزور ہو سکتا ہے کہ وہ سمجھ ہی نہ پائے کہ یہاں پر لفظ کو فلاں قرینہ کی بنیاد پر حذف کر دیا گیا ہے، جیسے: "زيد نعم الصديق.": "زيد" کا ذکر جب پہلے ہو چکا ہے اگرچہ کسی دوسرے کے ساتھ ہی ہوا ہو اور یہ ذکرِ سابق "زيد" کے حذف پر قرینہ بن سکتا ہے لیکن اس قرینہ پر اعتماد کرنا کمزور بات ہے ممکن ہے سامع کا "زيد" کی طرف ذہن نہ جائے قرینہ میں کمزوری کی وجہ سے یا پھر سامع کی سمجھ کے کمزور ہونے کی وجہ سے؛ کیونکہ "زيد" کا ذکر ہوئے کچھ وقت گزر چکا ہے یا "زيد" کے ساتھ کسی دوسرے کا بھی ذکر کیا گیا تھا، لہذا اب دوبارہ "زيد" ذکر کر دیا گیا تاکہ کسی دوسرے بندے کی طرف سامع کا ذہن نہ جائے۔
3. سامع کی کند ذہنی ظاہر کرنے کے لیے لفظ ذکر کرنا، جیسے کوئی پوچھے: "ماذا قال عمرو؟" یعنی عمرو نے کیا کہا؟ اب دوبارہ سے "عمرو" ذکر کرنے کی حاجت نہیں تھی؛ کیونکہ "عمرو" کا ذکر سوال میں ہو چکا لیکن چونکہ سامع کند ذہن ہے ممکن ہے اس کا ذہن عمرو کی بجائے کسی اور کی طرف چلا جائے اس لیے جواب میں "عمرو" دوبارہ ذکر کرتے ہوئے "عمرو قال كذا." کہا۔
4. سامع پر مہر کرنے کے لیے لفظ ذکر کرنا تاکہ سامع کے لیے انکار کی گنجائش نہ رہے، جیسے حاکم گواہ سے پوچھے: هل أقرّ زيد هذا بأنّ عليه كذا؟ یعنی کیا زید نے اپنے پر اتنی رقم کے واجب الادا ہونے کا اقرار کیا؟ اور گواہ بولے: نعم زيد هذا أقرّ بأنّ عليه كذا. یعنی ہاں زید نے اتنی رقم کا اپنے اوپر قرض ہونے کا اقرار کیا ہے، دوبارہ لفظِ "زيد" کا ذکر اس لیے کیا تاکہ سامع (مدعی علیہ) آئندہ انکار نہ کر سکے۔

5. حکم کے انوکھا ہونے کی وجہ سے حیرت کا اظہار کرنے کے لیے لفظ ذکر کرنا، جیسے "علی" کا پہلے ذکر ہو چکا ہو اس کے باوجود دوبارہ "علی" ذکر کرتے ہوئے "عليّ يقاوم الأسد." کہنا صرف یہ بتانے کے لیے کہ حکم عجیب ہے کہ علی شیر کا مقابلہ کر رہا ہے۔
6. کسی لفظ میں عظمت یا حقارت کے معنی موجود ہوں اس معنی کی خاطر لفظ کو ذکر کرنا، جیسے کوئی سوال کرے: "هل رجع القائد؟" یعنی کیا قائد لوٹا؟ اور جواب میں: "رجع المنصور." یعنی مدد یافتہ لوٹا کہا جائے، جواب میں صرف "رجع" کافی تھا لیکن "المنصور" اس لیے کہا کہ اس میں عظمت والے معنی موجود ہیں یا پھر جواب میں: "رجع المهزوم." یعنی شکست یافتہ لوٹا کہا جائے اس میں "المهزوم" اس لیے کہا کہ اس میں حقارت والے معنی موجود ہیں۔

التركيب

قوله: "فمن دواعي الذكر" خبر مقدم لما بعده من المعطوف عليه والمعطوفات. قوله: "بالقرينة" متعلق ب"الثقة"، وما بعدها متعلق ب"قلة". قوله: "على السامع" متعلق ب"التسجيل". قوله: "إذا كان الحكم غريباً" شرط مؤخر للجزاء المقدم أي من دواعي الذكر التعجب.

وَمِنْ دَوَاعِي الْحَذْفِ إِخْفَاءُ الْأَمْرِ عَنْ غَيْرِ الْمُخَاطَبِ نَحْوُ أَقْبَلَ تُرِيْدُ عَلِيًّا وَتَأَتِّي الْإِنْكَارِ مَثَلًا عِنْدَ الْحَاجَةِ نَحْوُ لَئِيْمٌ خَسِيْسٌ بَعْدَ ذِكْرِ شَخْصٍ مُعَيَّنٍ وَالتَّنْبِيْهُ عَلَى تَعْيِيْنِ الْمَحْذُوْفِ وَلَوِ ادِّعَاءً نَحْوُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ[54] وَوَهَّابُ الْأُلُوْفِ وَاخْتِبَارُ تَنَبُّهِ السَّامِعِ أَوْ مِقْدَارِ تَنَبُّهِهِ نَحْوُ

نُوْرُهُ مُسْتَفَادٌ مِنْ نُوْرِ الشَّمْسِ وَوَاسِطَةُ عِقْدِ الْكَوَاكِبِ

وَضَيْقُ الْمَقَامِ إِمَّا لِتَوَجُّعٍ نَحْوُ قَالَ لِيْ: كَيْفَ أَنْتَ؟ قُلْتُ:

عَلِيلٌ: سَهَرٌ دَائِمٌ وَحُزْنٌ طَوِيْلٌ

وَإِمَّا لِخَوْفِ فَوَاتِ فُرْصَةٍ نَحْوُ قَوْلِ الصَّيَّادِ: غَزَالٌ وَالتَّعْظِيْمُ وَالتَّحْقِيْرُ لِصَوْنِهِ عَنْ لِسَانِكَ أَوْ صَوْنِ لِسَانِكَ عَنْهُ فَالْأَوَّلُ نَحْوُ نُجُوْمُ سَمَاءٍ وَالثَّانِيْ نَحْوُ

قَوْمٌ إِذَا أَكَلُوْا أَخْفَوْا حَدِيْثَهُمْ

وَالْمُحَافَظَةُ عَلَى وَزْنٍ أَوْ سَجْعٍ

فَالْأَوَّلُ نَحْوُ

نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَأَنْتَ بِمَا عِـ : ـنْدَكَ رَاضٍ وَالرَّأْيُ مُخْتَلِفٌ

وَالثَّانِيْ نَحْوُ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى[55]

وَالتَّعْمِيْمُ بِاخْتِصَارٍ نَحْوُ وَاللهُ يَدْعُوْا إِلَى دَارِ السَّلَامِ[56] أَيْ جَمِيْعَ عِبَادِهِ؛ لِأَنَّ حَذْفَ الْمَعْمُوْلِ يُؤْذِنُ بِالْعُمُوْمِ وَالْأَدَبُ نَحْوُ قَوْلِ الشَّاعِرِ:

قَدْ طَلَبْنَا فَلَمْ نَجِدْ لَكَ فِي السُّؤْ : دَدِ وَالْمَجْدِ وَالْمَكَارِمِ مِثْلًا

---

[54] سورة الأنعام: الآية: 102.

[55] سورة الضحى: الآية: 3.

[56] سورة يونس: الآية: 25.

وَتَنْزِيْلُ الْمُتَعَدِّيْ مَنْزِلَةَ اللَّازِمِ لِعَدَمِ تَعَلُّقِ الْغَرَضِ بِالْمَعْمُوْلِ نَحْوُهَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لاَيَعْلَمُوْنَ [57] وَيُعَدُّ مِنَ الْحَذْفِ إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَى نَائِبِ الْفَاعِلِ فَيُقَالُ حَذْفُ الْفَاعِلِ لِلْخَوْفِ مِنْهُ أَوْ عَلَيْهِ أَوْ لِلْعِلْمِ بِهِ أَوِ الْجَهْلِ نَحْوُسُرِقَ الْمَتَاعُ وَخُلِقَ الإِنْسَانُ ضَعِيفًا [58]...

ترجمہ: اور حذف کے دواعی میں سے غیر مخاطب سے کسی امر کو پوشیدہ رکھنا ہے، جیسے: وہ آیا، جبکہ تیری مراد علی ہو۔ اور، مثلاً حاجت کے وقت انکار کرنا ہے، جیسے معین شخص کے ذکر کے بعد: کمینہ اور گھٹیا کہنا اور تعیین محذوف پر تنبیہ کرنا ہے اگرچہ بطور دعوی ہو، جیسے: ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور ہزاروں کو دینے والا ہے۔ اور سامع کی عقل کا امتحان لینا ہے یا اس کی عقل کی مقدار کا امتحان لینا ہے، جیسے: اس کی روشنی سورج کی روشنی سے حاصل شدہ ہے اور وہ ستاروں کے ہار کا واسطہ ہے۔ اور مقام کی تنگی ہے تکلیف کی وجہ سے، جیسے اس نے مجھ سے کہا: آپ کیسے ہیں؟ میں نے کہا: بیمار ہوں دائمی بیداری اور طویل غم، یا فرصت کے فوت ہونے کے خوف کی وجہ سے ہو، جیسے شکاری کا کہنا: ہرن۔ اور تعظیم ہے تاکہ وہ تیری زبان سے محفوظ رہے اور تحقیر ہے تاکہ تیری زبان اس سے محفوظ رہے، پہلا، جیسے: آسمان کے تارے ہیں۔ اور دوسرا، جیسے: ایسی قوم ہے کہ جب کھاتے ہیں تو اپنی آواز پست رکھتے ہیں۔ اور وزن یا سجع کا لحاظ رکھنا ہے، پہلا، جیسے: ہم اس پر راضی ہیں جو ہمارے پاس ہے اور تم اس پر راضی ہو جو تمہارے پاس ہے البتہ سوچ مختلف ہے۔ اور دوسرا، جیسے: آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی ناپسند کیا۔ اور اختصار کے ذریعے تعمیم ہے، جیسے: اور اللہ سلامتی والے گھر کی طرف بلاتا ہے یعنی اپنے تمام بندوں کو؛ کیونکہ معمول کا حذف عمومیت کا فائدہ دیتا ہے اور ادب ہے، جیسے شاعر کا کہنا: ہم نے بہت تلاشا مگر سرداری، بزرگی اور اخلاق میں تیرا مثل نہ پایا۔ اور معمول سے غرض وابستہ نہ ہونے کی وجہ سے فعل متعدی لازم کے مرتبہ پر اتارنا ہے، جیسے: کیا باعلم اور بے علم برابر ہیں؟ اور فعل کا نائب الفاعل کی طرف اسناد حذف کی صورتوں میں سے ہے پس فاعل کا حذف فاعل سے خوف کی وجہ سے کہا جائے، یا فاعل پر

---

[57] سورۃ الزمر: الآیۃ: 9.

[58] سورۃ النساء: الآیۃ: 28.

خوف کی بنیاد پر، یا فاعل کا پہلے سے علم ہونے کی وجہ سے، یا پھر فاعل کا علم نہ ہونے کی وجہ سے، جیسے: سامان چرایا گیا اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا۔

تشریح: حذف کے محرّکات مندرجہ ذیل ہیں:

1. غیر مخاطب سے معاملہ چھپانے کے لیے لفظ حذف کرنا، جیسے: "**أقبل**" یعنی وہ آیا تھا اور آپ کی مراد علی ہو، یہاں علی کو حذف کیا گیا تاکہ غیر مخاطب سے اس کا آنا چھپا رہے۔
2. حذف اس لیے کرنا تاکہ حاجت کے وقت متکلم انکار کر سکے، جیسے مجلس میں معین شخص کا ذکر کرنے کے بعد، متکلم کا کہنا: "**لئیم خسیس.**" یعنی کمینہ ذلیل اور جب اس شخص کو علم ہو کہ متکلم نے اس کو کمینہ ذلیل بولا ہے، اور متکلم سے پوچھے: آپ نے مجھے کمینہ ذلیل بولا ہے؟ اس پر متکلم کہے: میں نے آپ کا نام نہیں لیا۔
3. تعیین محذوف پر مخاطب کو تنبیہ کرنے کے لیے حذف کرنا یعنی مخاطب کو یہ باور کروانا کہ محذوف پہلے سے ہی حقیقت میں یا بطور دعوی متعین ہے لہٰذا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، جیسے: "**خالق كلّ شيء.**" یعنی ہر چیز کو پیدا کرنے والا۔ یہاں محذوف یعنی اللہ حقیقت میں پہلے ہی سے متعین ہے؛ کیونکہ وہی ایک ذات ہے جو ہر چیز کی خالق ہے۔ اور اسی طرح "**وهّاب الألوف.**" یعنی ہزاروں کو خیر سے نوازنے والا، یہاں محذوف یعنی "**السلطان**" بطور دعوی پہلے ہی سے متعین ہے اگرچہ حقیقت میں یہ صفت کسی اور کی بھی ہو؛ کیونکہ لوگوں کو نوازنا بادشاہ لوگوں کا کام ہے۔
4. سامع کی عقل یا عقل کی مقدار جانچنے کے لیے حذف کرنا، جیسے: "**نوره مستفاد من نور الشمس وواسطة عقد الكواكب.**" یعنی اس کی روشنی سورج کی روشنی سے حاصل شدہ ہے اور وہ موتیوں کے ہار کا واسطہ (درمیانی بڑا موتی) ہے۔ یہاں مسند الیہ (**القمر**) کو حذف کیا گیا ہے تاکہ جانچا جائے کہ سامع میں عقلمندی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو دانشمندی اور عقلمندی کی کیا مقدار (Level) ہے بہر حال اگر عقلمندی ہوگی تو جان جائے گا کہ چاند کی بات ہو رہی ہے؛ کیونکہ چاند ہی سورج سے روشنی لیتا ہے اور تاروں کا سردار ہے اور تارے اس سے روشنی لیتے ہیں۔

5. محل کی حساسیت اور وقت کی نزاکت کی وجہ سے حذف کرنا، جیسے کسی سے حال پوچھا جائے تو وہ صرف "**عليل**."یعنی بیمار کہہ دے۔ یہاں"أنا" محذوف ہے اور حذف اس لیے کیا کہ محل حساس ہے ؛کیونکہ بیمار تکلیف کی وجہ سے لمبی چوڑی گفتگو نہیں کرپاتا یا وقت اس قدر نازک ہے کہ اگر حذف کردہ لفظ ذکر کر دیا جائے تو خوف ہے کہ ہاتھ سے موقع (Chance) نکل جائے، جیسے شکاری جب شکار کو دیکھے تو صرف"**غزال**."بولے؛کیونکہ اگر"**هذا غزال**."بولتا تو شکار ہاتھ سے نکلنے کا خوف تھا۔

6. تعظیم کی خاطر حذف کرنا یعنی محذوف اتنا عظیم ہے کہ ہم جیسے چھوٹے اور گنہگاروں کی زبان اس کے قابل نہیں، جیسے :"**نجوم سماء**."یعنی آسمان کے تارے ہیں، یہ اصل میں"**هم نجوم سماء**." تھا۔"**هم**" کو حذف کیا گیا؛ کیونکہ یہ ہستیاں عظمت والی ہیں، ہماری زبانیں ان کے ذکر کے لائق نہیں، یا تحقیر کی خاطر حذف کرنا یعنی محذوف اس قدر حقیر ہے کہ اس کو زبان سے دور رکھنے میں بھلا ہے، جیسے :"**قوم إلخ**"یعنی ایسی قوم ہے کہ جب کھانے بیٹھے تو آواز پست رکھتی ہے کہ کہیں دوسرے آواز سن کر ان کے ساتھ کھانے نہ بیٹھ جائیں، یہ اصل میں "**هم قوم إلخ**"تھا۔"**هم**" حقارت کی وجہ سے حذف کیا گیا اور بتایا گیا کہ ان کا ذکر ہماری زبان کے لائق نہیں۔

7. وزن شعری یا سجع کا لحاظ رکھنے کے لیے حذف کرنا، جیسے :"**نحن بما عندنا إلخ**"۔ یہ اصل میں "**نحن بما عندنا راضون**."تھا پس"راضون"اس لیے حذف کر دیا تاکہ شعر کا وزن سلامت رہے، جیسے :"**ما ودعك ربك وما قلى**."۔ یہاصل میں"**وما قلاك**." تھا، ضمیر خطاب کو صرف اس لیے حذف کیا تاکہ سجع سلامت رہے؛کیونکہ اس سورت میں تمام آیات کے اواخر پر الف مقصورہ ہے۔

8. جملہ میں عمومیت کی خاطر حذف کرنا، جیسے:"**والله يدعو إلى دارالسلام**."۔ یہ اصل میں"**والله يدعو جميع عباده إلى دار السلام**."تھا پس معمول حذف کر دیا تاکہ معمول میں عمومیت آئے۔

9. ادب کی خاطر حذف کرنا، جیسے: "قد طلبنا إلخ"۔ یہ اصل میں "قد طلبنا لك مثلا." تھا پس "طلبنا" کا مفعول حذف کیا ادب کی خاطر؛ کیونکہ ممدوح کے سامنے ممدوح کی مثل تلاشنے کی بات یقیناً بے ادبی ہے۔

10. جب فعل متعدّی کے معمول سے کوئی غرض نہ ہو تو فعل متعدّی کو فعل لازم کے مرتبہ پر رکھ کر معمول حذف کرنا، جیسے: "هل يستوي الذين إلخ" میں علم والوں اور بے علم والوں کے درمیان برابری کی نفی مقصود ہے نہ کہ یہ بتانا مقصود کہ کس کس شے کا علم ہے اور کس کا نہیں، لہذا فعل متعدّی یعنی "يعلمون" اور "لا يعلمون" کو لازم کے مرتبہ پر رکھ کر کلام کیا گیا۔

11. حذف کی صورتوں میں سے یہ بھی ہے کہ فعل کا فاعل حذف کر کے اور اسکی نسبت نائب الفاعل کی طرف کر دینا تاہم فاعل حذف کرنے کی چند وجوہ ہو سکتی ہیں، جیسے فاعل کا خوف یعنی فاعل کا ذکر کرتے ڈر لگتا ہے، یا فاعل پر خوف یعنی فاعل کا ذکر کرنے سے فاعل کو نقصان پہنچنے کا امکان ہے، یا فاعل اس قدر مشہور و معروف ہے کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، یا فاعل گمنام ہے اس کا پتہ ہی نہیں، جیسے: "سرق المتاع." یعنی سامان چرایا گیا، فاعل یعنی چور کا پتہ ہی نہیں چہ جائیکہ اس کا ذکر کیا جائے، اور "خلق الإنسان ضعيفا." میں فاعل مشہور و معروف ہے لہذا ذکر کی حاجت نہیں اور وہ رب کی ذات ہے؛ کیونکہ وہی سب کا خالق ہے۔

التركيب

قوله: "عن لسانك" متعلق ب"صونه". قوله: "على وزن أو سجع" متعلق ب"المحافظة". قوله: "منزلة اللازم" مفعول فيه ل"تنزيل"، و"لعدم تعلق الغرض بالمعمول" متعلق به. قوله: "إلى نائب الفاعل" متعلق ب"إسناد"، وهو نائب الفاعل ل"يعدّ"، و"منه وعليه" يتعلقان ب"الخوف" الذي هو متعلق ل"حذف"، و"للعلم به والجهل" عطفاً على "الخوف".

اَلْبَابُ الثَّالِثُ فِي التَّقْدِيْمِ وَالتَّأْخِيْرِ

مِنَ الْمَعْلُوْمِ أَنَّهُ لَا يُمْكِنُ النُّطْقُ بِأَجْزَاءِ الْكَلَامِ دَفْعَةً وَاحِدَةً بَلْ لَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيْمِ بَعْضِ الْأَجْزَاءِ وَتَأْخِيْرِ الْبَعْضِ وَلَيْسَ شَيْءٌ مِّنْهَا فِيْ نَفْسِهِ أَوْلَى بِالتَّقَدُّمِ مِنَ الْآخَرِ لِاشْتِرَاكِ جَمِيْعِ الْأَلْفَاظِ مِنْ حَيْثُ هِيَ أَلْفَاظٌ فِيْ دَرَجَةِ الْاِعْتِبَارِ فَلَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيْمِ هٰذَا عَلَى ذَاكَ مِنْ دَاعٍ يُوْجِبُهُ ...

تیسرا باب تقدیم وتاخیر کے بارے میں ہے۔

ترجمہ: یہ بات جانی اور مانی ہے کہ اجزائے کلام ایک ہی وقت (Same time) میں بولنا ممکن نہیں بلکہ بولتے ہوئے کچھ اجزا مقدم اور کچھ کو مؤخر کرنا ضروری ہے اور کوئی بھی لفظ فی نفسہ (Itself) دوسرے لفظ پر مقدم نہیں ہوتا؛ کیونکہ سارے الفاظ، الفاظ ہونے کی حیثیت سے درجہ اعتبار میں ایک جیسے ہیں لہذا ایک لفظ کو دوسرے پر مقدم کرنے کے لیے کسی دلیل کا ہونا ضروری ہے جو اس لفظ کی تقدیم کو واجب کرے۔

تشریح: علم معانی کا تیسرا باب تقدیم وتاخیر کے بارے میں ہے یعنی کونسے لفظ کو کس لفظ پر مقدم کرنا ہے اور کس لفظ کو کونسے لفظ سے مؤخر کرنا ہے اور تقدیم وتاخیر پر دلیل کیا ہے؟ یہ سب امور اس باب میں جانے جائیں گے۔اس بات کا ہر کوئی قائل ہے کہ کلام میں جو الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں ان سب کو اکٹھے ایک ہی وقت میں نہیں بولا جا سکتا بلکہ بعض لفظوں کو مقدم جبکہ دوسرے بعض کو مؤخر کرتے ہوئے کلام کو ایک خاص ترتیب دینا ہوتی ہے پھر جا کر کے کلام مکمل ہوتا ہے اور کوئی بات سمجھ میں آتی ہے۔ایسے ہی سارے الفاظ، الفاظ ہونے کے لحاظ سے استعمال ہونے اور کیے جانے میں برابر ہیں لہذا کسی ایک لفظ کو دوسرے پر مقدم کرنے کے لیے کسی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

التركيب

قوله: "من المعلوم" خبر مقدم لما بعده من أنه لا يمكن إلخ، وقوله: "دفعة واحدة" مفعول فيه ل"النطق" الذي هو فاعل "لا يمكن". قوله: "في نفسه" حال من النكرة المخصوصة أي شيء منها. قوله: "من حيث هي ألفاظ في درجة الاعتبار" حال من "جميع الألفاظ". قوله: "من داع يوجبه" متعلق لما يتعلق به "من تقديم"، و"يوجبه" صفة ل"داع".

فَمِنَ الدَّوَاعِي التَّشْوِيْقُ إِلَى الْمُتَأَخِّرِ إِذَا كَانَ الْمُتَقَدِّمُ مُشْعِرًا بِغَرَابَةٍ نَحْوُ

وَالَّذِي حَارَتِ الْبَرِيَّةُ فِيْهِ

حَيَوَانٌ مُسْتَحْدَثٌ مِنْ جَمَادٍ

وَتَعْجِيْلُ الْمَسَرَّةِ أَوِ الْمَسَاءَةِ نَحْوُ الْعَفْوُ عَنْكَ صَدَرَ بِهِ الْأَمْرُ أَوِ الْقِصَاصُ حَكَمَ بِهِ الْقَاضِي وَكَوْنُ الْمُتَقَدِّمِ مَحَطَّ الْإِنْكَارِ وَالتَّعَجُّبِ نَحْوُ أَ بَعْدَ طُوْلِ التَّجْرِبَةِ تَنْخَدِعُ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ؟ وَسُلُوْكُ سَبِيْلِ التَّرَقِّيْ أَيِ الْإِتْيَانُ بِالْعَامِّ أَوَّلًا ثُمَّ الْخَاصِّ بَعْدَهُ؛ لِأَنَّ الْعَامَّ إِذَا ذُكِرَ بَعْدَ الْخَاصِّ لَا يَكُوْنُ لَهُ فَائِدَةٌ نَحْوُ هٰذَا الْكَلَامُ صَحِيْحٌ فَصِيْحٌ بَلِيْغٌ فَإِذَا قُلْتَ فَصِيْحٌ بَلِيْغٌ لَا تَحْتَاجُ إِلَى ذِكْرِ صَحِيْحٍ وَإِذَا قُلْتَ بَلِيْغٌ لَا تَحْتَاجُ إِلَى ذِكْرِ صَحِيْحٍ وَلَا فَصِيْحٍ ...

ترجمہ: پس ذکر کے دواعی میں سے متاخر (بعد میں آنے والی) شے کے بارے میں شوق دلانا ہے جبکہ متقدم (پہلے گزری ہوئی) شے میں غرابت ہو، جیسے: جس چیز کے بارے میں ساری مخلوق حیرت زدہ ہے وہ ایسا حیوان ہے جس کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔ اور خوشی یا پریشانی والی بات میں جلدی کرنا، جیسے: تیری معافی کا پروانہ جاری ہو چکا ہے، یا قصاص کا قاضی نے حکم دے دیا ہے۔ اور پہلے آنے والے کلام کا محل انکار اور تعجب بننا، جیسے: کیا اتنے عرصہ کے تجربہ کے باوجود بھی آپ ان بناوٹی باتوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں؟ اور ترقی کی راہ چلنا یعنی پہلے عام لفظ ذکر کرنا پھر اس کے بعد خاص؛ کیونکہ عام کو جب خاص کے بعد ذکر کیا جاتا ہے تو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، جیسے: یہ کلام صحیح، فصیح اور بلیغ ہے۔ پس جب تو فصیح بلیغ بولے گا تو صحیح ذکر کرنے کی تجھے ضرورت نہیں ہو گی اور جب تو بلیغ کہے گا تو تجھے نہ صحیح کہنے کی ضرورت ہو گی اور نہ ہی فصیح۔

تشریح: تقدیم کے مندرجہ ذیل دواعی ہیں:

1. مخاطب کے دل میں امرِ متاخر کا شوق پیدا کرنے کے لیے کسی امر کو مقدم کرنا؛ کیونکہ امر مقدم میں کوئی حیرت انگیز بات موجود ہے، جیسے: "والذي حارت البرية فيه" مبتدا ہے اور اس کو مقدم

کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مخاطب کے دل میں امر متاخر کا شوق پیدا کر رہا ہے کہ وہ ہے کونسی شے جس کی وجہ سے لوگ حیرت میں ہیں۔ پھر یہ حیرت "**حیوان مستحدث من جماد**" کہہ کر دور کی گئی۔

2. امر مقدم میں خوشی یا غمی کا پہلو ہو تو خوشخبری یا بری خبر جلدی سنانے کے لیے تقدیم کرنا، جیسے: "**العفو عنه إلخ**" والی مثال میں "**العفو**" کو مقدم اس لیے کیا کہ تقدیم کی صورت میں خوشخبری جلدی سننے کو مل جائے جبکہ "**القصاص إلخ**" والی مثال میں "**القصاص**" کو مقدم اس لیے کیا تاکہ بری خبری جلدی سننے کو ملے۔
3. کلام کے بعض حصہ کو مخاطب پر تعجب اور انکار کرنے کے لیے مقدم کرنا، جیسے ایک تجربہ کار اور ہوشیار شخص کو کہا جائے: اتنا تجربہ کار اور ہوشیار ہونے کے باوجود تم دھوکہ کھا گئے ہو! اس مثال میں "**بعد طول التجربة**" کو مخاطب پر اظہارِ تعجب اور اظہارِ انکار کے لیے مقدم کیا ہے۔
4. سلوکِ ترقی یعنی پہلے عام ذکر کرنا اور اس کے بعد خاص تاکہ کلام سے فائدہ حاصل ہو، جیسے: "**هذا الكلام صحيح فصيح بليغ**." مثال میں پہلے "**صحيح**" ذکر کیا جو کہ عام ہے پھر "**فصيح**" ذکر کیا جو "**صحيح**" سے خاص ہے اور پھر "**بليغ**" ذکر کیا جو "**فصيح**" سے خاص ہے اور اگر "**بليغ فصيح صحيح**" کہا جاتا تو فائدہ نہ ہوتا؛ کیونکہ جب "**بليغ**" کہہ دیا تو اب بعد والے الفاظ کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ جو کلام بلیغ ہے وہ یقینی طور پر فصیح بھی ہے اور صحیح بھی ہے لیکن اگر کوئی کلام صحیح ہو تو ضروری نہیں کہ وہ فصیح بھی ہو اور بلیغ بھی ہو لہذا صحیح کہنے کے بعد فصیح اور بلیغ کہنا ہو گا تب جا کر کے کلام فائدہ بخش ہو گا۔

التركيب

قوله: "فمن الدواعي" خبر مقدم، و "التشويق إلى المتأخر" مبتدأ مؤخر، ثم الجملة جزاء مقدم لما بعده. قوله: "بغرابة" ظرف ل "مشعرا".

وَمُرَاعَاتُ التَّرْتِيْبِ الْوُجُوْدِيِّ نَحْوُلَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ[59] وَالنَّصُّ عَلَى عُمُوْمِ السَّلْبِ أَوْ سَلْبِ الْعُمُوْمِ فَالْأَوَّلُ يَكُوْنُ بِتَقْدِيْمِ أَدَاةِ الْعُمُوْمِ عَلَى أَدَاةِالنَّفْيِنَحْوُ كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ أَيْ لَمْ يَقَعْ هٰذَا وَلَا ذَاكَ وَالثَّانِيْ يَكُوْنُ بِتَقْدِيْمِ أَدَاةِ النَّفْيِ عَلَى أَدَاةِ الْعُمُوْمِ نَحْوُلَمْ يَكُنْ كُلُّ ذٰلِكَ أَيْ لَمْ يَقَعِ الْمَجْمُوْعُ فَيَحْتَمِلُ ثُبُوْتَ الْبَعْضِ وَيَحْتَمِلُ نَفْيَ كُلِّ فَرْدٍ وَتَقْوِيَةُ الْحُكْمِ إِذَا كَانَ الْخَبَرُفِعْلًا نَحْوُالْهِلَالُ ظَهَرَ وَذٰلِكَ لِتَكْرَارِ الْإِسْنَادِ...

ترجمہ: اور وجودی ترتیب کا لحاظ رکھنا، جیسے: اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند۔ اور عموم سلب یا سلب عموم پر نص کرنا، پہلی صورت میں اَداۃِ عموم کو اَداۃِ نفی پر مقدم کرنا ضروری ہے، جیسے: کچھ بھی واقع نہیں ہوا یعنی نہ ہی یہ واقع ہوا ہے اور نہ ہی وہ۔ اور دوسری صورت میں اَداۃِ نفی کو اَداۃِ عموم پر مقدم کرنا ضروری ہے، جیسے: یہ سب نہیں ہوا یعنی یہ تمام واقع نہیں ہوا پس یہ بعض کے ثبوت کا احتمال رکھتا ہے اور وہ ہر ہر فرد کی نفی کا احتمال رکھتا ہے، اور حکم کو پختہ کرنا جبکہ خبر فعل ہو، جیسے: ہلال ظاہر ہوا، اور یہ اسناد کے تکرار سے ممکن ہے۔

تشریح:

5. ترتیبِ وجودی کی خاطر کلام کے بعض حصہ کو مقدم کرنا یعنی جو چیز وجود (Existance) میں پہلے ہے اس کو پہلے ذکر کرنا اور جو بعد میں ہے اس کو بعد میں، جیسے: "لاتأخذہ سنة ولا نوم." میں "سنة" وجود میں "نوم" سے پہلے ہے اس لیے "سنة" کو "نوم" پر مقدم کیا گیا۔
6. کلام کے بعض حصہ کو اس لیے مقدم کرنا تاکہ عموم السلب یا سلب العموم پر نص (Confirmation) ہو جائے، اگر عموم السلب کا فائدہ لینا ہو تو لفظِ عموم یعنی "کلّ" کو حرفِ نفی یعنی "لم" پر مقدم کرنا ہو گا اور اگر سلب العموم کا فائدہ لینا ہو تو لفظِ "کلّ" کو حرف نفی کے بعد ذکر کرنا ہو گا۔ عموم السلب سے مراد ہر ہر فرد سے حکم کی نفی ہے جبکہ سلب العموم سے مراد بعض افراد سے

[59] سورۃ البقرۃ: الآیة: 255.

حکم کی نفی اور بعض کے لیے حکم کا ثبوت، جیسے: "كلّ ذلك لم يكن." یعنی کچھ بھی واقع نہیں ہوا نہ یہ اور نہ وہ، اس میں عموم السلب ہے یعنی ہر ہر فرد سے وقوع کی نفی ہے اور اس پر دلیل لفظِ عموم یعنی "كلّ" کی حرفِ نفی یعنی "لم" پر تقدیم ہے۔ اور "لم يكن كلّ ذلك." یعنی مجموع مطلب یہ سب واقع نہیں ہوا، اس مثال میں سلب العموم ہے یعنی وقوع کی بعض افراد سے نفی ہے اور دوسرے بعض کے لیے ثبوت ہے، جیسے: بولا جائے "لم يجيء كلّ العلماء." یعنی تمام علما تشریف نہیں لائے مطلب بعض علما تشریف لائے تھے اور بعض نہیں آسکے اور اس پر دلیل حرفِ نفی یعنی "لم" کی لفظِ عموم یعنی "كلّ" پر تقدیم ہے۔

7. حکم کو پختہ کرنے کی خاطر کلام کے بعض حصہ کو مقدم کرنا اور یہ تب ہو گا جب مبتدا کی خبر فعل ہو، جیسے: "الهلال ظهر." یعنی ہلال ظاہر ہوا، اس مثال میں حکم (ظہورِ ہلال) کو مخاطب کے ذہن میں پختہ کرنے کے لیے "الهلال" کو مقدم کیا؛ کیونکہ تکرارِ اسناد تقویتِ حکم کا فائدہ دیتا ہے اور تکرارِ اسناد سے مراد اسناد کا دو بار واقع ہونا ہے، جیسے ذکر کردہ مثال میں اولا فعل (ظهر) کا اسناد ہے فاعل (هو ضمیر) کی طرف پھر مبتدا (الهلال) کی طرف۔

التركيب

قوله: "الوجودي" صفة ل"الترتيب". قوله: "على أداة النفي" متعلق ب"تقديم"، وهكذا قوله: "على أداة العموم". قوله: "تقوية الحكم" أي فمن الدواعي تقوية الحكم جزاء مقدم لشرط مؤخر، وهو إذا كان الخبر فعلا.

وَالتَّخْصِيْصُ نَحْوُ مَا أَنَا قُلْتُ وَإِيَّاكَ نَعْبُدُ[60] وَالْمُحَافَظَةُ عَلَى وَزْنٍ أَوْ سَجْعٍ فَالْأَوَّلُ نَحْوُ

إِذَا نَطَقَ السَّفِيْهُ فَلَا تُجِبْهُ

فَخَيْرٌ مِنْ إِجَابَتِهِ السُّكُوْتُ

وَالثَّانِيْ نَحْوُ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ[61] وَلَمْ يُذْكَرْ لِكُلٍّ مِّنَ التَّقْدِيْمِ وَالتَّأْخِيْرِ دَوَاعٍ خَاصَّةٌ لِأَنَّهُ إِذَا تَقَدَّمَ أَحَدُ رُكْنَيِ الْجُمْلَةِ تَأَخَّرَ الْآخَرُ فَهُمَا مُتَلَازِمَانِ ...

ترجمہ: اور تخصیص ہے، جیسے: میں نے نہیں کہا۔ اور: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور وزنِ شعری یا سجع پر محافظت ہے، پہلی صورت، جیسے: جب بیو قوف بولے تو جواب مت دو؛ کیونکہ جواب دینے سے بہتر خاموشی ہے۔ اور دوسری صورت، جیسے: اسے پکڑو پھر اسے طوق ڈالو پھر اسے بھڑکتی آگ میں داخل کرو پھر ایسی زنجیر میں جکڑ دو جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے۔ اور تقدیم و تاخیر میں سے ہر ایک کے الگ الگ خصوصی دواعی ذکر نہیں کیے گئے؛ کیونکہ جب جملہ کے دو رکنوں میں سے ایک رکن پہلے آگیا تو دوسرا خود بخود مؤخر ہو گیا پس یہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ٹھرے۔

تشریح:

8. حکم کی تخصیص کی خاطر کلام کے بعض حصہ کو بعض پر مقدم کرنا، جیسے: "ما أنا قلت." یعنی میں نے یہ بات نہیں کہی۔ اس میں "أنا" کو "قلت" پر مقدم کیا تخصیص کی خاطر یعنی متکلم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ اور ایسے ہی "إيّاك نعبد." میں "إيّاك" کو "نعبد" پر مقدم کیا تخصیص کی خاطر یعنی ہم سب صرف تیری یعنی اللہ تعالی ہی کی عبادت کرتے ہیں۔

---

[60] سورۃ الفاتحۃ: الآیۃ: 5.

[61] سورۃ الحاقّۃ: الآیات: 30-32.

9. وزنِ شعری کی خاطر کلام کے بعض حصہ کو دوسرے بعض پر مقدم کرنا، جیسے ذکر کردہ شعر میں "فخیر"خبر کو مبتدا یعنی "السکوت" پر مقدم کیا تاکہ شعر کا وزن برقرار رہے۔
10. سجع کی خاطر کلام کے بعض حصہ کو دوسرے بعض پر مقدم کرنا، جیسے آیت میں "الجحیم" اور "في سلسلة ذرعها سبعون ذراعا." دونوں معمولوں کو دونوں فعلوں "صلّوه" اور "فاسلکوه" پر مقدم کیا تاکہ سجع یعنی الفاظ کے آواخر ("ہ" ضمیر منصوب متصل) میں موافقت رہے۔

سوال: مصنف رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے باب، تقدیم و تاخیر کا باندھا جبکہ ذکر صرف تقدیم کے دواعی کیے، تاخیر کے دواعی چھیڑے تک نہیں، کیوں؟

جواب: جو اسباب تقدیم کے ہیں وہی اسباب تاخیر کے بھی ہیں؛ کیونکہ جو سبب جملہ کے ایک رکن کی تقدیم کا تقاضا کر رہا ہے وہی سبب جملہ کے دوسرے رکن کی تاخیر کا تقاضا کر رہا ہے، لہذا تقدیم و تاخیر دونوں کے الگ الگ اسباب ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی، اسی لیے ماتن رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے الگ سے تاخیر کے اسباب ذکر نہیں کیے۔

الترکیب

قوله:"من إجابته" متعلق ب"خير"، وهو خبر مقدم ل"السكوت". قوله:"ذرعها سبعون ذراعا" صفة ل"سلسلة". قوله:"دواع خاصة" نائب الفاعل ل"لم يذكر".

اَلْبَابُ الرَّابِعُ فِي التَّعْرِيفِ وَالتَّنْكِيرِ

إِذَا تَعَلَّقَ الْغَرَضُ بِتَفْهِيمِ الْمُخَاطَبِ ارْتِبَاطَ الْكَلَامِ بِمُعَيَّنٍ فَالْمَقَامُ لِلتَّعْرِيفِ وَإِذَا لَمْ يَتَعَلَّقِ الْغَرَضُ بِذٰلِكَ فَالْمَقَامُ لِلتَّنْكِيرِ وَلِتَفْصِيلِ هٰذَا الْإِجْمَالِ نَقُوْلُ: مِنَ الْمَعْلُوْمِ أَنَّ الْمَعَارِفَ الضَّمِيْرُ وَالْعَلَمُ وَاسْمُ الْإِشَارَةِ وَالْاِسْمُ الْمَوْصُوْلُ وَالْمُحَلَّى بِأَلْ وَالْمُضَافُ لِوَاحِدٍ مِمَّا ذُكِرَ وَالْمُنَادَى...

چوتھا باب تعریف و تنکیر کے بارے میں ہے۔

ترجمہ: جب مقصد مخاطب کو یہ سمجھانا ہو کہ کلام کسی معین شے کے ساتھ مربوط ہے تو یہ مقام تعریف ہو گا اور جب یہ غرض نہ ہو تو یہ مقام تنکیر ہو گا اور اس اجمال کی تفصیل میں ہم کہتے ہیں: یہ جانی ہوئی بات ہے کہ معارف سے مراد ضمیر، علم، اسم اشارہ، اسم موصول، معرف باللام، ذکر کردہ معارف میں سے کسی ایک کی طرف مضاف اسم اور منادی ہے۔

تشریح: علم معانی کے چوتھے باب میں اسبابِ تعریف اور اسبابِ تنکیر کا ذکر ہے یعنی اس باب میں ایسے امور ذکر کیے جائیں گے جو متکلم کو رہنمائی دیں گے کہ کس موقع اور کس جگہ پر کلام کے کس جزو کو معرفہ ذکر کرنا ہے اور کس کو نکرہ۔ بہر حال اسم معرفہ کی سات قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں اسم ضمیر، علم، اسم موصول، معرف باللام، ایسا اسم جو ان ذکر کردہ پانچ اقسام میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو اور اسم منادی۔

قانون: اگر کلام کسی معین چیز کے بارے میں ہو تو کلام اسم معرفہ سے لایا جاتا ہے ورنہ اسم نکرہ سے۔ اس قانون کی مثالوں کے ساتھ تفصیلی وضاحتان شاء اللہ آئندہ آنے والے صفحات میں آئے گی۔

الترکیب

قوله:"بتفهيم المخاطب إلخ" متعلق ب"تعلّق"، و"بمعين" متعلق ب"ارتباط"،وهو مفعول ل"تفهيم". قوله:"فالمقام للتعريف" جزاء لما قبله. قوله:"لتفصيل هذا

الإجمال" ظرف مقدم ل"نقول". قوله:"من المعلوم" خبر مقدم لما بعده من أن المعارف إلخ ثم مقول ل"نقول".

أَمَّا الضَّمِيْرُ فَيُؤْتَى بِهِ لِكَوْنِ الْمَقَامِ لِلتَّكَلُّمِ أَوِ الْخِطَابِ أَوِ الْغَيْبَةِ مَعَ الْاِخْتِصَارِ نَحْوُ أَنَا رَجَوْتُكَ فِيْ هٰذَا الْأَمْرِ وَأَنْتَ وَعَدْتَنِيْ بِإِنْجَازِهِ وَالْأَصْلُ فِي الْخِطَابِ أَنْ يَّكُوْنَ لِمُشَاهَدٍ مُعَيَّنٍ وَقَدْ يُخَاطَبُ غَيْرُ الْمُشَاهَدِ إِذَا كَانَ مُسْتَحْضَرًا فِي الْقَلْبِ نَحْوُ إِيَّاكَ نَعْبُدُ[62] وَغَيْرُ الْمُعَيَّنِ إِذَا قُصِدَ تَعْمِيْمُ الْخِطَابِ لِكُلِّ مَنْ يُمْكِنُ خِطَابُهُ نَحْوُ اللَّئِيْمُ مَنْ إِذَا أَحْسَنْتَ إِلَيْهِ أَسَاءَ إِلَيْكَ ...

ترجمہ: بہر حال ضمیر مقام تکلم، خطاب یا غیبت کا لحاظ رکھتے ہوئے لائی جاتی ہے اختصار کے ساتھ، جیسے: مجھے آپ سے اس معاملہ میں امید تھی اور آپ نے پورا کرنے کا مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ اور خطاب میں اصل یہ ہے کہ خطاب مشاہد معین (Specific Seenable Person or Thing) کے ساتھ ہو اور کبھی کبھار غیر مشاہد سے خطاب کیا جاتا ہے جبکہ وہ دل میں حاضر ہو، جیسے: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھار غیر معین سے خطاب ہوتا ہے جبکہ خطاب عام رکھنا مقصود ہو ہر ایسے فرد کے لیے جس سے خطاب ممکن ہو، جیسے: کمینہ وہ ہے جس سے تو اچھا سلوک کرے اور وہ تیرے ساتھ برا سلوک کرے۔

تشریح:

سوال: تعریف کو تنکیر پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: کیونکہ مسند الیہ میں اصل تعریف ہے اور مسند الیہ کلام کے اجزا میں سے اشرف یعنی زیادہ شرف اور اہمیت والا ہے کہ یہ نہ ہو تو کلام کلام نہ رہے؛ کیونکہ مسند الیہ ذات کی طرح ہے اور مسند وصف کی طرح اور وصف ذات کے ساتھ پایا جاتا ہے، بغیر ذات کے نہیں۔

سوال: اسم ضمیر کو دیگر معارف پر مقدم کیوں کیا؟

---

[62] سورۃ الفاتحۃ: الآیۃ: 5.

جواب: اسم ضمیر اعرف المعارف ہے یعنی اسم ضمیر میں باقی تمام اقسام سے بڑھ کر تعریف پائی جاتی ہے کہ اس کے مصداق اور مراد میں کسی قسم کا کوئی شائبہ (Doubt) اور ابہام (Ambiguity) نہیں ہوتا، اس لیے اس کو باقی پر مقدم کیا۔

سوال: جملہ میں ضمیر لانے کی کب ضرورت پیش آتی ہے؟

جواب: ضمیر موقع و محل کی مناسبت سے لائی جاتی ہے لہٰذا اگر محل تقاضا کرتا ہو ضمیر تکلم کا تو ضمیرِ تکلم لائی جائے، اسی کو مقامِ تکلم کہتے ہیں اور اگر ضمیر خطاب کا تقاضا ہو تو ضمیر خطاب لائی جائے، اسی کو مقامِ خطاب کہتے ہیں اور اگر ضمیرِ غیبت کا تقاضا ہو تو ضمیرِ غیبت لائی جائے، اسی کو مقامِ غیبت کہتے ہیں، جیسے: "أنا رجوتك في هذا الأمر." میں ضمیرِ تکلم (أنا) اور ضمیرِ خطاب (ك) استعمال ہوئی اور "أنت وعدتني بإنجازه." میں ضمیرِ خطاب ("أنتَ" اور "تَ")، ضمیر تکلم (يَ) اور ضمیر غیبت (ہ) لائی گئی۔

سوال: "مع الاختصار" سے کیا مراد ہے؟

جواب: اسم ضمیر استعمال کرنے کی صورت میں کلام مختصر ہو جاتا ہے، جیسے: "أمير المؤمنين يقول كذا." کی جگہ "أنا أقول كذا." کہنا کہ "أنا" مختصر ہے "أمير المؤمنين" سے۔

سوال: ضمیرِ خطاب کے استعمال کے حوالہ سے کیا قانون ہے؟

جواب: ضمیرِ خطاب کے حوالہ سے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اس ضمیر کا مخاطب مشاہد ہو؛ کیونکہ خطاب سے مراد کلام حاضر کی طرف پھیرنا ہے اور حاضر مشاہد ہوتا ہے اور معین فرد ہو؛ کیونکہ معرفہ فردِ معین کے لیے موضوع ہوتا ہے۔

سوال: مشاہد معین سے کیا مراد ہے؟

جواب: مشاہد سے مراد ایسا فرد ہے جسے دیکھا جاسکے اور معین سے مراد ایسا فرد ہے جو خاص ہو۔

فائدہ: بعض اوقات ضمیرِ خطاب کا مخاطب ایسا فرد ہوتا ہے جس کو دیکھا نہیں جاسکتا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ فرد ہمہ وقت دل میں موجود ہو، جیسے: "إيّاك نعبد." میں "إيّاك" کا مخاطب اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو دِکھتی نہیں لیکن ہمہ وقت دل میں حاضر و موجود ہے اور بعض اوقات ضمیرِ خطاب کا مخاطب فرد غیر معین ہوتا ہے تاکہ اس

خطاب کا مخاطب ہر کوئی بن سکے، جیسے: "اللئيم من إذا أحسنت إليهأساء إليك." میں "أحسنت" اور "إليك" کی ضمیرِ خطاب کا مخاطب ہر انسان ہو ہے۔

التركيب

قوله: "مع الاختصار" مفعول فيه ل"كون". قوله: "في الخطاب" صفة ل"الأصل".
قوله: "لكل من يمكن خطابه" متعلق ب"تعميم".

وَأَمَّا الْعَلَمُ فَيُؤْتَى بِهِ لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ فِيْ ذِهْنِ السَّامِعِ بِاسْمِهِ الْخَاصِّ نَحْوُ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيْلُ[63] وَقَدْ يُقْصَدُ بِهِ مَعَ ذٰلِكَ أَغْرَاضٌ أُخْرَى كَالتَّعْظِيْمِ فِيْنَحْوِ رَكِبَ سَيْفُ الدَّوْلَةِ وَالْإِهَانَةِ فِيْ نَحْوِ ذَهَبَ صَخْرٌ وَالْكِنَايَةِ عَنْ مَعْنًى يَصْلَحُ اللَّفْظُ لَهُ فِيْ نَحْوِ تَبَّتْ يَدَآ أَبِيْ لَهَبٍ[64]...

ترجمہ: اور بہر حال علم اس لیے لایا جاتا ہے تاکہ علم کے معنی اس کے خاص اسم کے ساتھ سامع کے ذہن میں حاضر کیے جائیں، جیسے: اور جب ابراہیم اور اسماعیل نے کعبہ کی دیواریں بلند کردیں۔ اور کبھی کبھار علم کے اصلی معنی کے ساتھ ساتھ، دیگر اغراض کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے، جیسے تعظیم: "رکب سیف الدولة." کی مثل میں اور اہانت: "ذهب صخر." کی مثل میں اور علم کو ایسے معنی سے کنایہ کرنا جس کی لفظ صلاحیت رکھتا ہو، جیسے: ابو لہب کے ہاتھ برباد ہوں۔

تشریح: معرفہ کی دوسری قسمعلم کا یہاں ذکر ہے۔ مسند الیہ کو علم کے ساتھ تعبیر کرنے کا مقصد سامع کے ذہن میں شروع ہی سے اس کے مخصوص نام کے ساتھ راسخ (Ingrain) کرنا ہے، جیسے ذکر کردہ مثال میں ابراہیم اور اسماعیل دونوں علم ہیں اور ان پاک ہستیوں کا ذکر انکے مبارک ناموں کے ساتھ اس لیے کیا تاکہ سامع کے ذہن میں راسخ ہو جائیں۔

بعض اوقات علم اپنے اصلی مقصد کے ساتھ ساتھ، دوسری اغراض کے لیے بھی لایا جاتا ہے:۔

1. تعظیم کی خاطر مسند الیہ کو علم کے ساتھ معرفہ لانا، جیسے: "رکب سیف الدولة." یعنی سیف الدولہ سوار ہوا۔ اس میں "سیف الدوله" علم ہے اولا: سامع کے ذہن میں "سیف الدولہ" کی ذات کو مخصوص نام کے ساتھ حاضر کیا گیا اور ثانیا: اس علم میں تعظیم کے معنی بھی پائے جاتے ہیں یعنی ملک کی تلوار۔

---

[63] سورۃ البقرۃ: الآیۃ: 127.

[64] سورۃ اللھب: الآیۃ: 1.

2. اہانت کی خاطر مسند الیہ کوعلم کے ساتھ معرفہ لانا، جیسے: "ذهب صخر." یعنی صخر چلا گیا۔ "صخر" بطور مسند الیہ علم لایا گیا تا کہ "صخر" کی ذات اسم مخصوص کے ساتھ سامع کے ذہن میں راسخ ہو جائے اور ساتھ میں اہانت بھی ہے کہ "صخر" کے معنی چٹان کے ہیں۔

3. مسند الیہ کو علم کے ساتھ معرفہ لا کر ایسے معنی سے کنایہ کرنا جس کی صلاحیت اس میں ہو، جیسے: "تبّت يدا أبي لهب." یعنی ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں، اس میں "أبو لهب" کی ذات کو خاص اسم یعنی "أبو لهب" کے ساتھ سامع کے ذہن میں راسخ کیا گیا ہے اور ساتھ میں یہ علم جہنمی ہونے کے معنی سے کنایہ ہے؛ کیونکہ یہ علم اس معنی کی صلاحیت رکھتا ہے یعنی شعلہ کا باپ۔

التركيب

قوله: "في ذهن السامع" متعلق ل"إحضار"، وأيضاً "باسمه الخاص" متعلق به، و"الخاص" صفة ل"اسمه". قوله: "أغراض أخرى" نائب الفاعل ل"يقصد". قوله: "عن معنى إلخ" متعلق ل"الكناية"، وقوله: "يصلح اللفظ له" صفة ل"معنى".

وَأَمَّا اسْمُ الْإِشَارَةِ فَيُؤْتَى بِهِ إِذَا تَعَيَّنَ طَرِيْقًا لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ كَقَوْلِكَ بِعْنِيْ هٰذَا مُشِيْرًا إِلَى شَيْءٍ لَا تَعْرِفُ لَهُ اسْمًا وَلَا وَصْفًا أَمَّا إِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ طَرِيْقًا لِذٰلِكَ فَيَكُوْنُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى كَإِظْهَارِ الْإِسْتِغْرَابِ نَحْوُ

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ أَعْيَتْ مَذَاهِبُهُ : وَجَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوْقًا

هٰذَا الَّذِيْ تَرَكَ الْأَوْهَامَ حَائِرَةً : وَصَيَّرَ الْعَالِمَ النِحْرِيْرَ زِنْدِيْقًا

وَكَمَالِ الْعِنَايَةِ بِهِ نَحْوُ

هٰذَا الَّذِيْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ : وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

وَبَيَانِ حَالِهِ فِي الْقُرْبِ وَالْبُعْدِ نَحْوُهٰذَا يُوْسُفُ وَذَاكَ أَخُوْهُ وَذٰلِكَ غُلَامُهُ وَالتَّعْظِيْمِ نَحْوُ إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ[65] وَذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ[66] وَالتَّحْقِيْرِ نَحْوُ أَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ[67] وَفَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ[68] ...

ترجمہ: اور بہر حال اسم اشارہ تب لایا جاتا ہے جب یہی ایک طریقہ سامع کے ذہن میں معنی حاضر کرنے کو بچا ہو، جیسے آپ کا کسی ایسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنا جس کا نہ نام پتہ ہو اور نہ ہی کوئی صفت: مجھے یہ چیز بیچ دیں۔ اور جب احضارِ معنی کا یہ طریقہ متعین نہ ہو تو اسم اشارہ دیگر اغراض کے لیے لایا جاتا ہے، جیسے اظہارِ استغراب مثلاً: کتنے ہی عقلمند ایسے ہیں جن کو کسبِ معاش کے طرق نے تھکا دیا اور کتنے ہی جاہل ہیں جن کے پاس تو رزق کی فراوانی دیکھے گا، یہی وہ بات ہے جس نے عقل کو حیرت میں ڈال دیا اور عالم حاذق کو کافر بنا دیا۔ اور اسم اشارہ کے ذریعے کمال درجہ اہتمام کرنا، جیسے: یہ وہ ہیں جن کے قدموں کے نشان ارضِ بطحا پہچانتی

---

[65] سورة بني إسرائيل: الآية: 9.

[66] سورة البقرة: الآية: 2.

[67] سورة الأنبياء: الآية: 36.

[68] سورة الماعون: الآية: 2.

ہے، کعبہ معظمہ، حل و حرم پہچانتے ہیں۔ اور شے کا حال قریب اور بعید ہونے کے لحاظ سے بیان کرنا، جیسے: یہ یوسف ہے اور وہ اس کا بھائی ہے اور وہ اس کا غلام ہے۔ اور تعظیم، جیسے: بلا شبہ یہ قرآن ایسے طریقے کی ہدایت دیتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔ اور: یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اور تحقیر، جیسے: کیا یہ وہی ہے جو تمہارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے؟ اور: یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

تشریح: جب متکلم کسی چیز کے بارے میں کچھ بتانا چاہ رہا ہو اور اس کے ذہن میں اسم اشارہ حسّیہ کے سوا کوئی اور طریقہ بتانے کا نہ ہو یعنی متکلم کو اس چیز کا نہ نام پتہ ہو اور نہ ہی اس کی کوئی صفت تو ایسے موقع پر اسم اشارہ استعمال کرے، جیسے: "**بعنیهذا**." "یعنی یہ چیز مجھے بیچ دیں۔ یہاں جس چیز کو خریدا جارہا ہے اس کا متکلم کو نہ نام پتہ ہے اور نہ ہی اس کی کوئی صفت، لہذا متکلم کے پاس سامع کو بتانے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

اسم اشارہ ذکر کرنے کی مقصودِ اصلی کے علاوہ چند دوسری اغراض بھی ہیں:۔

1. **اظہارِ استغراب:** یعنی اسم اشارہ کے ذریعے کسی شے کے انوکھے اور عجیب ہونے کو ظاہر کرنا، جیسے: "**کم عاقل إلخ**" مثال میں "**هذا**" کے ذریعے مشار الیہ (عقلمند کے محتاج ہونے اور جاہل کے مالدار ہونے) کا استغراب (عجیب و غریب ہونا) ظاہر کیا گیا ہے۔ یاد رہے یہاں اسم اشارہ اپنے اصلی معنی پر نہیں؛ کیونکہ اس کا اصلی معنی محسوس و مبصر (Touchable and Seenable) چیز کی طرف اشارہ کرکے ممتاز کرنا ہے اور اس مثال میں جس کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے وہ کوئی محسوس و مبصر چیز نہیں بلکہ ایک معنی ہے البتہ بعض دفعہ معنی اس قدر واضح اور ظاہر ہوتا ہے کہ محسوس و مبصر کا درجہ لے کر اسم اشارہ کا مشار الیہ بن جاتا ہے۔
2. **کمالِ عنایت:** یعنی اسم اشارہ اس لیے لایا جاتا ہے تاکہ مشار الیہ کو دوسروں سے نمایاں اور ممتاز کیا جاسکے، جیسے: "**هذا الذي تعرف إلخ**" مثال میں اسم اشارہ کے ذریعے مشار الیہ (حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالی عنہ) کو دوسروں سے ممتاز کیا جارہا ہے کہ یہی ایک دوسروں سے جدا شخص ہے جس کے نشانِ قدم تک کو مکہ مکرمہ کی سرزمین، بیت اللہ، حل اور حرم جانتے پہچانتے ہیں۔ اس مثال میں اگرچہ مشار الیہ محسوس و مبصر ہے لیکن احضارِ معنی نہیں؛ کیونکہ مشار الیہ پہلے ہی سے سامع کے ذہن میں حاضر اور موجود ہے لہذا اسم اشارہ اپنے اصلی معنی پر نہیں ہے۔

3. **بیان حاله فی القرب والبعد**:یعنی اسم اشارہ کے ذریعےمشارالیہ کی حالت یعنی قریب اوردور ہونا بیان کرنا، جیسے:"هذا يوسف."مثال میں اسم اشارہ کے ذریعے متکلم نے مشار الیہ یعنی یوسف کااپنے قریب ہونا بیان کیا ہے جبکہ "ذاك أخوه."اور"ذاك غلامه."میں متکلم نے اپنے بھائی اور نوکر کا دور ہونا بیان کیاہے۔ان مثالوں میں بھی اگرچہ مشار الیہ محسوس ومبصر ہے لیکن احضارِ معنی نہیں ؛کیونکہ مشار الیہ پہلے ہی سے سامع کے ذہن میں حاضر اور موجود ہے لہذا یہاں اسمائے اشارات اپنے اصلی معنی پر نہیں ہیں۔

4. **تعظیم یاتحقیر**:یعنی کبھی اسم اشارہ کے ذریعے مشار الیہ کی عظمت یا حقارت بتانا مقصود ہوتی ہے،جیسے:"هذا القرآن"اور"ذلك الكتاب" میں"هذا" اور"ذلك"کے ساتھ قرآن کی عظمت بیان کرنامقصود ہے جبکہ "أهذا الذي يذكر إلخ"میں ابو جہل لعین(خذله الله)نے "هذا"اسم اشارہ کے ذریعے اپنے زعم باطل،خیال کاسد اور عقل فاسد میں معاذ اللہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حقارت کا اظہار کیا ہے۔اسی طرح "فذلك الذي يدعّ اليتيم." میں "ذلك"کے ذریعے کافر کی حقارت بیان ہوئی ہے۔ان مثالوں میں بھی اسمائے اشارات اپنے اصلی معنی پر نہیں ہیں؛کیونکہ احضارِ معنی یہاں پر مقصود نہیں بلکہ مقصود تعظیم یاتحقیر ہے۔

التركيب

قوله:"مشيرا" حال من ضمير الخطاب في "قولك". قوله:"لا تعرف له اسماً ولا وصفاً" صفة ل"شيء". قوله:"أمّا" حرف شرط وتفصيل لا عمل له. قوله:"فيكون لأغراض أخرى" جزاء لما قبله. قوله:"كم عاقل عاقل" فالمميز مع التمييز مفعول مقدم ل"أعيت"، والعاقل الثاني تأكيد للأول. قوله:"تلقاه مرزوقاً" خبر لما قبله أي كم جاهل جاهل، و"مرزوقاً" حال من ضمير المفعول. قوله:"لا ريب فيه" خبر ل"ذلك الكتاب".

وَأَمَّا الْمَوْصُوْلُ فَيُؤْتَى بِهِ إِذَا تَعَيَّنَ طَرِيْقًا لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ كَقَوْلِكَ الَّذِيْ كَانَ مَعَنَا أَمْسِ مُسَافِرٌ إِذَا لَمْ تَكُنْ تَعْرِفُ اسْمَهُ أَمَّا إِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ طَرِيْقًا لِذٰلِكَ فَيَكُوْنُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى كَالتَّعْلِيْلِ نَحْوُ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا[69] وَإِخْفَاءِ الْأَمْرِ عَنْ غَيْرِ الْمُخَاطَبِ نَحْوُ

وَأَخَذْتُ مَا جَادَ الْأَمِيْرُ بِهِ : وَقَضَيْتُ حَاجَاتِيْ كَمَا أَهْوِيْ

وَالتَّنْبِيْهِ عَلَى الْخَطَأِ نَحْوُ

إِنَّ الَّذِيْنَ تَرَوْنَهُمْ إِخْوَانَكُمْ : يَشْفِيْ غَلِيْلَ صُدُوْرِهِمْ أَنْ تُصْرَعُوْا

وَتَفْخِيْمِ شَأْنِ الْمَحْكُوْمِ بِهِ نَحْوُ

إِنَّ الَّذِيْ سَمَكَ السَّمَاءَ بَنَى لَنَا : بَيْتًا دَعَائِمُهُ أَعَزُّ وَأَطْوَلُ

وَالتَّهْوِيْلِ تَعْظِيْمًا وَتَحْقِيْرًا نَحْوُ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ[70] وَنَحْوُ مَنْ لَمْ يَدْرِ حَقِيْقَةَ الْحَالِ قَالَ مَا قَالَ وَالتَّهَكُّمِ نَحْوُ يٰأَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ[71] ...

ترجمہ: اور بہر حال اسم موصول تب لایا جاتا ہے جبکہ احضارِ معنی کا یہی ایک طریقہ بچا ہو، جیسے تیرا قول: وہ جو کل ہمارے ساتھ تھا مسافر ہے جبکہ تجھے اس کا نام پتہ معلوم نہ ہو۔ بہر حال جب احضارِ معنی کا یہی طریقہ متعین نہ ہو تو اسم موصول دوسری اغراض کے لیے آتا ہے، جیسے تعلیل مثلا: بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے فردوس کے باغ ان کی مہمانی ہے۔ اور غیر مخاطب سے معاملہ چھپانا، جیسے: اور میں نے لے لیا جو امیر نے دیا اور میں نے اپنی حاجتیں اپنی خواہش کے مطابق پوری کیں۔ اور خطا پر تنبیہ کرنا، جیسے: بے شک جن کو تم اپنا بھائی سمجھتے ہو ان کے دلوں کے کینہ کو چین تب ہی ملے گا جب تم پچھاڑے جاؤ گے۔ اور محکوم بہ کی شان

---

[69] سورۃ الکہف: الآیۃ: 107.

[70] سورۃ طٰہ: الآیۃ: 78.

[71] سورۃ الحجر: الآیۃ: 6.

بڑھانا، جیسے: بے شک جس نے آسمان بلند کیا اسی نے ہمارے لیے ایک گھر بنایا جس کے ستون بڑی عزت والے اور بڑے لمبے ہیں۔اور خوفزدہ کرنا بطور عظمت وحقارت، جیسے:تو انہیں دریا نے ڈھانپ لیا جیسا ڈھانپا۔اور، جیسے: جس کو اصل بات کا پتہ نہیں تھا اس نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔ اور مذاق اڑانا، جیسے: اے وہ جن پر قرآن اترا بے شک تم مجنون ہو۔

تشریح: اسم موصول کا سہارا تب لیا جاتا ہے جب سوا اس کے، متکلم کے پاس سامع کے ذہن میں بات ڈالنے کی کوئی اور سبیل (Option) نہ بچی ہو، جیسے: "**الذي كان معنا أمس مسافر** ."مثال میں "الذی" اسم موصول لایا گیا؛ کیونکہ متکلم کو نہ تو غائب کا نام پتہ تھا اور نہ ہی اسکی کوئی صفت، لہذا اسم موصول کا آسرا لے کر سامع کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ جو کل ہمارے ساتھ تھا وہ مسافر آدمی ہے۔

بعض اوقات اسم موصول دیگر اغراض کے لیے لایا جاتا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. **تعليل**: یعنی اسم موصول کسی امر کی علت بیان کرنے کے لیے لانا، جیسے مذکورہ آیت میں مسند الیہ اسم موصول ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ جنت میں داخلہ کی علت اور وجہ ایمان اور نیک اعمال ہیں اور اس سے غرض نہیں کہ داخل ہونے والوں کے کیا نام ہیں یا کہاں کے رہنے والے ہیں۔
2. غیر مخاطب سے کوئی بات پوشیدہ رکھنے کے لیے اسم موصول لانا، جیسے عبارت میں ذکر کردہ شعر میں مفعول بہ کو اسم موصول "**ما**" کی صورت میں لایا گیا تا کہ بادشاہ سے ملی جنس خیرات غیر مخاطب سے پوشیدہ رکھی جائے اور صرف مخاطب کو ہی پتہ ہو کہ رقم ملی، سونا، چاندی یا کچھ اور۔
3. مخاطب کو خطا پر تنبیہ کرنے کے لیے اسم موصول لانا، جیسے متن میں مذکور شعر میں مخاطب کو بتایا گیا ہے کہ جن کو تم بھائی سمجھ رہے ہو وہ تمہارے دشمن ہیں، ان کو بھائی سمجھ کر بہت بڑی خطا کر رہے ہو لہذا مخاطب کو خطا پر تنبیہ کرنے کے لیے مسند الیہ کو اسم موصول کے ساتھ تعبیر کیا۔
4. **محکوم به کی تفخیم**: یعنی مسند کی شان بتانے کے لیے مسند کو اسم موصول کے ساتھ تعبیر کرنا، جیسے: "**إنّ الذي سمك السماء إلخ**" میں بنائے کعبہ مسند ہے اور اس کی عظمت کو اسم موصول یعنی "**الذي سمك السماء**" کے ذریعے بیان کیا کہ جس ذات نے آسمان کو بغیر کسی ستون کے بلند فرمایا اس نے کعبہ کو کیسا عالی شان بنایا ہے۔

5. **تهويل**: یعنی مسند الیہ کی ہیبت ظاہر کرنے کے لیے مسند الیہ کی جگہ پر اسم موصول ذکر کرنا برابر ہے ہیبت میں عظمت ہو یا حقارت، جیسے: "**من اليم ما إلخ**" میں "ما" مسند الیہ ہے اور اسم موصول اس لیے لایا تا کہ سمندر کی ہیبت کو بطور عظمت بیان کیا جائے اور "**من لم يدر إلخ**" میں مسند الیہ اسم موصول لایا گیا تا کہ مسند الیہ کے حقیر ہونے کی ہولناکی کو بیان کیا جائے کہ جس آدمی کو حقیقتِ حال کا علم ہی نہ تھا وہ اول فول بک کر چلتا بنا۔
6. **تهكم**: یعنی اسم موصول کے ذریعے مذاق اڑانا، جیسے: "**يا أيّها الذي نزّل إلخ**" میں مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاذ اللہ مذاق اڑانے کے لیے ذاتِ اقدس کو اسم موصول "الذي" سے تعبیر کیا۔

التركيب

قوله: "إذا لم تكن" إذا بمعنى "حين" أو "وقت" مضاف لما بعده. قوله: "نزلا" تمييز ل"جنات الفردوس". قوله: "أن تصرعوا" فاعل ل"يشفي".

وَأَمَّا الْمُحَلَّى بِأَلْ فَيُؤْتَى بِهِ إِذَا كَانَ الْغَرَضُ الْحِكَايَةَ عَنِ الْجِنْسِ نَفْسِهِ نَحْوُ الْإِنْسَانُ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ وَتُسَمَّى أَلْ جِنْسِيَّةً أَوِ الْحِكَايَةَ عَنْ مَعْهُوْدٍ مِنْ أَفْرَادِ الْجِنْسِ وَعَهْدُهُ إِمَّا بِتَقْدِيْمِ ذِكْرِهِ نَحْوُ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ[72] وَإِمَّا بِحُضُوْرِهِ بِذَاتِهِ نَحْوُ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ[73] وَإِمَّا بِمَعْرِفَةِ السَّامِعِ لَهُ نَحْوُ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ[74] وَتُسَمَّى أَلْ عَهْدِيَّةً أَوْ الْحِكَايَةَ عَنْ جَمِيْعِ أَفْرَادِ الْجِنْسِ نَحْوُ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ وَتُسَمَّى أَلْ اسْتِغْرَاقِيَّةً وَقَدْ يُرَادُ بِأَلِ الْإِشَارَةُ إِلَى الْجِنْسِ فِيْ فَرْدٍ مَّا نَحْوُ

وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيْمِ يَسُبُّنِيْ: فَمَضَيْتُ ثَمَّهُ قُلْتُ لَا يَعْنِيْنِيْ

وَإِذَا وَقَعَ الْمُحَلَّى بِأَلْ خَبَرًا أَفَادَ الْقَصْرَ نَحْوُ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ[75]...

ترجمہ: اور بہر حال اسم کو معرف باللام تب لایا جاتا ہے جب مقصد نفس جنس کے بارے میں خبر دینا ہو، جیسے: انسان حیوان ناطق ہے۔ اور اس کو الف لام جنسی کہا جاتا ہے یا جنس کے افراد میں سے کسی معہود فرد کے بارے میں خبر دینا ہو اور وہ فرد معہود تب ہو گا جب اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو، جیسے: ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تو فرعون نے اس رسول کا حکم نہ مانا۔ یا وہ بذات خود موجود ہو، جیسے: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ یا سامع اس کو جانتا ہو، جیسے: جب ان سب نے آپ کی بیعت کی درخت کے نیچے۔ اور اسے الف لام عہدی بولتے ہیں، یا جنس کے تمام افراد کے بارے میں خبر دینا ہو، جیسے: بے شک تمام انسان خسارے میں ہیں۔ اور اسے الف لام استغراقی بولتے ہیں اور کبھی کبھار الف لام کے ذریعے جنس کے کسی غیر مخصوص فرد کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے، جیسے: اور تحقیق میں ایک کمینے آدمی کے پاس سے گزرا مجھے برا بھلا کہہ رہا تھا میں

---

[72] سورۃ المزّمّل: الآیات: 16 15.

[73] سورۃ المائدۃ: الآیۃ: 3.

[74] سورۃ الفتح: الآیۃ: 18.

[75] سورۃ البروج: الآیۃ: 14.

وہاں سے گزر گیا سوچتے ہوئے کہ اس کی مراد میں نہیں ہوں۔ اور جب معرف باللام خبر واقع ہو تو قصر کا فائدہ دیتا ہے، جیسے: وہی بہت بخشنے والا محبت رکھنے والا ہے۔

تشریح: اسم پر الف لام داخل کرنے کے مندرجہ ذیل مقاصد (Goals) ہیں:

1. کسی شے کی جنس کے بارے میں خبر دینا، جیسے: "الإنسان حيوان ناطق." میں انسان پر الف لام داخل کر کے جنس انسانیت کی خبر دی ہے اور ایسے الف لام کو الف لام جنسی کہتے ہیں۔
2. جنس کے کسی متعین فرد کے بارے میں خبر دینا اور یاد رہے کہ فرد کو متعین اور خاص کرنے کے تین طریقے ہیں پہلا طریقہ یہ کہ کلام میں پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہو، جیسے آیت مقدسہ میں "الرسول" معرف باللام ہے اس پر الف لام داخل کر کے جنس رسالت کے متعین فرد کے بارے میں خبر دی جارہی ہے اور اس کا ذکر اسی آیت کے پہلے حصہ میں "رسولا" سے ہو چکا، لہذا اس آیت میں خبر دی جارہی ہے کہ جس رسول کو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا فرعون نے اسی کی نافرمانی کی ہے۔ دوسرا طریقہ یہ کہ جس پر الف لام داخل کیا جا رہا ہے وہ بذاتِ خود موقع پر موجود ہو، جیسے آیت میں "اليوم" پر الف لام داخل ہے اور وہ دن بذات خود موجود اور متعین ہے یعنی ہجرت کے دسویں سال کا یوم عرفہ جو کہ جمعہ کا دن تھا۔ تیسرا طریقہ یہ کہ جس پر الف لام داخل کیا جارہا ہے سامع پہلے ہی سے اسے جانتا ہے، جیسے آیت میں "الشجرة" اسم ہے اس پر الف لام داخل کیا گیا ہے اور اس درخت سے کونسا درخت مراد ہے سامعین اور مخاطبین کو پہلے ہی سے اس کی خبر تھی یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سامعین اور مخاطبین ہیں اور انہوں نے خود ایک درخت کے نیچے بیعت کی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر جو کہ کیکر کا درخت تھا لہذا اب کسی اور درخت کے خیال کی گنجائش نہیں رہی۔ ان تینوں قسموں کے الف لام کو الف لام عہدی کہتے ہیں۔
3. کسی جنس کے تمام افراد کے بارے میں خبر دینا، جیسے: "إن الإنسان لفي خسر." میں انسان پر الف لام داخل کر کے جنس انسان کے تمام افراد پر خسارے کا حکم لگایا گیا ہے اور ایسے الف لام کو الف لام استغراقی کہا جاتا ہے۔

4. جنس کے کسی غیر معین فرد کے بارے میں خبر دینا، جیسے شعر میں "اللئیم" پر الف لام داخل کرکے جنس لئیم کا کوئی خاص فرد مراد نہیں لیا گیا۔

قاعدہ: معرف باللام جب خبر واقع ہو تو جنس مسند کا مسند الیہ پر حصر کا فائدہ ہوتا ہے، جیسے: "**وهو الغفور الودود.**" میں "**الغفور**" اور "**الودود**" پر الف لام داخل ہے اور یہ دونوں مسند ہیں اور الف لام کی بدولت جنس غفران اور جنس مودّت کا ذاتِ باری تعالی پر حصر مستفاد ہے یعنی بہت بخشنے اور بہت محبت رکھنے والی ذات صرف اللہ تعالی ہی کی ہے نہ کہ کسی اور کی۔

التركيب

قوله:"الحكاية عن الجنس نفسه" خبر ل"كان"، و"نفسه" تأكيد ل"الجنس"، و"الحكاية عن معهود من أفراد الجنس" و"الحكاية عن جميع أفراد الجنس" عطفاً على "الحكاية عن الجنس نفسه". قوله:"بتقديم ذكره وبحضوره بذاته وبمعرفة السامع له" خبر ل"عهده"، و"بذاته" حال من الضمير المجرور في "بحضوره". قوله:"فرد ما" فما صفة لفرد. قوله:"يسبّني" حال من "اللئيم".

وَأَمَّا الْمُضَافُ لِمَعْرِفَةٍ فَيُؤْتَى بِهِ إِذَا تَعَيَّنَ طَرِيْقًا لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ أَيْضًا كَكِتَابِ سِيْبَوَيْهِ وَسَفِيْنَةِ نُوْحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَّا إِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ لِذٰلِكَ فَيَكُوْنُ لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى كَتَعَذُّرِ التَّعْدَادِ أَوْ تَعَسُّرِهِ نَحْوُ أَجْمَعَ أَهْلُ الْحَقِّ عَلَى كَذَا وَأَهْلُ الْبَلَدِ كِرَامٌ وَالْخُرُوْجِ مِنْ تَبْعَةِ تَقْدِيْمِ الْبَعْضِ عَلَى الْبَعْضِ نَحْوُ حَضَرَ أُمَرَاءُ الْجُنْدِ وَالتَّعْظِيْمِ لِلْمُضَافِ نَحْوُ كِتَابُ السُّلْطَانِ حَضَرَ أَوِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ نَحْوُ هٰذَا خَادِمِيْ أَوْ غَيْرِهِمَا نَحْوُ أَخُوْ الْوَزِيْرِ عِنْدِيْ وَالتَّحْقِيْرِ لِلْمُضَافِ نَحْوُ هٰذَا ابْنُ اللِّصِّ أَوِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ نَحْوُ اللِّصُّ رَفِيْقُ هٰذَا وَغَيْرِهِمَا نَحْوُ أَخُوْ اللِّصِّ عِنْدَ عَمْرٍو وَالْإِخْتِصَارِ لِضَيْقِ الْمَقَامِ نَحْوُ

"هَوَايَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِيْنَ مُصْعِدُ : جَنِيْبٌ وَجُثْمَانِيْ بِمَكَّةَ مُوْثَقُ"

بَدْلَ أَنْ يُقَالَ: الَّذِيْ أَهْوَاهُ...

ترجمہ: اور بہر حال معرفہ کی طرف مضاف اسم تب لایا جاتا ہے جب معنیٰ کو حاضر کرنے کا یہی ایک طریقہ بچا ہو، جیسے: "سیبویہ کی کتاب" اور "حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی"۔ بہر حال جب معنیٰ کو حاضر کرنے کا یہ طریقہ متعین نہ ہو تو یہ دوسری اغراض کے لیے آتا ہے، جیسے شمار محال ہو یا مشکل، جیسے: تمام اہلیانِ حق کا اس پر اجماع ہے۔ اور تمام اہلیان شہر کریم ہیں۔ اور بعض کو بعض پر مقدم کرنے کی کوفت سے بچنا، جیسے: فوج کے تمام سربراہان حاضر ہوئے ۔ اور مضاف کو تعظیم دینا، جیسے: بادشاہ کا خط تشریف لایا۔ یا مضاف الیہ کو تعظیم دینا، جیسے: یہ میرا خادم ہے۔ یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور کو تعظیم دینا، جیسے: وزیر کا بھائی میرے پاس ہے۔ اور مضاف کی تحقیر کرنا، جیسے: یہ چور کا بیٹا ہے۔ یا مضاف الیہ کی تحقیر کرنا، جیسے: چور اس کا دوست ہے۔ اور ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی تحقیر کرنا، جیسے: چور کا بھائی عمرو کے پاس ہے۔ اور موقع و محل کی تنگی کے پیش نظر اختصار کرنا، جیسے: میری محبوبہ یمنی گھوڑ سواروں کے ساتھ اوپر چڑھ رہی ہے جبکہ میرا جسم مکہ میں بندھا ہوا ہے۔ "الذي أهواه" کی جگہ پر۔

تشریح: نکرہ کو معرفہ کی طرف مضاف کرنے کی ضرورت تب پیش آتی ہے جب سامع کے ذہن میں بات ڈالنے کا متکلم کے ہاں یہی ایک طریقہ بچا ہو، جیسے: "**كتاب سيبويه**" میں "كتاب" اسم نکرہ کی اضافت "سيبويه" معرفہ کی طرف ہے۔ اگر اضافت نہ ہوتی اور صرف "كتاب" کہہ دیا جاتا تو کوئی بھی کتاب مراد لی جا سکتی تھی جبکہ مقصود امام سیبویہ کی کتاب ہے۔ ایسے ہی حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی سامع کے ذہن میں ڈالنے کے لیے "**سفينة نوح**" کہا ورنہ اضافت کے بغیر "**سفينة**" سے کوئی بھی کشتی مراد ہو سکتی تھی۔

بعض اوقات اضافت کے ذریعے دیگر مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں:۔

1. تعداد شمار کرنا ناممکن ہو یا مشکل، اس پریشانی کو حل کرنے کے لیے اضافت لانا، جیسے: "**أجمع أهل الحق على كذا.**" اور "**أهل البلد كرام.**" مثالوں میں حق پرستوں کا شمار ناممکن تھا اور شہر کے باشندوں کا شمار مشکل تھا لہذا اضافت کے ذریعے اس پریشانی کو حل کیا گیا۔
2. چیزوں کو مقدم اور مؤخر کرنے کی کوفت یا اس کے وہم سے بچنے کے لیے اضافت کا سہارہ لینا، جیسے: "**حضر أمراء الجند.**" میں اگر امیروں (Policy Makers) کا ایک ایک کر کے نام لیا جاتا تو تقدیم و تاخیر کی پریشانی تھی یا بعض کا بعض پر مقدم ہونے اور بعض کا بعض سے مؤخر ہونے کا وہم تھا یعنی اگر بکر و زید کہہ دیا جاتا تو وہم ہوتا تھا کہ بکر رتبہ میں زید سے مقدم ہے اور زید بکر سے مؤخر ہے، لہذا اس پریشانی اور وہم سے بچنے کے لیے اضافت کا سہارا لیا۔
3. مضاف، مضاف الیہ یا ان کے علاوہ کسی اور کی تعظیم کے لیے اضافت کرنا، جیسے: "**كتاب السلطان حضر.**"، "**هذا خادمي.**" اور "**أخو الوزير عندي.**" پہلی مثال میں مضاف (كتاب) کی تعظیم ہے؛ کیونکہ ظاہر ہے جو خط بادشاہ کی طرف سے آئے، وہ قابلِ تعظیم ہے اور دوسری مثال میں مضاف الیہ ("ي" **ضمیر تکلم**) کی تعظیم ہے؛ کیونکہ نوکر چاکر عظیم لوگوں کے ہاں ہوتے ہیں جبکہ تیسری مثال میں متکلم کی تعظیم ہے جو عندیّت کے ذریعے خبر دینے سے حاصل ہوئی؛ کیونکہ جس آدمی کے پاس حکومتی لوگ یا حکومتی لوگوں کے متعلقین آئیں وہ آدمی یقینا لوگوں میں قابلِ تعظیم ہوتا ہے بہر حال اس مثال میں ضمیر تکلم مضاف اور مضاف الیہ یعنی "**أخو الوزير.**" دونوں کا غیر ہے۔
4. مضاف، مضاف الیہ یا ان کے علاوہ کسی اور کی تحقیر کے لیے اضافت کرنا، جیسے: "**هذا ابن اللص.**"، "**اللص رفيق هذا.**" اور "**أخو اللص عند عمرو.**" پہلی مثال میں مضاف (ابن)

کی تحقیر ہے؛ کیونکہ چور کے خاندان کو بھی معاشرہ میں حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور دوسری مثال میں مضاف الیہ (هذا) کی تحقیر ہے؛ کیونکہ چور کی طرح چور کے دوست کو بھی حقیر سمجھا جاتا ہے جبکہ تیسری مثال میں متکلم (ي) کی تحقیر ہے کہ جس کے پاس چور یا چور کا خاندان ٹھرے وہ بھی معاشرہ کی نگاہ میں چور نہیں تو کم از کم چور کا سہولت کار سمجھا جاتا ہے۔ بہرحال اس مثال میں "عمرو" مضاف اور مضاف الیہ یعنی "أخو اللص" دونوں کا غیر ہے۔

5. موقع ومحل کی تنگی کی وجہ سے اضافت کرنا، جیسے: "هواي" میں "هوى" کی اضافت یائے متکلم کی طرف ہے اور یہ "الذي أهواه" سے مختصر ہے؛ کیونکہ شعروشاعری کا محل تقاضا کرتا ہے کہ کلام مختصر ہو طویل نہ ہو۔

التركيب

قوله: "من تبعة تقديم البعض على البعض" متعلق ب"الخروج". وهو عطف على "تعذر". قوله: "لضيق المقام" متعلق ب"الاختصار". وهو عطف على "التحقير" الذي هو معطوف على "التعظيم".

وَأَمَّا الْمُنَادَى فَيُؤْتَى بِهِ إِذَا لَمْ يُعْرَفْ لِلْمُخَاطَبِ عُنْوَانٌ خَاصٌّ نَحْوُ يَا رَجُلُ وَيَا فَتَى وَقَدْ يُؤْتَى بِهِ لِلْإِشَارَةِ إِلَى عِلَّةِ مَا يُطْلَبُ مِنْهُ نَحْوُ يَا غُلَامُ أَحْضِرِ الطَّعَامَ وَيَا خَادِمُ أَسْرِجِ الْفَرَسَ أَوْ لِغَرَضٍ يُمْكِنُ اعْتِبَارُهُ هَاهُنَا مِمَّا ذُكِرَ فِي النِّدَاءِ...

ترجمہ: اور بہر حال منادی تب لایا جاتا ہے جب مخاطب کا کوئی خاص عنوان معلوم نہ ہو، جیسے: اے مرد! اور اے جوان! اور کبھی کبھار منادی کے ذریعے اشارہ کیا جاتا ہے اس کام کی علت کی طرف جس کا منادی سے مطالبہ ہے، جیسے: اے خادم! کھانا لے کر آؤ۔ اور اے خادم! گھوڑے پر زین لگا دو۔ یا بابِ ندا میں ذکر کردہ اغراض میں سے کسی غرض کی طرف جس کا یہاں لحاظ رکھنا ممکن ہو۔

تشریح: منادی تب لایا جاتا ہے جبکہ متکلم کو مخاطب (منادی) کے بارے میں کچھ پتہ نہ ہو، جیسے: "یا رجل." اور "یا فتی." "میں "رجل" اور "فتی" بولا گیا؛ کیونکہ متکلم کو منادی کا نام، لقب اور صلہ میں سے کچھ پتہ نہیں تھا؛ کیونکہ منادی متکلم کے لیے اجنبی شخص تھا۔

بسا اوقات منادی ذکر کر کے ندا کی وجہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، جیسے: "یا غلام أحضر الطعام." اور "یا خادم أسرج الفرس." ان مثالوں میں طعام کے احضار اور فرس کے اسراج کا خادم سے مطالبہ کیا گیا اور اس کی وجہ منادی میں موجود ہے اور وہ خادمیت ہے۔

منادی ذکر کرنے کی دیگر اور بھی اغراض ہیں جو انشاء کی بحث اور ندا کے باب میں گزر چکی ہیں۔

التركيب

قوله: "عنوان خاص" نائب الفاعل ل" لم يعرف". قوله: "علة" مضاف لما بعده. قوله: "لغرض" موصوف لما بعده ومعطوف على "للإشارة"، و"هاهنا" مفعول فيه ل"يمكن"، و"مما ذكر في النداء" متعلق ب"يمكن".

وَأَمَّا النَّكِرَةُ فَيُؤْتَى بِهَا إِذَا لَمْ يُعْلَمْ لِلْمَحْكِيِّ عَنْهُ جِهَةُ تَعْرِيفٍ كَقَوْلِكَ: "جَاءَهَاهُنَا رَجُلٌ" إِذَا لَمْ يُعْرَفْ مَا يُعَيِّنُهُ مِنْ عَلَمٍ أَوْ صِلَةٍ أَوْ نَحْوِهِمَا وَقَدْ يُؤْتَى بِهَا لِأَغْرَاضٍ أُخْرَى كَالتَّكْثِيرِ وَالتَّقْلِيلِ نَحْوُ لِفُلَانٍ مَالٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ[76] أَيْ مَالٌ كَثِيرٌ وَرِضْوَانٌ قَلِيلٌ وَالتَّعْظِيمِ وَالتَّحْقِيرِ نَحْوُ

لَهُ حَاجِبٌ عَنْ كُلِّ أَمْرٍ يَشِينُهُ : وَلَيْسَ لَهُ عَنْ طَالِبِ الْعُرْفِ حَاجِبٌ

وَالْعُمُوْمِ بَعْدَ النَّفْيِ نَحْوُ مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ[77] فَإِنَّ النَّكِرَةَ فِيْ سِيَاقِ النَّفْيِ تَعُمُّ وَقَصْدِ فَرْدٍ مُّعَيَّنٍ أَوْ نَوْعٍ كَذٰلِكَ نَحْوُ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ[78] وَإِخْفَاءِ الْأَمْرِ نَحْوُ قَالَ رَجُلٌ إِنَّكَ انْحَرَفْتَ عَنِ الصَّوَابِ تُخْفِيْ اسْمَهُ حَتَّى لَا يَلْحَقَهُ أَذًى ...

ترجمہ: اور بہر حال اسم نکرہ تب لایا جاتا ہے جب محکی عنہ کی تعریف کسی بھی جہت سے معلوم نہ ہو، جیسے تیرا قول: یہاں ایک آدمی آیا تھا۔ جب تعیین کی جہت معلوم نہ ہو علم یا صلہ یا ان دونوں کی مثل سے۔ اور کبھی کبھار اسم نکرہ دوسری اغراض کے لیے لایا جاتا ہے، جیسے تکثیر اور تقلیل مثلا: فلاں آدمی کے پاس بہت مال ہے۔ "اور:" اللہ کی قلیل رضا تمام نعمتوں سے بڑی چیز ہے۔ یعنی کثیر مال اور تھوڑی رضا، اور تعظیم اور تحقیر، جیسے: ممدوح کو معیوب بنانے والے ہر امر سے روکنی والی عظیم شے ہے اور اسے نیک کام سے روکنے والی کوئی بھی حقیر شے نہیں۔ اور نفی کے بعد عموم، جیسے: ہمارے پاس کوئی خوشخبری سنانے والا نہیں آیا۔ کیونکہ نکرہ نفی کے سیاق میں عام ہوتا ہے اور خاص فرد یا خاص نوع کا قصد کرنا، جیسے: اور اللہ نے زمین پر چلنے والے ہر جانور کو نطفہ سے پیدا فرمایا۔ اور کسی بات کو پوشیدہ رکھنا، جیسے: ایک آدمی نے کہا کہ تو نے حق سے انحراف کیا۔ پس تو اس کا نام پوشیدہ رکھے تا کہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

---

[76] سورۃ التوبۃ: الآیۃ: 72.

[77] سورۃ المائدۃ: الآیۃ: 19.

[78] سورۃ النور: الآیۃ: 45.

تشریح: محکی عنہ یعنی جس کے بارے میں خبر دی جارہی ہے اگر متکلم کو اس کے بارے میں کسی بھی قسم کی معلومات نہ ہو، نہ اس کا نام معلوم ہو اور نہ ہی صلہ تو محکی عنہ کو نکرہ ذکر کیا جاتا ہے، جیسے متکلم کے پاس کوئی اجنبی آدمی آئے جس کا متکلم کو نہ نام معلومہو اور نہ ہی صلہ تو متکلم یوں کہے گا:"جاء رجل هاهنا." اور اگر متکلم کو نام معلوم ہو تو"جاء زيد." کہے گا اور اگر صلہ معلوم ہو تو"الذي جاء هنا أمس عالم." کہے گا۔

بعض اوقات اسم نکرہ دوسری اغراض کے لیے لایا جاتا ہے:

1. **تقلیل وتکثیر:** قلت یا کثرت کا اظہار کرنے کے لیے، جیسے:"لفلان مال."میں"مال"اسم نکرہ ہے اور اس پر تنوین کثرت کا اظہار کرنے کے لیے ہے یعنی فلان کے پاس کثیر مال ہے۔اور"ورضوان من الله أكبر."میں"رضوان"اسم نکرہ ہے اور اس پر تنوین اظہارِ قلت کے لیے ہے یعنی اللہ تعالی کی تھوڑی رضا بھی تمام نعمتوں سے بڑی ہے۔
2. **تعظیم وتحقیر:** عظمت یا حقارت کے اظہار کے لیے، جیسے:"له حاجب إلخ"میں پہلا اور دوسرا"حاجب"دونوں اسم نکرہ ہیں لیکن پہلے"حاجب"پر تنوین اظہارِ عظمت کے لیے ہے مطلب جو بری شے سے روکنے والا ہو وہ عظیم ہوتا ہے اور دوسرے"حاجب"پر تنوین اظہارِ حقارت کے لیے ہے یعنی جو نیکی اور احسان سے روکنے والا ہو وہ یقینا حقیر ہوتا ہے۔
3. **عموم بعد النفی:** اسم نکرہ جب نفی کے تحت واقع ہو تو نکرہ میں عمومیت پیدا ہوجاتی ہے، جیسے:"ما جاءنا من بشير."میں"بشير"اسم نکرہ ہے جو"ما"نافیہ کے تحت واقع ہوا ہے اور عمومیت کا فائدہ دے رہا ہے یعنی ہمارے پاس کوئی بھی خوشخبری سنانے والا نہیں آیا۔یہاں "بشير"کے ہر فرد کی نفی ہے۔
4. فرد معین یا نوع معین مراد لینی ہو تو اسم نکرہ لایا جاتا ہے۔یاد رہے اسم نکرہ سے جس طرح وحدتِ شخصی مراد لی جاتی ہے ایسے ہی وحدتِ نوعی بھی مراد لی جاتی ہے بہر حال وحدتِ شخصی سے مراد منکّر جنس سے فرد معین اور شخص معین مراد ہو اور وحدتِ نوعی سے مراد منکّر جنس کی انواع میں سے معین اور خاص نوع مراد ہو، جیسے:"والله خلق كل دابّة من ماء."میں"دابّة"اور"ماء" دونوں اسم نکرہ ہیں اور دونوں میں وحدتِ شخصی اور وحدتِ نوعی موجود ہے۔وحدتِ شخصی کی صورت

میں مطلب ہو گا کہ اللہ تعالی نے زمین پر چلنے والے ہر جاندار (فرد معین) کو "ماء" کے فرد خاص سے پیدا کیا یعنی باپ کے نطفہ سے۔ اور اگر دونوں سے وحدت نوعی مراد لی جائے تو مطلب ہو گا کہ اللہ تعالی نے زمین پر چلنے والے جانوروں کی انواع میں سے ہر ہر نوعِ معین کو انواعِ ماء کی معین نوع (نطفہ) سے پیدا کیا۔

5. سننے والوں کی ایذا سے بچانے کے لیے اسم نکرہ ذکر کرنا، جیسے کوئی بڑا آدمی اپنے عقیدت مندوں کے سامنے کہے: "قال رجل إنك انخرفت عن الصواب." یعنی ایک آدمی نے ہمیں کہا کہ آپ نے حق بات نہیں کی۔ اور ظاہر ہے اگر بڑا آدمی اپنے چاہنے والوں کے سامنے قائل کا نام لیتا، مثلا: زید کہہ دیتا تو یقینا عقیدت مند زید کو نقصان پہنچاتے لہذا متکلم نے قائل کو سامعین کی ایذا سے بچانے کے لیے اسم نکرہ (رجل) ذکر کیا۔

التركيب

قوله: "ما يعينه من علم أو صلة أو نحوهما" فالموصول مع الصلة نائب الفاعل ل"لم يعرف"، وقوله: "من علم أو صلة أو نحوهما" متعلق ب"يعيّنه". قوله: "عن كل أمر" متعلق ب"حاجب"، وهو صفة ل"شيء" مقدر، وهو مبتدأ مؤخّر، و"يشينه" صفة ل"كل أمر".

اَلْبَابُ الْخَامِسُ فِي الْإِطْلَاقِ وَالتَّقْيِيْدِ

إِذَا اقْتُصِرَ فِي الْجُمْلَةِ عَلَى ذِكْرِ الْمُسْنَدِ وَالْمُسْنَدِ إِلَيْهِ فَالْحُكْمُ مُطْلَقٌ وَإِذَا زِيْدَ عَلَيْهِمَا شَيْءٌ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِهِمَا أَوْ بِأَحَدِهِمَا فَالْحُكْمُ مُقَيَّدٌ وَالْإِطْلَاقُ يَكُوْنُ حَيْثُ لَا يَتَعَلَّقُ الْغَرَضُ بِتَقْيِيْدِ الْحُكْمِ بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوْهِ لِيَذْهَبَ السَّامِعُ فِيْهِ كُلَّ مَذْهَبٍ مُمْكِنٍ وَالتَّقْيِيْدُ حَيْثُ يَتَعَلَّقُ الْغَرَضُ بِتَقْيِيْدِهِ بِوَجْهٍ مَخْصُوْصٍ لَوْ لَمْ يُرَاعَ تَفُوْتُ الْفَائِدَةُ الْمَطْلُوْبَةُ وَلِتَفْصِيْلِ هٰذَا الْإِجْمَالِ نَقُوْلُ: إِنَّ التَّقْيِيْدَ يَكُوْنُ بِالْمَفَاعِيْلِ وَنَحْوِهَا وَالنَّوَاسِخِ وَالشَّرْطِ وَالنَّفْيِ وَالتَّوَابِعِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ...

پانچواں باب اطلاق اور تقیید کے بارے میں ہے۔

ترجمہ: جملہ میں جب مسند اور مسند الیہ پر اکتفا ہو تو حکم مطلق ہو گا اور جب ان دونوں کے یا دونوں میں سے کسی ایک کے متعلق کا اضافہ ہو تو حکم مقید ہو گا اور اطلاق کا لحاظ تب ہوتا ہے جب حکم کی تقیید کسی لحاظ سے مقصود نہ ہو تا کہ سامع اپنے ممکنہ مطلب کا اعتبار کر لے اور تقیید تب ہوتی ہے جب حکم کسی خاص شے کے ساتھ مقید کرنا مقصود ہو کہ اگر اس خاص شے کا لحاظ نہ کیا جائے تو مقصود فوت ہو جائے اور اس اجمال کی تفصیل میں ہم کہیں گے کہ تقیید مفاعیل اور ان کی مثل، نواسخ جملہ، شرط، نفی اور توابع وغیرہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

تشریح: حقیقت میں جملہ کے دو اجزا ہوتے ہیں:۔ مسند اور مسند الیہ، جیسے: "زید یشرب." یعنی زید پیتا ہے۔ اس مثال میں شرب کا حکم مطلق ہے کسی قسم کی اس میں قید نہیں کہ پانی پیا ہے یا ملک شیک یا پھر چائے وغیرہ اور ایسے ہی کس جگہ پی ہے یا کس وقت پی ہے یا پھر کیسے پی ہے، الغرض کوئی قید نہیں اور اگر مسند اور مسند الیہ کے متعلقات مذکور ہوں تو جملہ کا حکم مقید ہو جائے گا، جیسے: "زید یشرب الماء." یعنی زید پانی پیتا ہے۔ اس مثال میں مسند کا متعلق "الماء" ذکر کیا تو حکم مقید ہو گیا لہٰذا جوس، ملک شیک اور چائے کا تصور سرے سے ختم ہو گیا اور جب "زید یشرب الماء قاعدا." یعنی زید بیٹھ کر پانی پیتا ہے۔ اس مثال میں مسند الیہ کا متعلق "قاعدا" ذکر کیا گیا لہٰذا کھڑے ہو کر پینے کا خیال ختم ہو گیا۔

حکم کو مطلق رکھنے کا فائدہ یہ ہے کہ سامع اپنے مقصد کے مطابق مثال ڈھال سکتا ہے، جیسے: "یشرب" کہا جائے تو سامع یہاں اپنی آسانی کے مطابق کوئی بھی مشروب (مفعول بہ) مراد لے سکتا ہے، جیسے: پانی، چائے، جوس یا پھر ملک شیک اور اگر "يشرب الماء" کہہ دیا جاتا تو اب پانی کے سوا دوسرا کوئی مشروب مراد نہیں لیا جا سکتا تھا۔

حکم مقید اس لیے کیا جاتا ہے کہ اگر مقید نہ ہو تو جملے کا جو مقصد ہے وہ فوت ہو جائے گا، جیسے آپ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے پانی پیا تو آپ کو کہنا ہو گا: "أنا شربت الماء." ۔اگر "الماء" ذکر نہ کیا جاتا تو آپ کا مقصد فوت ہو جاتا؛ کیونکہ آپ خبر ہی یہ دینا چاہ رہے ہیں کہ آپنے پانی پیا تھااور اگر آپ "الماء" ذکر نہ کرتے تو سامع کی نظر میں آپ کا مشروب کوئی بھی ہو سکتا تھا۔ اگر جملہ مقید کرنا ہو تو مفاعیل خمسہ، حال، تمییز، مستثنٰی، نواسخ جملہ، شرط، نفی اور توابع وغیرہ کے ذریعے مقید ہو سکتا ہے، تفصیل ان شاء اللہ اگلے صفحات میں آئے گی۔

التركيب

قوله: "اقتصر" فالضمير المستتر الراجع إلى الاقتصار نائب فاعله، وقوله: "فالحكم مطلق" جزاء ل"اقتصر". قوله: "حيث" مضاف إلى "لا يتعلق الغرض" مفعول فيه ل"يكون". قوله: "لو لم يراع" شرط لما بعده من "تفوت الفائدة المطلوبة". قوله: "لتفصيل هذا الإجمال" متعلق ب"نقول".

أَمَّا الْمَفَاعِيْلُ وَنَحْوُهَا فَالتَّقْيِيْدُ بِهَا يَكُوْنُ لِبَيَانِ نَوْعِ الْفِعْلِ أَوْ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ أَوْ فِيْهِ أَوْ لِأَجْلِهِ أَوْ بِمُقَارَنَتِهِ أَوْ بَيَانِ الْمُبْهَمِ مِنَ الْهَيْئَةِ وَالذَّاتِ أَوْ بَيَانِ عَدَمِ شُمُوْلِ الْحُكْمِ وَتَكُوْنُ الْقُيُوْدُ مَحَطَّ الْفَائِدَةِ وَالْكَلَامُ بِدُوْنِهَا كَاذِبًا أَوْ غَيْرَ مَقْصُوْدٍ بِالذَّاتِ نَحْوُ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ[79]...

ترجمہ: بہر حال مفاعیل اور ان کی مثل کے ساتھ تقیید، فعل کی نوعیت بیان کرنے کے لیے ہوتی ہے یا جس پر فعل واقع ہوا اس کو بیان کرنے کے لیے ہوتی ہے یا جس میں فعل واقع ہوا اس کو بیان کرنے کے لیے ہوتی ہے یا جس کی وجہ سے فعل واقع ہوا اس کو بیان کرنے کے لیے ہوتی ہے یا جس کے ساتھ فعل کی مقارنت ہے اس کو بیان کرنے کے لیے ہوتی ہے یا باعتبار ہیئت اور ذات، مبہم کو بیان کرنے کے لیے ہوتی ہے یا حکم کی عدمِ شمولیت بیان کرنے کے لیے ہوتی ہے اور قیود، محل فائدہ بنتی ہیں اور کلام ان قیود کے بغیر یا تو جھوٹ ہوتا ہے یا پھر بے مقصد رہ جاتا ہے، جیسے: اور ہم نے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر پیدا نہیں فرمایا۔

تشریح: عام طور پر فعل کو مفاعیل خمسہ، حال، تمیز اور استثنا کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے اور یہ تقیید یقیناً بغیر کسی وجہ کے نہیں ہوتی؛ کیونکہ ہر قید کا کوئی خاص فائدہ یا مقصد ہوتا ہے پس اگر فعل کی نوعیت بیان کرنا مقصود ہو تو فعل مفعول مطلق کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے، جیسے: "جلست جلسة أستاذي." یعنی میں اپنے استاد کے بیٹھنے کی طرح بیٹھا اور اگر یہ بیان کرنا مقصود ہو کہ کس پر فعل واقع ہوا ہے تو مفعول بہ کے ذریعے فعل کو مقید کیا جاتا ہے، جیسے: "ضربت زيدا." یعنی میں نے زید کو مارا۔ اور اگر یہ بیان کرنا مقصود ہو کہ کس جگہ یا کس وقت فعل واقع ہوا ہے تو فعل کو مفعول فیہ کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے، جیسے: "جلست أمامك." یعنی میں آپ کے آگے بیٹھا تھا۔ اور "مررت بزيد وقت صلوة الجمعة." یعنی میں نمازِ جمعہ کے وقت زید کے پاس سے گزرا تھا۔ اور اگر یہ بیان کرنا مقصود ہو کہ فعل کے وقوع کی کیا وجہ ہے تو مفعول لہ ذکر کیا

---

[79] سورة الدخان: الآية 38.

جاتا ہے، جیسے: "ضربت تأديبا." یعنی میں نے ادب سکھانے کے لیے مارا تھا۔ اور اگر یہ بتانا مقصود ہو کہ فعل اپنے فاعل کے ساتھ ساتھ مزید کسی اور اسم کے ساتھ بھی مقارن یعنی ملا ہے تو مفعول معہ ذکر کیا جاتا ہے، جیسے: "جاء البرد والجبّات." یعنی سردی جبوں کے ساتھ آئی۔ اور اگر مبہم حالت یا مبہم ذات کے ابہام کو دور کرنا ہو تو حال یا تمییز بطور قید ذکر کی جاتی ہے، جیسے: "جاء زيد راكبا." یعنی زید اس حال میں آیا کہ وہ سوار تھا۔ اور "حسن زيد وجها." یعنی زید چہرہ کے لحاظ سے حسین ہے۔ اور اگر یہ بتانا مقصود ہو کہ فعل کا حکم تمام افراد پر نہیں بلکہ بعض پر ہے تو مستثنیٰ لایا جاتا ہے، جیسے: "ما حضر في الفصل إلا زيد." یعنی کلاس میں سوائے زید کے کوئی طالبعلم حاضر نہیں ہوا۔ جملہ کے اندر قیودات کسی مقصد اور فائدہ کے تحت لائی جاتی ہیں لہذا ان قیودات کا اس مقصد کی خاطر کلام میں ہونا ضروری ہے ورنہ کلام جھوٹا یا بے مقصد ہو جائے گا، جیسے متن میں مذکور "لاعبين" لفظ "خلقنا" کی قید ہے اور اگر اس قید کو ہٹا دیا جائے تو کلام جھوٹ اور بے مقصد رہ جائے گا؛ کیونکہ اس صورت میں معنی ہو گا کہ ہم نے آسمانوں، زمین اور ان دونوں کے مابین کو پیدا نہیں کیا اور یہ واضح جھوٹ ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی ہی وہ ذات ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور اگر اس قید کو کلام میں باقی رکھیں تو معنی ہو گا کہ ہم نے آسمانوں، زمین اور مابین کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں فرمایا، غرضیکہ حال کا لحاظ رکھنے کی صورت میں ہی کلام سچا اور بامقصد رہے گا۔

سوال: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فعل کے لیے بطور قید مفعول مطلق نوعی ذکر کیا، تاکیدی اور عددی ذکر کیوں نہ کیا؟

جواب: حقیقت میں مفعول مطلق تاکیدی کا مفہوم ماقبل ذکر کردہ فعل کے مفہوم سے زائد نہیں ہوتا لہذا مفعول مطلق تاکیدی مستقلاً فعل کے لیے قید بنے سمجھ میں نہیں آتا اور مفعول مطلق عددی شاید اس لیے نہیں ذکر کیا کہ اس کا استعمال قلیل بلکہ نادر ہے؛ کیونکہ اکثر اوقات عدد کا معنی مراد لینے کے لیے "مرتين" لفظ استعمال ہوتا ہے، جیسے: "جلست جلستين." کی جگہ پر "جلست مرتين."۔

الترکیب

قوله: "بدونها" حال من "الكلام".

وَأَمَّا النَّوَاسِخُ فَالتَّقْيِيْدُ بِهَا يَكُوْنُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِيْ تُؤَدِّيْهَا مَعَانِي أَلْفَاظِ النَّوَاسِخِ كَالْإِسْتِمْرَارِ أَوِ الْحِكَايَةِ عَنِ الزَّمَنِ فِيْ كَانَ وَالتَّوْقِيْتِ بِزَمَنٍ مُعَيَّنٍ فِيْ ظَلَّ وَبَاتَ وَأَصْبَحَ وَأَمْسَى وَأَضْحَى أَوْ بِحَالَةٍ مُعَيَّنَةٍ فِيْ دَامَ وَالْمُقَارَبَةِ فِيْ كَادَ وَكَرَبَ وَأَوْشَكَ وَالْيَقِيْنِ فِيْ وَجَدَ وَأَلْفَى وَدَرَى وَتَعَلَّمَ وَهَلُمَّ جَرًّا فَالْجُمْلَةُ فِيْ هٰذَا تَنْعَقِدُ مِنَ الْإِسْمِ وَالْخَبَرِ أَوْ مِنَ الْمَفْعُوْلَيْنِ فَقَطْ فَإِذَا قُلْتَ ظَنَنْتُ زَيْدًا قَائِمًا فَمَعْنَاهُ زَيْدٌ قَائِمٌ عَلَى وَجْهِ الظَّنِّ ...

ترجمہ: اور بہر حال نواسخ سے جملہ کی تقییدان اغراض کی خاطر ہوتی ہے جنہیں الفاظِ نواسخ کے معانی ادا کرتے ہیں، جیسے: "کان" میں استمرار یا زمانہ کی حکایت اور "ظلّ وبات وأصبح وأمسی وأضحی" میں معین زمانہ کے ساتھ جملہ کو موقّت کرنا یا "دام" میں حالتِ معینہ کے ساتھ جملہ کو موقّت کرنا اور "کاد" اور "کرب" اور "أوشك" میں مقاربت اور "وجد"، "ألفى"، "دری" اور "تعلّم" میں یقین اور یونہی تمام نواسخ میں صورت حال چلے گی۔ جملہ اس صورت میں اسم اور خبر یا فقط دو مفعولوں سے مرکب ہوتا ہے، جیسے آپ کہیں: "ظننتُ زیدا قائما." تو اس کا مطلب ہو گا کہ زید کے لیے کھڑے ہونے کا حکم ظن کی بنیاد پر ہے۔

تشریح: جملہ کو نواسخ کے ساتھ مقید کرنے کے مختلف مقاصد ہیں:

1. جملہ میں استمرارِ مطلق مقصود ہو یا زمانہ ماضی میں کسی کام کی حکایت تو "کان" ذکر کیا جاتا ہے، جیسے: "کان الله سمیعا بصیرا." یعنی اللہ ہمیشہ سننے دیکھنے والا ہے۔ اور "کان زید صائما." یعنی زید زمانہ ماضی میں روزہ دار تھا۔
2. دن میں خبر دینی ہو تو "ظلّ" کے ساتھ، رات میں دینی ہو تو "بات" کے ساتھ، صبح میں دینی ہو تو "أصبح" کے ساتھ، شام میں دینی ہو تو "أمسی" کے ساتھ اور چاشت میں دینی ہو تو "أضحی" کے ساتھ جملہ مقید کیا جاتا ہے، جیسے: "ظلّ زید قائما." یعنی زید دن میں کھڑا تھا. "بات زید

قائما. "یعنی زید رات میں کھڑا تھا، "أصبح زید قائما. "یعنی زید صبح میں کھڑا تھا، "أمسی زید قائما. "یعنی زید شام میں کھڑا تھا اور "أضحی زید قائما. "یعنی زید چاشت کے وقت کھڑا تھا۔

3. مخبر عنہ کی کوئی معین حالت بتانی ہو تو "دام" کے ساتھ جملہ مقید کیا جاتا ہے، جیسے: "اجلس ما دام الأمیر جالسا. "یعنی جب تک امیر بیٹھا ہے تب تک آپ بھی بیٹھے رہیں۔

4. اگر بتانا ہو کہ خبر کا وقوع قریب ہے تو جملہ افعال مقاربہ کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے، جیسے: "کاد زید أن یموت. "یعنی قریب تھا کہ زید مر جاتا۔

5. جملہ میں اگر یقین یا شک کے معنی لینے ہوں تو جملہ افعال قلوب کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے، جیسے: "وجدت، ألفیت، رأیت، دریت، علمت وتعلّمت زیدا قائما"یعنی میں نے زید کو یقینا کھڑا پایا۔ اور "حسبت، ظننت وخِلت زیدا قائما. "یعنی میرا خیال ہے کہ زید کھڑا تھا۔

فائدہ: جملہ پر افعال ناقصہ اور افعال مقاربہداخل کرنے کی صورت میں جملہ اسم اور خبر سے مرکب ہوتا ہے، جیسے: "کان زید قائما. "یعنی زید کھڑا تھا۔ اس میں "زید" اسم اور "قائما" خبر ہے۔ اور ایسے ہی "کاد زید أن یموت. "یعنی قریب تھا کہ زید مر جاتا۔ جبکہ افعال قلوب داخل کرنے کی صورت میں جملہ دو مفعولوں سے مرکب ہوتا ہے اور یہ دونوں مفعول افعال قلوب کے داخل ہونے سے پہلے حقیقت میں مبتدا اور خبر تھے، جیسے: "ظننت زیدا قائما. "یعنی میں نے زید کو کھڑا گمان کیا۔ اس مثال میں "زیدا قائما " اصل میں فعل قلوب سے قبل "زید قائم. " تھا۔

فائدہ: "نواسخ" جمع ہے "ناسخة" کی اور اس کا معنی ہے نسخ کرنے والی چونکہ یہ افعال مبتدا اور خبر پر داخل ہو کر ان میں لفظی اور معنوی تبدیلی لاتے ہیں اور پہلے والے عمل کو نسخ یعنی ختم کر دیتے ہیں۔

فائدہ: افعال قلوب کو افعال قلوب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان افعال سے جو معانی سمجھے جاتے ہیں ان کا تعلق دل سے ہوتا ہے، جیسے اوپر مذکور مثالوں میں یقین، شک اور گمان کے معنی کا تعلق دل سے ہے اور قلوب قلب کی جمع ہے جس کا معنی دل ہے۔

التركيب

قوله:"التي تؤديها معاني ألفاظ النواسخ" صفة ل"الأغراض"،و"معاني ألفاظ النواسخ" فاعل ل"تؤديها".قوله:"هلم جرا" هلم بمعنى ائت اسم الفعل، و"جرا" مفعول مطلق لفعل محذوف ل"تجرّ"، فالجملة تكون حالا من الضمير المستتر في "ائت".قوله:"في هذا" صفة ل"الجملة". قوله:"على وجه الظن" متعلق ب"قائم".

وَأَمَّا الشَّرْطُ فَالتَّقْيِيدُ بِهِ يَكُونُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِيْ تُؤَدِّيْهَا مَعَانِيْ أَدَوَاتِ الشَّرْطِ كَالزَّمَانِ فِيْ مَتَى وَأَيَّانَ وَالْمَكَانِ فِيْ أَيْنَ وَأَنَّى وَحَيْثُمَا وَالْحَالِ فِيْ كَيْفَمَا وَاسْتِيْفَاءُ ذٰلِكَ وَتَحْقِيْقُ الْفَرْقِ بَيْنَ الْأَدَوَاتِ يُذْكَرُ فِيْ عِلْمِ النَّحْوِ وَإِنَّمَا يُفَرَّقُ هَاهُنَا بَيْنَ إِنْ وَإِذَا وَلَوْ لِاخْتِصَاصِهَا بِمَزَايَا تُعَدُّ مِنْ وُجُوْهِ الْبَلَاغَةِ...

ترجمہ: اور بہر حال شرط کے ساتھ جملہ کو ایسی اغراض کے حصول کی خاطر مقید کیا جاتا ہے جنہیں کلماتِ شرط کے معانی ادا کرتے ہیں، جیسے: "متی" اور "أيّان" میں زمان اور "أين"، "أنّى" اور "حيثما" میں مکان اور "كيفما" میں حال۔ اس پر پوری بحث اوران کلمات کے درمیان فرق علم نحو میں مذکور ہے البتہ یہاں "إن"، "إذا" اور "لو" کے درمیان فرق کیا جاتا ہے؛ کیونکہ ان کلمات میں کچھ ایسی خصوصیات ہیں جن کو بلاغت کی صورتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

تشریح: جملہ کلماتِ شرط کے ساتھ کچھ خاص مقاصد حاصل کرنے کے لیے مقید کیا جاتا ہے، مثلاً: زمان کا معنی لینا ہو تو جملہ میں "متی" اور "أيّان" لایا جائے، جیسے: "متی تدرس أدرس." یعنی جب تو پڑھے گا تب میں پڑھوں گا۔ اور "أيّان تدرس تنجح." یعنی آپ کامیاب تب ہونگے جب آپ پڑھیں گے۔ ان مثالوں میں حکم کو زمانہ مستقبل کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ اور مکان کا معنی لینا ہو تو "أين"، "أنّى" اور "حيثما" لائے جائیں، جیسے: "أين تذهب أذهب." یعنی جہاں تو جائے گا وہاں میں جاؤں گا، "أنى تقم أقم." یعنی جہاں تو کھڑا ہو گا وہاں میں کھڑا ہو نگا، اور "حيثما تصلي أصلي." یعنی جہاں تو نماز پڑھے گا وہاں میں پڑھوں گا۔ ان سب مثالوں میں حکم مکان اور جگہ کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ اور حالت کا معنی لینا ہو تو "كيفما" لایا جائے، جیسے: "كيفما تجلس أجلس." یعنی جس حالت پر آپ بیٹھو گے اسی حالت پر میں بیٹھوں گا۔ اس جملہ میں مخاطب کی حالت کے بارے میں پوچھا جارہا ہے۔ کلماتِ شرط کن معانی کے لیے آتے ہیں اور ان معانی کے درمیان فرق وغیرہ جاننا ہو تو علم نحو کی طرف رجوع کیا جائے؛ کیونکہ یہ ساری بحث علم نحو میں مذکور ہے البتہ یہاں علم بلاغت میں صرف تین کلمات یعنی "إن"، "إذا" اور "لو" کا ذکر کیا جائے گا؛ کیونکہ ان کلمات میں موجود کچھ خصوصیات ہیں جو علم بلاغت کا حصہ ہیں۔

التركيب

قوله: "تحقيق الفرق" عطف على "استيفاء ذلك"، و"بين الأدوات" مفعول فيه ل"الفرق"، و"يذكر في علم النحو" خبر ل"استيفاء ذلك". قوله: "لاختصاصها" متعلق ب"يفرّق"، و"تعدّ من وجوه البلاغة" صفة ل"مزايا"، و"مزايا" متعلق بالاختصاص.

فَإِنْ وَإِذَا لِلشَّرْطِ فِي الْإِسْتِقْبَالِ وَلَوْ لِلشَّرْطِ فِي الْمُضِيِّ وَالْأَصْلُ فِي اللَّفْظِ أَنْ يَتْبَعَ الْمَعْنَى فَيَكُوْنُ فِعْلًا مُضَارِعًا مَعَ إِنْ وَإِذَا وَمَاضِيًا مَعَ لَوْ نَحْوُ وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ[80] وَإِذَا تَرُدُّ إِلَى قَلِيْلٍ تَقْنَعُ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ أَجْمَعِيْنَ[81]...

ترجمہ: پس "إن" اور "إذا" زمانہ مستقبل میں شرط کے لیے آتے ہیں جبکہ "لو" زمانہ ماضی میں شرط کے لیے آتا ہے۔ اور لفظ میں اصل یہ ہے کہ وہ معنی کے تابع ہو لہٰذا "إن" اور "إذا" کے ساتھ فعل مضارع، اور "لو" کے ساتھ فعل ماضی ہونا چاہیے، جیسے: اگر وہ پانی کے لیے فریاد کریں تو ان کی فریاد اس پانی کے ساتھ پوری کی جائے گی جو پگھلائے ہوئے تانبے کی طرح ہو گا۔ اور جب اپنے آپ کو تھوڑے کا عادی بناؤں گے تو تم قناعت کرنے والے بن جاؤں گے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ تم سب کو ہدایت دیتا۔

تشریح: قانون کے مطابق لفظ معنی کے تابع ہوتا ہے تو چونکہ "إن" اور "إذا" دونوں استقبال کا معنی دیتے ہیں اسی لیے ان کے ساتھ فعل مضارع لایا جاتا ہے؛ کیونکہ فعل مضارع بھی استقبال کا معنی دیتا ہے۔ اور "لو" ماضی کا معنی دیتا ہے اسی لیے اس کے ساتھ فعل ماضی لایا جاتا ہے، جیسے پہلی اور دوسری مثال دونوں میں حروفِ شرط کے ساتھ فعل مضارع یعنی "یستغیثوا" اور "ترد" استعمال ہوئے ہیں جبکہ تیسری مثال میں حرف شرط کے ساتھ فعل ماضی یعنی "شاء" استعمال ہوا ہے۔

التركيب

قوله: "للشرط في الاستقبال" خبر لقوله "إن وإذا"، و "للشرط في المضي" خبر لقوله "لو". قوله: "في اللفظ" صفة ل "الأصل".

[80] سورة الكهف: الآية: 29.

[81] سورة النحل: الآية: 9.

وَالْفَرْقُ بَيْنَ "إِنْ" وَ"إِذَا" أَنَّ الْأَصْلَ عَدَمُ الْجَزْمِ بِوُقُوْعِ الشَّرْطِ مَعَ "إِنْ" وَالْجَزْمُ بِوُقُوْعِهِ مَعَ "إِذَا" وَلِهٰذَا غَلَبَ اسْتِعْمَالُ الْمَاضِيْ مَعَ "إِذَا" فَكَأَنَّ الشَّرْطَ وَاقِعٌ بِالْفِعْلِ بِخِلَافِ "إِنْ" فَإِذَا قُلْتَ: إِنْ أَبْرَءُ مِنْ مَرَضِيْ أَتَصَدَّقُ بِأَلْفِ دِيْنَارٍ، كُنْتَ شَاكًّا فِي الْبُرْءِ وَإِذَا قُلْتَ: إِذَا بَرِئْتُ مِنْ مَرَضِيْ تَصَدَّقْتُ، كُنْتَ جَازِمًا بِهِ أَوْ كَالْجَازِمِ وَعَلَى ذٰلِكَ فَالْأَحْوَالُ النَّادِرَةُ تُذْكَرُ فِيْ حَيِّزِ "إِنْ" وَالْكَثِيْرَةُ فِيْ حَيِّزِ "إِذَا" وَمِنْ ذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوْا بِمُوْسَى وَمَنْ مَّعَهُ[82] فَلِكَوْنِ مَجِيْءِ الْحَسَنَةِ مُحَقَّقًا إِذِ الْمُرَادُ بِهَا مُطْلَقُ الْحَسَنَةِ الشَّامِلُ لِأَنْوَاعٍ كَثِيْرَةٍ كَمَا يُفْهَمُ مِنَ التَّعْرِيْفِ بِأَلِ الْجِنْسِيَّةِ ذُكِرَ مَعَ "إِذَا" وَعُبِّرَ عَنْهُ بِالْمَاضِيْ وَلِكَوْنِ مَجِيْءِ السَّيِّئَةِ نَادِرًا إِذِ الْمُرَادُ بِهَا نَوْعٌ مَخْصُوْصٌ كَمَا يُفْهَمُ مِنَ التَّنْكِيْرِ وَهُوَ الْجَدْبُ ذُكِرَ مَعَ "إِنْ" وَعُبِّرَ عَنْهُ بِالْمُضَارِعِ فَفِي الْآيَةِ مِنْ وَصْفِهِمْ بِإِنْكَارِ النِّعَمِ وَشِدَّةِ التَّحَامُلِ عَلَى مُوْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا لَا يَخْفَى...

ترجمہ: اور "إن" اور "إذا" کے درمیان فرق: بے شک اصل یہ ہے کہ "إن" کے ساتھ وقوع شرط پر جزم نہیں ہوتا اور "إذا" کے ساتھ وقوع شرط پر جزم ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ماضی کا "إذا" کے ساتھ استعمال غالب ہے گویا کہ شرط بالفعل واقع ہو چکی ہے بر خلاف "إن" کے، پس جب تو کہے کہا گر میں بیماری سے شفایاب ہوا تو ہزار دینار صدقہ کرونگا، تو تجھے شفایابی میں شک ہے اور جب تو کہے کہ جب میں اپنے مرض سے صحتیاب ہونگا تو صدقہ کرونگا، تو تجھے صحتیابی پر جزم ہے یا تم جزم رکھنے والے کی طرح ہو اور اسی بنیاد پر نادر احوال "إن" کے ساتھ ذکر کیے جاتے ہیں اور کثرت کے ساتھ پیش آنے والے احوال "إذا" کے ساتھ ذکر کیے جاتے ہیں۔ اور اسی سے ہے اللہ تعالی کا فرمان: تو جب انہیں بھلائی ملتی تو کہتے یہ ہمارے لیے ہے اور جب برائی پہنچتی تو

---

[82] سورة الأعراف: الآية: 131.

اسے موسی اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔ بھلائی کے ملنے پر یقین ہونے کی وجہ سے ؛کیونکہ "حسنة" سے مراد مطلق بھلائی ہے جو بہت ساری انواع کو شامل ہے جیسا کہ الف لام جنسی کے ساتھ "حسنة" کو معرفہ لانے سے سمجھ آرہا ہے، اس امر کو "إذا" کے ساتھ ماضی کے صیغہ سے تعبیر کیا گیا اور "سيئة" کے پہنچنے کے نادر ہونے کی وجہ سے ؛کیونکہ "سيئة" سے مراد برائی کی مخصوص نوع ہے جیسا کہ تنکیر سے مفہوم ہے اور وہ قحط سالی ہے، اس امر کو "إن" کے ساتھ ذکر کیا گیا اور اس کو فعل مضارع کے ساتھ تعبیر کیا گیا پس اس آیت میں فرعونیوں کے کفرانِ نعمت اور حضرت موسی علیہ السلام پر ظلم کی شدت کا ذکر ہے جو کہ پوشیدہ نہیں۔

تشریح: "إن" اور "إذا" دونوں زمانہ مستقبل میں شرط کے لیے آتے ہیں البتہ "إن" کی شرط کا واقع ہونا یقینی نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ "إن" ایسے افعال پر داخل ہوتا ہے جن کا واقع ہونا نادر یعنی قلیل ہو جبکہ "إذا" کی شرط کا واقع ہونا یقینی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ "إذا" کے ساتھ اکثر فعل ماضی استعمال ہوتا ہے تاکہ شرط کے وقوع پر یقین ہو؛ کیونکہ ماضی تحقق اور وقوع پر دلالت کرتا ہے۔

مثالیں:

"**إن أبرء من مرضي أتصدق بألف دينار.**" مثال سے پتہ چلتا ہے کہ متکلم کو مرض سے براءت پر یقین نہیں بلکہ شک ہے یعنی بیماری سے شفایابی مل سکتی ہے اور نہیں بھی مل سکتی اسی وجہ سے متکلم نے "إن" ذکر کیا ہے۔

"**إذا برئت من مرضي تصدقت بألف دينار.**" مثال سے پتہ چلتا ہے کہ متکلم کو مرض سے براءت پر یقین ہے یعنی اس مرض سے شفا مل کر رہے گی اسی وجہ سے متکلم نے "إن" کی بجائے "إذا" ذکر کیا ہے۔

"**فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هٰذِهِ.**" آیت میں "إذا" فعل ماضی پر داخل ہوا ہے جس سے پتہ چل رہا ہے کہ شرط کا وقوع یقینی ہے؛ کیونکہ "حسنة" سے مراد مطلق بھلائی ہے جو کسی بھی نوع کی اور کوئی بھی ہو سکتی ہے، جیسے اللہ کا بندے کو ضروریات، حاجات اور سہولیات سے نوازنا لہذا قوم فرعون کیا بلکہ کوئی بھی قوم اس سے محروم نہیں، اسی بنیاد پر "الحسنة" پر الف لام جنس کا ہے یعنی جنس حسنہ۔

"وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوْا بِمُوسَى وَمَنْ مَّعَهُ." آیت میں "إن" فعل مضارع پر داخل ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ شرط کا وقوع یقینی نہیں اور پھر "سیئة" کی تنکیر اور تنوین بھی بتاتی ہے کہ یہاں برائی کی کوئی خاص نوع مراد ہے جس کا وجود قلیل ہے، جیسے قحط سالی۔

التركيب

قوله: "بين إن وإذا" مفعول فيه ل"الفرق". قوله: "بوقوع الشرط" متعلق ب"الجزم"، و"مع إن" مفعول فيه ل"وقوع". قوله: "من وصفهم" مبتدأ مؤخر، و"من" زائدة، والخبر مقدم أي "ففي الآية". قوله: "ما لا يخفى" حال من "شدة التحامل".

وَ"لَوْ" لِلشَّرْطِ فِي الْمُضِيِّ وَلِذَا يَلِيهَا الْفِعْلُ الْمَاضِي نَحْوُ وَلَوْ عَلِمَ اللهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ[83] وَمِمَّا تَقَدَّمَ يُعْلَمُ أَنَّ الْمَقْصُوْدَ بِالذَّاتِ مِنَ الْجُمْلَةِ الشَّرْطِيَّةِ هُوَ الْجَوَابُ فَإِذَا قُلْتَ: إِنِ اجْتَهَدَ زَيْدٌ أَكْرَمْتُهُ، كُنْتَ مُخْبِرًا بِأَنَّكَ سَتُكْرِمُهُ وَلٰكِنْ فِيْ حَالِ حُصُوْلِ الْاِجْتِهَادِ لَا فِيْ عُمُوْمِ الْأَحْوَالِ وَيَتَفَرَّعُ عَلَى هٰذَا أَنَّهَا تُعَدُّ خَبَرِيَّةً أَوْإِنْشَائِيَّةً بِاعْتِبَارِ جَوَابِهَا ...

ترجمہ:اور"**لو**"ماضی میں شرط کے لیے آتاہے اور یہی وجہ ہے کہ فعل ماضی اس کے ساتھ ملا ہوتا ہے، جیسے:اور اگر اللہ ان میں بھلائی جانتاتو ضرور ان کو بتادیتا۔اور سابقہ گفتگو سے معلوم ہوا کہ جملہ شرطیہ میں مقصود بالذات جواب ہے پس جب آپ کہیں کہ اگر زید محنت کرے گا تو میں اس کا اکرام کروں گا، گویا آپ اس کو عنقریب عزت دینے کی خبر دے رہے ہیں لیکن محنت کرنے کی صورت میں نہ کہ ہر صورت میں اور اس گفتگو سے نتیجہ نکلا کہ جملہ شرطیہ اپنے جواب کے لحاظ سے جملہ خبریہ یاانشائیہ شمار پاتاہے۔

تشریح:"لو"زمانہ ماضی میں شرط کا وقوع بتاتا ہے اور اسی کے پیشِ نظر "لو" کے بعد فعل ماضی لایا جاتا ہے، جیسے متن میں ذکر کردہ مثال میں"لو"کے بعد فعل ماضی "**علم**"ہے تو مطلب ہوا کہ اگر اللہ تعالی نے گزرے ہوئے زمانہ میں ان لوگوں میں بھلائی پائی ہوتی تو ضرور ان کو بتادیتا۔جملہ شرطیہ جملہ خبریہ ہوتا ہے یا انشائیہ اس بات کا فیصلہ جوابِ شرط سے کیا جاتا ہے لہذا جواب شرط جملہ خبریہ ہے تو جملہ شرطیہ خبریہ ہوگا اور اگر جوابِ شرط جملہ انشائیہ ہے توجملہ شرطیہ جملہ انشائیہ ہوگا، جیسے:"إن اجتهد زيد أكرمته."جملہ خبریہ ہے؛کیونکہ متکلم زید کے اکرام کی خبر دے رہاہے،اس کی اصل عبارت یوں ہے"إني سأكرم زيدا في حال حصول الاجتهاد لا في عموم الأحول."یعنی میں زید کو محنت کرنے ہی کی صورت میں انعام واکرام سے نوازوں گا،لامحالہ اس خبر میں متکلم کو جھوٹا یا سچا کہا جاسکتاہے۔اور"إن كان زيد أخاك فأكرمه."یہ جملہ انشائیہ ہے؛کیونکہ مخاطب کو اکرام کا حکم دیا جارہاہے،اس کی اصل عبارت یوں ہے"أكرم زيدا لكونه

[83] سورة الأنفال: الآية: 23.

أخالك."تاہم شرط نہ جملہ خبریہ ہوتی ہے اور نہ ہی انشائیہ ؛کیونکہ اداۃِ شرط شرط کو مرکب ناقص بنادیتاہے یعنی جزاکے وقوع کے لیے محض ایک قید لہذااس کو خبریہ یاانشائیہ کہنے کا کوئی معنی نہیں رہتا۔

التركيب

قوله:"للشرط في المضي" خبر لقوله "لو"، و"في المضي" متعلق ب"الشرط". قوله:"مما تقدم" متعلق ب"يعلم"،وقوله:"أنها تعد إلخ" فاعل "يتفرّع".

وَأَمَّا النَّفْيُ فَالتَّقْيِيْدُ بِهِ يَكُوْنُ بِسَلْبِ النِّسْبَةِ عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوْصٍ مِمَّا تُفِيْدُهُ أَحْرُفُ النَّفْيِ وَهِيَ سِتَّةٌ لَا وَمَا وَإِنْ وَلَنْ وَلَمْ وَلَمَّا فَلَا لِلنَّفْيِ مُطْلَقًا وَمَا وَإِنْ لِنَفْيِ الْحَالِ إِنْ دَخَلَا عَلَى الْمُضَارِعِ وَلَنْ لِنَفْيِ الْإِسْتِقْبَالِ وَلَمْ وَلَمَّا لِنَفْيِ الْمُضِيِّ إِلَّا أَنَّهُ بِلَمَّا يَنْسَحِبُ عَلَى زَمَنِ التَّكَلُّمِ وَيَخْتَصُّ بِالْمُتَوَقَّعِ وَعَلَى هٰذَا فَلَا يُقَالُ لَمَّا يَقُمْ زَيْدٌ ثُمَّ قَامَ وَلَا لَمَّا يَجْتَمِعِ النَّقِيضَانِ كَمَا يُقَالُ لَمْ يَقُمْ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ يَجْتَمِعَا فَلَمَّا فِي النَّفْيِ تُقَابِلُ "قَدْ" فِي الْإِثْبَاتِ وَحِيْنَئِذٍ يَكُوْنُ مَنْفِيُّهَا قَرِيْبًا مِنَ الْحَالِ فَلَا يَصِحُّ لَمَّا يَجِئْ مُحَمَّدٌ فِي الْعَامِ الْمَاضِي ...

ترجمہ: اور بہر حال نفی کے ساتھ فعل کو مقید اس لیے کیا جاتا ہے تا کہ نسبت کا سلب مخصوص طریقہ پر ہو ان حروف کے ذریعے جو نفی کا فائدہ دیتے ہیں اور وہ چھ ہیں: "لا، ما، إن، لن، لم اور لما" پس "لا" مطلق طور پر نفی کے لیے آتا ہے۔ "ما" اور "إن" حال کی نفی کے لیے آتے ہیں اگر فعل مضارع پر داخل ہوں اور "لن" استقبال کی نفی کے لیے آتا ہے اور "لم" اور "لما" ماضی کی نفی کے لیے آتے ہیں مگر یہ کہ "لما" کے ذریعے نفی زمانہ تکلّم تک کی ہوتی ہے اور یہ نفی امر متوقّع کے ساتھ خاص ہوتی ہے اور اسی بنیاد پر "لما يقم زيد ثمّ قام" نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی "لما يجتمع النقيضان" کہا جاسکتا ہے جیسے "لم يقم ثم قام" اور "لم يجتمعا" کہے جاسکتے ہیں۔ بہر حال "لما" نفی کے معاملہ میں ایسے ہے جیسے "قد" اثبات کے معاملہ میں اور اس وقت "لما" کے ذریعے جس کی نفی کی جارہی ہے وہ حال کے قریب ہو گا لہذا "لما يجئ محمد في العام الماضي." کہنادرست نہیں ہے۔

تشریح: متن میں ذکر کردہ چھ حروف (لا، ما، إن، لن، لم، لما) نفی کا معنی دینے میں یکساں ہیں لیکن نفی کے انداز میں فرق ہے جیسے "لا" مطلق طور پر نفی کے لیے آتا ہے برابر ہے نفی زمانہ ماضی میں ہو یا زمانہ حال میں یا پھر زمانہ استقبال میں، جیسے: "لا قام زيد." یعنی زید کھڑا نہیں ہوا تھا، اور "لا يقوم زيد." یعنی زید کھڑا نہیں ہے یا کھڑا نہیں ہو گا۔ "ما" اور "إن" اگر فعل مضارع پر داخل ہوں تو زمانہ حال میں فعل کی نفی کے

لیے آتے ہیں، جیسے: "ما ینام زید." یعنی زید سو نہیں رہا ہے، اور "إن ینام زید." یعنی زید سو نہیں رہا ہے۔ "لن" زمانہ استقبال میں فعل کی نفی کے لیے آتا ہے، جیسے: "لن ینام." یعنی وہ ہر گز نہیں سوئے گا۔ "لم" اور "لما" دونوں زمانہ ماضی میں فعل کی نفی میں یکساں ہیں لیکن دو طرح سے دونوں کی نفی میں فرق ہے۔ پہلا یہ کہ "لما" کی نفی میں استمرار ہوتا ہے یعنی فعل کی نفی زمانہ ماضی سے لے کر گفتگو کے زمانہ تک کی ہوتی ہے جبکہ "لم" کی نفی میں استمرار نہیں ہوتا یعنی نفی زمانہ ماضی تک محدود ہوتی ہے، جیسے: "لم یضرب." یعنی اس نے نہیں مارا تھا اور "لما یضرب." یعنی اس نے ابھی تک نہیں مارا۔ **دوسرا یہ کہ** "لما" کے ذریعے نفی ایسے فعل کی ہوتی ہے جس کے حصول کی زمانہ مستقبل میں امید کی جا سکتی ہے جبکہ "لم" کے ذریعے جس فعل کی نفی کر دی گئی ہے اس کا حصول اور عدم حصول دونوں متوقع ہوتا ہے، جیسے: "لم یضرب." یعنی اس نے نہیں مارا تھا اور آئندہ ضرب کا حصول اور عدم حصول دونوں کی امید کی جا سکتی ہے اور "لما یضرب." یعنی اس نے ابھی تک نہیں مارا لیکن ضرب کی آئندہ امید کی جا سکتی ہے۔ "**لما یقم زید ثم قام.**" مثال غلط ہے؛ کیونکہ "لما" کے ذریعے فعل کی نفی زمانہ تکلم تک کی ہوتی ہے جبکہ اس مثال میں قیام کی نفی زمانہ تکلم تک کی نہیں ہے بلکہ زمانہ ماضی میں نفی کے ساتھ ثبوت ہے اسی طرح "**لما یجتمع النقیضان.**" مثال بھی غلط ہے؛ کیونکہ "لما" کے ذریعے متوقع الحصول فعل کی نفی ہوتی ہے جبکہ نقیضین کا اجتماع کسی صورت میں بھی متوقع الحصول نہیں ہے۔ "**لم یقم ثم قام.**" مثال ٹھیک ہے؛ کیونکہ "لم" کے ذریعے متوقع الحصول اور غیر متوقع الحصول دونوں کی نفی ہو سکتی ہے لہذا مثال میں قیام کی نفی کر دی گئی اگرچہ بعد میں قیام متوقع الحصول ہے۔ اسی طرح "**لم یجتمع النقیضان.**" مثال بھی درست ہے؛ کیونکہ "لم" کے ذریعے متوقع الحصول اور غیر متوقع الحصول دونوں کی نفی ہو سکتی ہے لہذا اجتماعِ نقیضین کی نفی ہو گئی اگرچہ اجتماعِ نقیضین غیر متوقع الحصول ہے۔

فائدہ: جیسے "قد" اثبات میں فعل کو زمانہ حال کے قریب کر دیتا ہے، مثلا: "قد صلّی زید." یعنی زید نے ابھی یا کچھ دیر پہلے نماز پڑھ تھی، ایسے ہی "لما" نفی میں فعل کو حال کے قریب کر دیتا ہے لہذا "**لما یجئ زید في العام الماضي.**" یعنی زید گذشتہ سال میں اب تک نہیں آیا کہنا درست نہیں؛ کیونکہ "لما" نے مجيء کی نفی

کو حال کے قریب کر دیا جبکہ "في العام الماضي" سے مجيء کی نفی حال سے قریب نہیں بلکہ بعید سمجھ میں آرہی ہے۔

الترکیب

قوله: "مما تفيده أحرف النفي" متعلق ب"سلب". قوله: "في النفي" صفة ل"لما".

وَأَمَّا التَّوَابِعُ فَالتَّقْيِيْدُ بِهَا يَكُوْنُ لِلْأَغْرَاضِ الَّتِيْ تُقْصَدُ مِنْهَا فَالنَّعْتُ يَكُوْنُ لِلتَّمْيِيْزِ نَحْوُ حَضَرَ عَلِيٌّ الْكَاتِبُ وَالْكَشْفِ نَحْوُ الْجِسْمُ الطَّوِيْلُ الْعَرِيْضُ الْعَمِيْقُ يَشْغَلُ حَيِّزًا مِنَ الْفَرَاغِ وَالتَّأْكِيْدِ نَحْوُ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ[84] وَالْمَدْحِ نَحْوُ حَضَرَ خَالِدُ الْهُمَامُ وَالذَّمِّ نَحْوُ وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ[85] وَالتَّرَحُّمِ نَحْوُ ارْحَمْ إِلَى خَالِدِ الْمِسْكِيْنِ...

ترجمہ: اور بہر حال توابع سے حکم کی تقیید ان اغراض کی خاطر ہوتی ہے جو توابع سے مقصود ہوتی ہیں پس نعت تمیز کے لیے آتی ہے، جیسے: کاتب علی حاضر ہوا۔، کشف کے لیے آتی ہے، جیسے: گہرا، چوڑا اور لمبا جسم فارغ جگہ گھیر لیتا ہے۔، تاکید کے لیے آتی ہے، جیسے: یہ مکمل دس روزے ہیں۔ اور مدح کے لیے آتی ہے، جیسے: سخی یا بلند ہمت خالد حاضر ہوا۔، مذمت کے لیے آتی ہے، جیسے: اس کی بیوی سر پر لکڑیاں اٹھائے لاتی ہے۔ اور رحم کے لیے آتی ہے، جیسے: تو مسکین خالد پر رحم کر۔

تشریح: توابع کی قسموں میں سے ایک قسم نعت ہے اور یہ اپنے موصوف کی اچھی یا بری صفت بیان کرتی ہے، جیسے: "رجل صالح" یعنی نیک مرد، اور "رجل فاسق" یعنی گنہ گار مرد۔

صفت مندرجہ ذیل مقاصد سے آتی ہے:۔

1. صفت موصوف کو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لیے لائی جاتی ہے، جیسے: "حضر علي الکاتب." مثال میں اگر صرف "علي" کہہ دیا جاتا تو احتمال تھا کہ کوئی دوسرا شخص آیا ہے جو مقصود شخص کے نام میں شریک ہے لیکن جب "الکاتب" کہا تو یہ احتمال ختم ہو گیا اور واضح ہو گیا کہ وہ علی آیا ہے جو کاتب (Writer) ہے، نا کہ کوئی دوسرا علی۔

---

[84] سورۃ البقرۃ: الآیۃ: 196.

[85] سورۃ اللھب: الآیۃ: 4.

2. صفت موصوف کے معنی کھولنے اور واضح کرنے کے لیے آتی ہے، جیسے: "**الجسم الطویل العریض العمیق**" مثال میں جسم کے معنی کھولنے اور واضح کرنے کے لیے تین صفتیں لائی گئی ہیں یعنی جسم وہ ہے جو طویل ہو، عریض ہو اور عمیق ہو۔
3. صفت موصوف کی تاکید کے لیے آتی ہے، جیسے: "**تلك عشرة كاملة**." مثال میں "**كاملة**" صفت اپنے موصوف "**عشرة**" کی تاکید کے طور پر لائی گئی ہے؛ کیونکہ "**عشرة**" جب کہا گیا تو تب بھی مکمل دس روزے ہی مراد تھے۔
4. صفت موصوف کی تعریف کے لیے آتی ہے، جیسے: "**حضر خالد الهمام**." مثال میں "**الهمام**" کے ذریعے "**خالد**" کی تعریف کی گئی ہے یعنی بلند ہمت خالد۔
5. صفت موصوف کی برائی یا بری صفت بیان کرنے کے لیے آتی ہے، جیسے: "**حمّالة الحطب**" صفت ہے "**امرءته**" کی اور اس کے ذریعے برائی بیان کی جارہی ہے ابولہب کی بیوی کی کہ وہ سر پر لکڑیاں لاد کر لاتی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے کے ارادہ سے **والعياذ بالله**۔
6. صفت موصوف پر رحم طلب کرنے کے لیے لائی جاتی ہے، جیسے: "**خالد المسكين**" مثال میں "**خالد**" کی صفت "**المسكين**" خالد پر رحم طلب کرنے کے لیے لائی گئی ہے۔

التركيب

قوله: "التي تقصد منها" صفة ل"الأغراض"، و"الترحم والذم والمدح والتأكيد والكشف" كلها معطوفة على "التمييز".

وَالتَّوْكِيْدُ يَكُوْنُ لِلتَّقْرِيْرِ وَدَفْعِ تَوَهُّمِ التَّجَوُّزِ أَوِ السَّهْوِ أَوْ عَدَمِ الشُّمُوْلِ نَحْوُ زَارَنِيَ الْأَمِيْرُ نَفْسُهُ وَسَلِمَ الْجَيْشُ عَامَّتُهُ ...

ترجمہ: اور تاکید تقریر کے لیے آتی ہے اور مجاز، سہو یا حکم کے عام نہ ہونے کے وہم کو دور کرنے کے لیے آتی ہے، جیسے: امیر نے خود مجھ سے ملاقات کی۔ اور سارا لشکر محفوظ رہا۔

تشریح: تاکید مندرجہ ذیل مقاصد سے لائی جاتی ہے:

1. متبوع (مؤکد) کے معنی کو پختہ کرنے کے لیے، جیسے: "عندي ذهب ذهب." یعنی میرے پاس سونا ہی ہے۔
2. متبوع سے مجازی معنی کے وہم کو دور کرنے کے لیے، جیسے: "في بيتي أسد أسد." یعنی میرے گھر میں بہادر مرد نہیں بلکہ شیر ہی ہے۔
3. متبوع سے سہو کا وہم دور کرنے کے لیے، جیسے: "زارني الأمير نفسه." یعنی مجھ سے ملنے خود امیر آیا تھا نہ کہ کوئی دوسرا۔
4. حکم متبوع کے تمام افراد کو شامل نہیں اس وہم کو ختم کرنے کے لیے تاکید ذکر کی جاتی ہے، جیسے: "سلم الجيش عامّته." یعنی لشکر کے سارے سپاہی محفوظ واپس پلٹے ہیں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

الترکیب

قوله: "عدم الشمول" عطف على "السهو"، وهو معطوف على "التجوّز".

وَعَطْفُ الْبَيَانِ يَكُوْنُ لِمُجَرَّدِ التَّوْضِيْحِ نَحْوُ أَقْسَمَ بِاللهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ أَوْ لِلتَّوْضِيْحِ مَعَ الْمَدْحِ نَحْوُ جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَالْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ[86] وَيَكْفِيْ فِي التَّوْضِيْحِ أَنْ يُوَضِّحَ الثَّانِي الْأَوَّلَ عِنْدَ الْاِجْتِمَاعِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَوْضَحَ مِنْهُ عِنْدَالْاِنْفِرَادِ كَعَلِيٌّ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ وَالْعَسْجَدُ الذَّهَبُ ...

ترجمہ: اور عطفِ بیان محض توضیح کے لیے آتا ہے، جیسے: ابو حفص عمر نے اللہ کی قسم اٹھائی۔، یا مدح کے ساتھ توضیح کے لیے آتا ہے، جیسے: اللہ نے کعبہ حرمت والا گھر لوگوں کے لیے قیام گاہ بنایا۔ توضیح میں یہی کافی ہے کہ اجتماع کے وقت دوسرا پہلے کی وضاحت کرے اگرچہ دوسرا تنہا ہونے کے وقت پہلے سے زیادہ واضح نہ ہو، جیسے: "علي زين العابدين" اور "عسجد ذهب"۔

تشریح: عطف بیان ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کی محض وضاحت کرتا ہے یا وضاحت کے ساتھ تعریف بھی کرتا ہے، جیسے پہلی مثال میں "أبو حفص" متبوع ہے لیکن واضح نہیں کہ کون سے صاحب نے قسم اٹھائی ہے ؛ کیونکہ "أبو حفص" دوسرے افراد کی بھی کنیت ہو سکتی ہے لہذا "عمر" کہہ کر متبوع کی وضاحت کی گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالی کی قسم اٹھائی ہے اور دوسری مثال میں "الكعبة" متبوع ہے جس کی وضاحت "البيت الحرام" کہہ کر کی گئی جس میں متبوع کی تعریف بھی ہے کہ کعبہ ایسا گھر ہے جو حرمت اور عزت والا ہے۔

قانون: عطف بیان ایسا تابع ہے جس کا کام اپنے متبوع معطوف علیہ کی وضاحت ہے برابر ہے تابع متبوع سے زیادہ واضح ہو یا نہ ہو، جیسے: "العسجد الذهب" میں تابع "الذهب" متبوع "العسجد" سے زیادہ واضح ہے اور ایسے ہی "علي زين العابدين" میں تابع "زين العابدين" ہے جو متبوع "علي" سے زیادہ واضح نہیں۔

---

[86] سورة المائدة: الآية: 97.

وَعَطْفُ النَسَقِ يَكُوْنُ لِلأَغْرَاضِ الَّتِيْ تُؤَدِّيْهَا أَحْرُفُ الْعَطْفِ كَالتَّرْتِيْبِ مَعَ التَّعْقِيْبِ فِي "الْفَاءِ" وَمَعَ التَّرَاخِي فِيْ "ثُمَّ" ...

ترجمہ: اور عطف نسق ان مقاصد کے لیے آتا ہے جنہیں حروفِ عطف پورا کرتے ہیں، جیسے: "فاء" میں ترتیب مع التعقیب اور "ثمّ" میں ترتیب مع التراخی۔

تشریح: نسق: س کے فتحہ اور جزم دونوں طریقہ سے پڑھا جاسکتا ہے اور عطفِ نسق سے مراد ایسا تابع ہے کہ اسکے اور متبوع کے درمیان حروفِ عطف میں سے کوئی ایک حرف آئے۔ حروفِ عاطفہ کی تعداد کتنی ہے اور کون کون سے ہیں یہ تفصیل نحو کی کتابوں سے معلوم کی جائے البتہ یہاں دو حروف کا استعمال ذکر کیا جاتا ہے۔

"ف": معطوف علیہ اور معطوف دونوں پر ترتیب کے ساتھ فعل یا معنائے فعل کا حکم لگاتا ہے اور یہ اولا معطوف علیہ پر حکم لگاتا ہے اور پھر بغیر تاخیر کے معطوف پر، جیسے: "جاء زيد فعمرو." یعنی پہلے زید آیا اور ساتھ ہی عمرو آگیا۔

"ثمّ": معطوف علیہ اور معطوف دونوں پر ترتیب کے ساتھ فعل یا معنائے فعل کا حکم لگاتا ہے اور یہ اولا معطوف علیہ پر حکم لگاتا ہے اور پھر تاخیر سے معطوف پر، جیسے: "جاء زيد ثمّ عمرو." یعنی پہلے زید آیا پھر تاخیر سے عمرو آیا۔

الترکیب

قوله: "مع التعقيب" مفعول فيه ل"الترتيب"، و"في الفاء" متعلق به.

وَالْبَدَلُ يَكُوْنُ لِزِيَادَةِ التَّقْرِيْرِ وَالْإِيْضَاحِ نَحْوُ قَدِمَ ابْنِيْ عَلِيٌّ فِيْ بَدَلِ الْكُلِّ وَسَافَرَ الْجُنْدُ أَغْلَبُهُ فِيْ بَدَلِ الْبَعْضِ وَنَفَعَنِيَ الْأُسْتَاذُ عِلْمُهُ فِيْ بَدَلِ الْاِشْتِمَالِ ...

ترجمہ: اور بدل تقریر اور ایضاح کی زیادتی کے لیے آتا ہے، جیسے: میرا بیٹا علی آیا۔ بدلِ کل میں، اور: اکثر سپاہیوں نے سفر کیا۔، بدلِ بعض میں اور: مجھے میرے استاذ کے علم نے نفع دیا۔، بدلِ اشتمال میں۔

تشریح: بدل ایسا تابع ہے جس پر بلاواسطہ فعل یا معنائے فعل کا حکم قصد الگایا جاتا ہے۔ بدل کی یہاں پر تین قسمیں ذکر کی گئی ہیں بدلِ کل، بدلِ بعض اور بدلِ اشتمال۔

بدلِ کل سے مراد ایسا تابع ہے جو متبوع کا عین ہو، جیسے: "قدم ابني علي." مثال میں "علي" بدل کل ہے "ابني" متبوع کے لیے یعنی "علي" عین ہے "ابني" کا، اور دونوں کی مراد ایک ہی ہے۔

بدلِ بعض سے مراد ایسا تابع ہے جو متبوع کا بعض ہو، جیسے: "سافر الجند أغلبه." مثال میں "أغلبه" بدل بعض ہے "الجند" کے لیے یعنی لشکر کے تمام افراد نے نہیں بلکہ اکثر افراد نے سفر کیا۔

بدل اشتمال سے مراد ایسا تابع ہے جو متبوع کا نہ عین ہو اور نہ ہی بعض ہو بلکہ متعلّق ہو، جیسے: "نفعني الأستاذ علمه." مثال میں "علمه" بدلِ اشتمال ہے "الأستاذ" کے لیے یعنی علم استاذ کا نہ عین ہے اور نہ ہی جزو بلکہ متعلق ہے۔

فائدہ: بدل کا بنیادی مقصد مبدل منہکے معنی کی وضاحت اور پختگی ہے، جیسے بدلِ کل کی مثال میں "علي" بدل "ابني" مبدل منہ کے معنی کی وضاحت اور پختگی کے لیے آیا ہے۔

اَلْبَابُ السَّادِسُ فِي الْقَصْرِ

اَلْقَصْرُ تَخْصِيْصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ بِطَرِيْقٍ مَخْصُوْصٍ وَيَنْقَسِمُ إِلَى حَقِيْقِيٍّ وَإِضَافِيٍّ فَالْحَقِيْقِيُّ مَا كَانَ الْإِخْتِصَاصُ فِيْهِ بِحَسَبِ الْوَاقِعِ وَالْحَقِيْقَةِ لَا بِحَسَبِ الْإِضَافَةِ إِلَى شَيْءٍ آخَرَ نَحْوُ لَا كَاتِبَ فِي الْمَدِيْنَةِ إِلَّا عَلِيٌّ إِذَا لَمْ يَكُنْ غَيْرُهُ فِيْهَا مِنَ الْكُتَّابِ وَالْإِضَافِيُّ مَا كَانَ الْإِخْتِصَاصُ فِيْهِ بِحَسَبِ الْإِضَافَةِ إِلَى شَيْءٍ مُعَيَّنٍ نَحْوُ مَا عَلِيٌّ إِلَّا قَائِمٌ أَيْ إِنَّ لَهُ صِفَةَ الْقِيَامِ لَا صِفَةَ الْقُعُوْدِ وَلَيْسَ الْغَرَضُ نَفْيَ جَمِيْعِ الصِّفَاتِ عَنْهُ مَا عَدَا صِفَةَ الْقِيَامِ ...

چھٹا باب قصر کے بارے میں ہے۔

ترجمہ: قصر سے مراد ایک شے کو مخصوص طریقہ سے دوسری شے کے ساتھ خاص کرنا ہے اور یہ قصر حقیقی اور اضافی کی طرف تقسیم ہوتا ہے۔ بہر حال قصر حقیقی وہ جس میں اختصاص واقع اور حقیقت کے اعتبار سے ہو نہ کہ دوسری شے کی طرف نسبت کے لحاظ سے، جیسے: شہر میں سوائے علی کے کوئی کاتب نہیں ہے جب اس کے علاوہ شہر میں کوئی اور کاتب نہ ہو۔ اور اضافی وہ جس میں اختصاص شے معین کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہو، جیسے: علی نہیں مگر کھڑا۔ یعنی علی کے لیے صفتِ قیام ہے نہ کہ صفتِ قعود اور علی سے صفتِ قیام کے علاوہ باقی تمام صفتوں کی نفی مقصود نہیں ہے۔

تشریح: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ خاص کر دینا قصر کہلاتا ہے، اس کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں پہلی قصر حقیقی اور دوسری قصر اضافی۔ قصر حقیقی میں جب ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ خاص کیا جائے تو حقیقت کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے، جیسے پہلی مثال میں "کاتب" کو "علي" کے ساتھ خاص کیا گیا ہے حقیقت اور خارج کا لحاظ رکھتے ہوئے یعنی یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ شہر میں علی کے علاوہ کوئی اور ایسا آدمی نہیں جو کاتب ہو، صرف علی ہی ہے جو کاتب ہے۔ اور قصر اضافی میں جب ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے تو حقیقت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا بلکہ کسی معین شے کی طرف نسبت کرتے ہوئے ایک شے کو دوسری شے کے

ساتھ خاص کیاجاتاہے، جیسے دوسری مثال میں "قائم "کو"علي" کے ساتھ خاص کیا گیا ہے شے معین یعنی "قاعد" کی طرف نسبت کرتے ہوئے، اور یادرہے "قائم "کو خاص کرکے باقی صفات کی "علي" سے نفی نہیں کی گئی لہذا یہ کہناغلط ہو گا کہ علی صرف قائم ہے کاتب، قاری، عالم یاحافظ نہیں۔

التركيب

قوله: "بشيء" متعلق ب"تخصيص"، و"بطريق مخصوص" أيضاً متعلق به. قوله: "بحسب الواقع والحقيقة" خبر ل"كان"، و"بحسب الإضافة إلى شيء آخر" عطف على "بحسب الواقع"، و"لا" عاطفة.

وَكُلٌّ مِّنْهُمَا يَنْقَسِمُ إِلَى قَصْرِ صِفَةٍ عَلَى مَوْصُوْفٍ نَحْوُلَا فَارِسَ إِلَّا عَلِيٌّ وَقَصْرِ مَوْصُوْفٍ عَلَى صِفَةٍ نَحْوُ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ[87] فَيَجُوْزُ عَلَيْهِ الْمَوْتُ ...

ترجمہ: اور ان دونوں میں سے ہر ایک تقسیم ہوتا ہے صفت کے موصوف پر قصر کی طرف، جیسے: کوئی شہسوار نہیں مگر علی۔ اور موصوف کے صفت پر قصر کی طرف، جیسے: محمد نہیں ہیں مگر رسول۔ پس ان پر موت جائز ہے۔

تشریح: قصر حقیقی اور اضافی میں سے ہر ایک کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

1. صفت کا موصوف پر قصر یعنی صفت ذکر کردہ موصوف کے ساتھ خاص ہے، کسی دوسرے موصوف میں نہیں پائی جاتی اگرچہ ذکر کردہ موصوف میں کوئی اور صفت بھی پائی جانا ممکن ہے، جیسے: "فارس" کا قصر ہے "علي" پر لہذا کوئی دوسرا "فارس" نہیں ہے تاہم "علي" کا شجاع، سخی یا قاری ہونا ممکن ہے۔
2. موصوف کا صفت پر قصر یعنی موصوف ذکر کردہ صفت کے ساتھ خاص ہے کوئی دوسری صفت موصوف میں نہیں پائی جا سکتی اگرچہ ذکر کردہ صفت کا کسی دوسرے موصوف میں پایا جانا ممکن ہے، جیسے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قصر اضافی ہے وصفِ رسالت پر یعنی "محمّد" خاص ہیں ذکر کردہ صفت "رسول" کے ساتھ، نسبت کرتے ہوئے "خالد في الدنيا" اور "بعيد من الموت" کی طرف لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موت کی حضوری جائز ہے تاہم ذکر کردہ صفت (رسول) کسی اور موصوف میں پایا جانا ممکن ہے، جیسے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام۔

التركيب

قوله: "كل منهما" مبتدأ ل"ينقسم"، وقوله: "قصر موصوف على صفة عطف على قوله: "قصر صفة على موصوف".

---

[87] سورة آل عمران: الآية: 144.

وَالْقَصْرُ الْإِضَافِيُّ يَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ حَالِ الْمُخَاطِبِ إِلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ قَصْرُ إِفْرَادٍ إِذَا اعْتَقَدَ الْمُخَاطِبُ الشِّرْكَةَ وَقَصْرُ قَلْبٍ إِذَا اعْتَقَدَ الْعَكْسَ وَقَصْرُ تَعْيِيْنٍ إِذَا اعْتَقَدَ وَاحِدًا غَيْرَ مُعَيَّنٍ...

ترجمہ: اور قصر اضافی مخاطب کے حال کی طرف نظر کرتے ہوئے تین قسموں کی طرف منقسم ہوتا ہے قصر افراد جب مخاطب کا اعتقاد شرکت کا ہو اور قصر قلب جب مخاطب عکس کا اعتقاد رکھتا ہو اور قصر تعیین جب مخاطب غیر معین واحد کا اعتقاد رکھے۔

تشریح: مخاطب کے لحاظ سے حصر اضافی کی تین قسمیں ہیں:

1. **حصر افراد:** مخاطب جب یہ اعتقاد رکھے کہ ذکر کردہ صفت کے ساتھ کوئی دوسری صفت بھی موصوف کے ساتھ خاص ہے یا پھر صفت میں ذکر کردہ موصوف کے ساتھ کوئی دوسرا موصوف بھی شریک ہے تو حصر افراد کرکے بتایا جاتا ہے کہ مذکور صفت کا حصر ہے موصوف پر یا مذکور موصوف کا حصر ہے صفت پر، جیسے صفت کا قصر موصوف پر اس کی مثال کچھ یوں ہے "**وما محمد إلّا رسول.**"صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دو صفتیں ثابت کیں رسالت اور موت سے براءت تو اللہ تبارک وتعالی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یعنی موصوف کا صفتِ رسالت پر حصر کرتے ہوئے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بتایا کہ موصوف صرف ذکر کردہ صفت کے ساتھ خاص ہے نہ کہ دوسری صفت (**تبرّي عن الموت**) کے ساتھ۔اور موصوف کا قصر صفت پر اس کی مثال کچھ یوں ہے "**ما قائم إلّا زيد.**" **مخاطب** کا اعتقاد تھا کہ صفت "**قائم**" میں مذکور موصوف "**زيد**" کے ساتھ کوئی دوسرا موصوف، مثلا: "**بکر**" بھی شریک ہے تو "**قائم**" کا "**زيد**" پر حصر کرکے بتایا کہ صفت میں کسی دوسرے کی شراکت نہیں بلکہ یہ صفت صرف زید کی ہے۔
2. **حصر قلب:** اس حصر کی تب ضرورت پیش آتی ہے جب مخاطب متکلم کے ثابت کردہ حکم کے عکس (خلاف) کا اعتقاد رکھے، جیسے: "**لا فارس إلّا علي.**" مثال میں مخاطب کا اعتقاد تھا

کہ "فارس" صرف "حسن" ہے نہ کہ "علي" پھر متکلم نے "علي" ذکر کرکے بتایا کہ فارسیت کا قصر علی پر ہے نہ کہ حسن پر، یہ مثال ہے موصوف کا قصر صفت پر۔ اور "لا علي إلّا فارس." مثال میں مخاطب کا اعتقاد تھا کہ علی "حافظالقرآن" ہے نہ کہ "فارس" پھر متکلم نے "فارس" ذکر کرکے بتایا کہ فارسیت کا قصر ہے علی پر نہ کہ "حافظ القرآن" کا، یہ مثال ہے صفت کا حصر موصوف پر۔ اس حصر کو قصر قلب اسی لیے کہتے ہیں کہ متکلم مخاطب کا حکم قلب یعنی تبدیل کر دیتا ہے۔

3. **حصر تعیین**: اس حصر کی تب ضرورت پیش آتی ہے جب مخاطب کو دو صفتوں میں سے ایک صفت یا دو موصوفوں میں سے ایک موصوف کو خاص کرنے کی ضرورت ہو لیکن مخاطب شاکی (Doubtful) ہو، جیسے: "ما عليّ إلّا قائم." مثال میں مخاطب کو دو صفتوں میں سے ایک کی تعیین میں شک اور پریشانی تھی کہ "عليّ إمّا قائم أو قاعد." پھر متکلم نے "قائم" ذکر کرکے تعیین کی، یہ مثال ہے صفت کا حصر موصوف پر۔ اور "ما قائم إلّا عليّ." مثال میں مخاطب کو دو موصوفوں میں سے ایک موصوف کی تعیین میں شک تھا کہ "القائم إمّا عليّ أو زيد." پھر متکلم نے "عليّ" ذکر کرکے تعیین کی، یہ مثال ہے موصوف کا حصر صفت پر۔

التركيب

قوله: "باعتبار حال المخاطب" متعلق ب "ينقسم"، و "إلى ثلاثة أقسام" أيضا متعلق به.

قوله: "قصر إفراد" خبر لمبتدأ مقدّر أي "هذا قصر أفراد". فالجملة جزاء مقدّم لما بعده.

وَلِلْقَصْرِ طُرُقٌ مِنْهَا النَّفْيُ وَالْاِسْتِثْنَاءُ نَحْوُ إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ[88] وَمِنْهَا "إِنَّمَا" نَحْوُ إِنَّمَا الْفَاهِمُ عَلِيٌّ وَمِنْهَا الْعَطْفُ بِلَا أَوْ بَلْ أَوْ لٰكِنْ نَحْوُ أَنَا نَاثِرٌ لَا نَاظِمٌ وَمَا أَنَا حَاسِبٌ بَلْ كَاتِبٌ وَمِنْهَا تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ نَحْوُ إِيَّاكَ نَعْبُدُ[89] ...

ترجمہ: اور قصر کے چند طریقے ہیں، ان میں سے نفی اور استثناء ہے، جیسے: یہ نہیں ہے مگر کریم فرشتہ۔ اور ان میں سے "إنّما" ہے، جیسے: بے شک سمجھدار علی ہی ہے۔ اور ان میں سے "لا" یا" بل" یا "لکن" کے ساتھ عطف ہے، جیسے: میں لکھاری ہوں نہ کہ شاعر۔ اور میں حاسب نہیں بلکہ کاتب ہوں۔ اور ان میں سے مقدم کرنا اس کو جسے مؤخر کرنا چاہیے تھا، جیسے: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

تشریح: حصر کے مختلف طریقے ہیں:

1. اداۃِ نفی اور اداۃِ استثناء، جیسے: "إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ." مثال میں "إن" حرف نفی اور "إلّا" حرفِ استثناء ذکر کرکے موصوف "هٰذَا" کا صفت "مَلَكٌ" پر قصر کیا گیا ہے۔
2. "إنّما"، جیسے: "إِنَّمَا الْفَاهِمُ عَلِيٌّ." مثال میں "إنّما" کے ذریعے صفت "الفاهم" کا موصوف "عليّ" پر قصر کیا گیا ہے۔
3. "لا"، "بل" یا "لکن" کے ساتھ عطف کرنا، جیسے: "أَنَا نَاثِرٌ لَا نَاظِمٌ." اور "مَا أَنَا حَاسِبٌ بَلْ كَاتِبٌ.": پہلی مثال میں "لا" کے ذریعے "ناظم" کا "ناثر" پر عطف کرکے جبکہ دوسری مثال میں "بل" کے ذریعے "کاتب" کا "حاسب" پر عطف کرکے موصوف کا صفت پر قصر کیا گیا ہے اور "لکن" کی مثال ذکر کرنے کی حاجت نہیں؛ کیونکہ "لکن" حصر کا فائدہ دینے میں "لا" کی مثل ہے۔
4. جس کا حق یہ ہے کہ مؤخر کیا جائے اس کو مقدم کرنا جیسے خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا جبکہ مبتدا نکرہ نہ ہو ورنہ تقدیم حصر کا فائدہ نہیں دے گی اور فعل کے معمولات کو مقدم کرنا، جیسے: "إِيَّاكَ نَعْبُدُ." مثال میں مفعول بہ کو مقدم کیا گیا ہے حالانکہ حق یہ تھا کہ اس کو فعل سے مؤخر کیا جاتا، پس

[88] سورۃ یوسف: الآیۃ 31.

[89] سورۃ الفاتحۃ: الآیۃ: 5.

اس تقدیم نے حصر کا فائدہ دیا یعنی اے رب! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں نہ کہ تیرے غیر کی۔

التركيب

قوله:"طرق" مبتدأ مؤخر ل"القصر". قوله:"النفي والاستثناء" مبتدأ مؤخر ل"منها".
قوله:"ما حقه التأخير" فالموصول مع الصلة مضاف إليه ل"تقديم"، و"حقه" مبتدأ ل"التأخير".

اَلْبَابُ السَّابِعُ فِي الْوَصْلِ وَالْفَصْلِ

اَلْوَصْلُ عَطْفُ جُمْلَةٍ عَلَى أُخْرَى وَالْفَصْلُ تَرْكُهُ وَالْكَلَامُ هَاهُنَا قَاصِرٌ عَلَى الْعَطْفِ بِالْوَاوِ؛ لِأَنَّ الْعَطْفَ بِغَيْرِهَا لَا يَقَعُ فِيْهِ اشْتِبَاهٌ وَلِكُلٍّ مِّنَ الْوَصْلِ بِهَا وَالْفَصْلِ مَوَاضِعُ فَمَوَاضِعُ الْوَصْلِ بِالْوَاوِ يَجِبُ الْوَصْلُ فِيْ مَوْضِعَيْنِ الْأَوَّلُ إِذَا اتَّفَقَتِ الْجُمْلَتَانِ خَبَرًا أَوْ إِنْشَاءً وَكَانَ بَيْنَهُمَا جِهَةٌ جَامِعَةٌ أَيْ مُنَاسَبَةٌ تَامَّةٌ وَلَمْ يَكُنْ مَانِعٌ مِنَ الْعَطْفِ نَحْوُ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ٥ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ[90] وَنَحْوُ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا[91] الثَّانِي إِذَا أَوْهَمَ تَرْكُ الْعَطْفِ خِلَافَ الْمَقْصُوْدِ كَمَا إِذَا قُلْتَ: لَا وَشَفَاهُ اللهُ جَوَابًا لِمَنْ يَسْأَلُكَ هَلْ بَرِئَ عَلِيٌّ مِنَ الْمَرَضِ؟ فَتَرْكُ الْوَاوِ يُوْهِمُ الدُّعَاءَ عَلَيْهِ وَغَرَضُكَ الدُّعَاءُ لَهُ...

ساتواں باب وصل اور فصل کے بارے میں ہے۔

ترجمہ: وصل سے مراد ایک جملہ کا دوسرے جملہ پر عطف کرنا ہے جبکہ فصل سے مراد اس عطف کو ترک کرنا ہے اور یہاں صرف عطف بالواو پر کلام ہو گا؛ کیونکہ واو کے علاوہ کسی دوسرے حرف سے عطف کرنے میں اشتباہ نہیں ہوتا۔ اور وصل و فصل میں سے ہر ایک کے مقامات ہیں۔ وصل بالواو کی جگہیں: دو جگہوں پر وصل واجب ہے پہلی یہ کہ جب دونوں جملے خبر یا انشاء ہونے میں متفق ہوں اور ان دونوں کے درمیان کوئی جہت جامعہ یعنی مناسبت تامہ ہو اور عطف سے کوئی مانع نہ ہو، جیسے: بے شک نیک لوگ نعیم میں ہونگے اور گنہ گار لوگ جحیم میں ہونگے۔ اور، جیسے: پس چاہیے کہ وہ کم ہنسے اور زیادہ روئیں۔ دوسری یہ کہ عطف کا ترک خلافِ مقصود بات کا وہم دلاتا ہو، جیسے جب آپ کہو: "لا وشفاہ اللہ" سائل کے سوال کے جواب میں کہ کیا علی مرض سے صحت یاب ہو گیا؟ پس عطف کا ترک علی کے حق میں بد دعا کا وہم دلاتا ہے حالانکہ آپ کا مقصد علی کے حق میں دعا کرنا ہے۔

---

[90] سورۃ الانفطار: الآیۃ: 14 13.

[91] سورۃ التوبۃ: الآیۃ: 82.

تشریح: وصل کا لغوی معنی ملانا ہے جبکہ اصطلاحی معنی دو جملوں کو حرفِ عطف کے ذریعے ملانا اور فصل کا لغوی معنی جدا کرنا جبکہ اصطلاحی معنی دو جملوں کو ایک دوسرے سے جدا رکھنا اور بذریعہ حرفِ عطف نہ ملانا۔ یہاں حرفِ عطف سے مراد صرف "واو" ہے دیگر حروف عاطفہ کے متعلق گفتگو نہیں ہوگی اور "واو" کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ "واو" اپنے مابعد کو ماقبل کے اعراب میں شریک کرتا ہے جبکہ دیگر حروف عاطفہ اس عمل کے ساتھ ساتھ دیگر اور معانی کا بھی فائدہ دیتے ہیں، جیسے "ثمّ" اپنے مابعد کو اپنے ماقبل کے اعراب میں شریک کرتا ہے لیکن ساتھ میں تراخی مع التعقیب کا معنی بھی دیتا ہے، جیسے: "**جاء زيد ثمّ عمرو**." یعنی زید آیا پھر عمرو آیا۔ ایسے ہی "ف" اپنے مابعد کو اپنے ماقبل کے اعراب میں شریک کرتا ہے لیکن ساتھ میں تعقیب بدون التراخی کا معنی بھی دیتا ہے، جیسے: "**جاء زيد فعمرو**." یعنی زید آیا پھر فوراً عمرو آیا، لہٰذا "واو" میں معنی کے لحاظ سے اشتباہ ہے جبکہ دیگر حروف عاطفہ میں معنی کے لحاظ سے کوئی اشتباہ نہیں، اسی لیے یہاں پر عطف بالواو پر بات کرنے کی ضرورت ہے۔

مواضع الوصل: درج ذیل صورتوں میں وصل واجب ہے:

1. جب دونوں جملے خبریہ یا انشائیہ ہوں اور دونوں کے مسند الیہ اور مسند کے درمیان باہم مناسبت ہو، نیز عطف سے کوئی رکاوٹ نہ ہو، جیسے: "**إِنَّ الأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ**." دونوں جملے خبریہ ہیں اور دونوں جملوں کے مسند الیہ اور مسند کے درمیان مناسبت ہے کہ "أبرار" ضد ہے "**فجار**" کی اور **نعیم** میں ہونا **جحیم** میں ہونے کی ضد ہے اور عطف سے کوئی رکاوٹ بھی نہیں۔ ایسے ہی "**فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا**." دونوں جملے انشائیہ ہیں اور دونوں کے اطراف میں مناسبت ہے کہ مسند الیہ دونوں میں ایک ہے پھر قلیل ضحک ضد ہے کثیر بکاء کی اور عطف سے کوئی مانع بھی نہیں۔

فائدہ: ان دونوں مثالوں میں جہت جامعہ تضاد ہے۔

2. عطف کو ترک کرنے کی صورت میں خلافِ مقصود کا وہم ہو یعنی جو بات آپ کہنا چاہ رہے ہیں وہ صرف عطف کی صورت میں کہی جا سکتی ہو اور اگر عطف نہ کیا جائے تو اس بات کا الٹ سمجھ آئے، جیسے کسی سائل نے آپ سے پوچھا: "**هل برئ علي من المرض**؟" تو آپ نے جواب میں

کہا:"لَا وَشَفَاهُ اللہُ."یعنی نہیں اور اللہ اسے شفا دے۔یہاں اگر عطف نہ کیا جاتا تو بات الٹ ہو جاتی یعنی عطف نہ کرنے کی صورت میں یہ دونوں جملے بد دعا کا روپ دھارتے جبکہ آپ کا مقصد دعا دینا ہے۔

فائدہ:"لا وشفاہ اللہ."اصل میں"لا برئ علي وشفاہ اللہ."ہے اور عطف نہ کرنے کی صورت میں جملہ"لا شفاہ اللہ."ہو گا جس کا مطلب ہے"اللہ اسے شفا نہ دے"۔

التركيب

قوله:"على أخرى" متعلق ب"عطف"، وهو خبر ل"الوصل". قوله:"هاهنا" مفعول فيه مقدّم ل "قاصر". قوله:"لا يقع فيه اشتباه" خبر ل"أن". قوله:"مواضع" مبتدأ مؤخّر ل"لكل من الوصل بها والفصل". قوله:"فمواضع الوصل بالواو" مبتدأ لخبر محذوف دل عليه ما بعده أي "موضعان".

مَوَاضِعُ الْفَصْلِ

يَجِبُ الْفَصْلُ فِيْ خَمْسَةِ مَوَاضِعَ الْأَوَّلُ أَنْ يَّكُوْنَ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ اتِّحَادٌ تَامٌّ بِأَنْ تَكُوْنَ الثَّانِيَةُ بَدَلًا مِنَ الْأُوْلَى نَحْوُ أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ o أَمَدَّكُم بِأَنْعَامٍ وَبَنِيْنَ[92] أَوْ بِأَنْ تَكُوْنَ بَيَانًا لَهَا نَحْوُفَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ[93]أَوْ بِأَنْ تَكُوْنَ مُؤَكِّدَةً لَهَا نَحْوُ فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا[94] وَيُقَالُ فِيْ هٰذَا الْمَوْضِعِ إِنَّ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ كَمَالَ الْاِتِّصَالِ...

فصل کے مواضع

ترجمہ: پانچ جگہوں پر فصل واجب ہے۔ پہلی یہ کہ دونوں جملوں کے درمیان مکمل اتحاد ہو بایں صورت کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ سے بدل بنے، جیسے: اس نے تمہاری مدد کی ان چیزوں سے جو تمہیں معلوم ہیں، اس نے تمہاری مدد جانوروں اور بیٹوں کے ساتھ کی۔ یا دوسرا جملہ پہلے جملہ کے لیے بیان ہو، جیسے: تو شیطان نے اسے وسوسہ ڈالا، کہنے لگا: اے آدم! کیا تمہیں ہمیشہ رہنے کے درخت کے متعلق بتادوں؟ یا دوسرا جملہ پہلے جملہ کے لیے مؤکد ہو، جیسے: پس تم کافروں کو ڈھیل دو، انہیں کچھ تھوڑی سی مہلت دو۔ اور اس جگہ پر دونوں جملوں کے درمیان کمال درجہ اتصال ہے۔

تشریح: جن مقامات پر فصل واجب ہے وہ پانچ ہیں:

مقام اول: پہلے جملہ اور دوسرے جملہ کے درمیان کمال درجہ اتحاد ہو اور کمال درجہ اتحاد کی تین صورتیں ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:۔

---

[92] سورۃ الشعراء: الآیات: 133 132.

[93] سورۃ طه: الآیة: 120.

[94] سورۃ الطارق: الآیة: 17.

1. دوسرا جملہ پہلے جملہ سے بدل بنے، جیسے: "أَمَدَّكُم بِمَا تَعْلَمُونَ ۝ أَمَدَّكُم بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ." دونوں جملوں کے درمیان اتحادِ تام ہے کہ دوسرا پہلے سے بدل بن رہا ہے لہذا عطف بالواو کی حاجت نہیں۔
2. دوسرا جملہ پہلے جملہ کا بیان ہو، جیسے: "فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هل أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ.": "قال" سے آخر تک دوسرا جملہ ہے اور "فوسوس إليه الشيطان." پہلا جملہ ہے اور دوسرے جملہ کا پہلے جملہ پر عطف بالواو نہیں ہے؛ کیونکہ دونوں جملوں کے درمیان مکمل اتحاد ہے؛ کیونکہ دوسرے جملہ کے ذریعے شیطان کے وسوسہ کو بیان کیا جارہا ہے۔
3. دوسرا جملہ پہلے جملہ کی تاکید بنے، جیسے: "فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا." میں "أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا." تاکید ہے "فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ." کی؛ کیونکہ دوسرے جملہ کے ذریعے پہلے جملہ کے معنی کو پختہ کیا جارہا ہے اور وہ معنی کافروں کو مہلت دینا ہے۔ بہر حال کمال درجہ اتحاد ہونے کی وجہ سے یہاں پر فصل واجب ہے۔

فائدہ: ذکر کردہ صورت کمال درجہ اتصال کی ہے۔

التركيب

قوله: "الأول" صفة للمحذوف أي الموضع. قوله: "بأن تكون الثانية" إلخ متعلق ب"تامّ". قوله: "إن بين الجملتين كمال الاتصال" فالجملة بتأويل المفرد نائب الفاعل ل"يقال".

الثَّانِي أَنْ يَّكُوْنَ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ تَبَايُنٌ تَامٌّ بِأَنْ يَّخْتَلِفَا خَبَرًا وَإِنْشَاءً كَقَوْلِهِ:

وَقَالَ رَائِدُهُمْ أَرْسُوْا[95] نُزَاوِلُهَا : فَحَتْفُ كُلِّ امْرِئٍ يَجْرِيْ بِمِقْدَارِ

أَوْ بِأَنْ لَا يَكُوْنَ بَيْنَهُمَا مُنَاسَبَةٌ فِي الْمَعْنَى كَقَوْلِكَ: عَلِيٌّ كَاتِبٌ، اَلْحَمَامُ طَائِرٌ فَإِنَّهُ لَا مُنَاسَبَةَ فِي الْمَعْنَى بَيْنَ كِتَابَةِ عَلِيٍّ وَطَيَرَانِ الْحَمَامِ وَيُقَالُ فِيْ هٰذَا الْمَوْضِعِ إِنَّ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ كَمَالَ الْإِنْقِطَاعِ...

ترجمہ: دوسری جگہ یہ کہ دونوں جملوں کے درمیان مکمل تباین ہو بایں صورت کہ دونوں خبر اور انشاء ہونے میں مختلف ہوں، جیسے اس کا قول: اور ان کے نمائندے نے کہا یہیں ٹھر جاؤ یا اپنے آپ کو ٹھرالو ہم ان سے قتال کریں گے؛ کیونکہ ہر جان کو موت اپنے وقت پر آکر رہے گی۔ یا ان دونوں جملوں کے درمیان معنوی مناسبت نہ ہو، جیسے تیرا قول: علی کاتب ہے، کبوتر ایک پرندہ ہے۔؛ کیونکہ علی کے کاتب ہونے اور کبوتر کے پرندہ ہونے میں کوئی مناسبت نہیں۔ اور اس جگہ دونوں جملوں کے درمیان کمال درجہ انقطاع ہے۔

تشریح: اگر دونوں جملوں کے درمیان تباین تام ہو تو فصل واجب ہے۔ تباین تام کی دو صورتیں ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. دونوں جملے خبر و انشاء میں مختلف ہوں یعنی ایک جملہ خبریہ ہو اور دوسرا انشائیہ ہو، جیسے: "أَرْسُوْا نُزَاوِلُهَا." مثال میں "أَرْسُوْا" جملہ انشائیہ ہے اور "نُزَاوِلُهَا" جملہ خبریہ ہے، لہذا ان کے درمیان کامل تباین اور تضاد ہے اسی لیے عطف نہیں کیا گیا۔
2. دونوں جملوں میں معنوی مناسبت نہ ہو اگرچہ خبر یا انشاء میں دونوں متحد ہوں، جیسے: "علي كاتب، الحمام طائر." مثال میں کبوتر کے پرندہ ہونے اور علی کے کاتب ہونے میں معنوی لحاظ سے کوئی مناسبت نہیں لہذا ان کے درمیان کامل تباین ہوا اسی لیے عطف نہیں کیا گیا۔

فائدہ: ذکر کردہ صورت کمال درجہ انقطاع کی ہے۔

[95] أمر من الإرساء وحروفه الأصلية ر س ي.

التركيب

قوله: "فحتف امرئ" مبتدأ لما بعده. قوله:"بأن لا يكون" إلخ عطف على قوله: "بأن يختلفا" قوله "في المعنى" متعلق ب"مناسبة".

اَلثّالِثُ كَوْنُ الْجُمْلَةِ الثّانِيَةِ جَوَابًا عَنْ سُؤَالٍ نَشَأَ مِنَ الْجُمْلَةِ الْأُوْلَى كَقَوْلِهِ:

زَعَمَ العَوَاذِلُ أَنَّنِي فِي غَمْرَةٍ
صَدَقُوْا وَلَكِنَّ غَمْرَتِيْ لَا تَنْجَلِيْ

كَأَنَّهُ قِيْلَ أَصَدَقُوْا فِيْ زَعْمِهِمْ أَمْ كَذَبُوا؟ فَقَالَ: صَدَقُوْا وَيُقَالُ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ شِبْهُ كَمَالِ الْاِتِّصَالِ...

ترجمہ: تیسری جگہ یہ کہ دوسرا جملہ پہلے جملے سے اٹھنے والے سوال کا جواب بنے، جیسے: ملامت کرنے والوں کو گمان ہے کہ میں سخت تکلیف میں ہوں، انہوں نے سچ کہا لیکن میری تکلیف ختم ہونے والی نہیں۔ گویا کہ کہا گیا: کیا وہ اپنے گمان میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ پس اس نے کہا کہ وہ سچے ہیں۔ اور یہاں دو جملوں کے درمیان کامل اتصال کا شبہ ہے۔

تشریح: جب دوسرا جملہ پہلے جملے سے اٹھنے والے سوال کا جواب ہو تو فصل واجب ہے، جیسے ذکر کردہ شعر میں "زعم العواذل." پہلا جملہ ہے اور "صدقوا." دوسرا جملہ، پہلا جملہ سن کر سوال پیدا ہوا: کیا یہ لوگ اپنے گمان میں سچے ہیں؟ تو دوسرے جملہ سے جواب دیا گیا: ہاں وہ اپنے گمان میں سچے ہیں۔ چونکہ سوال وجواب میں اگرچہ تعلق اور اتصال ہوتا ہے لیکن ویسا کامل اتصال نہیں جیسا بدل کا مبدل منہ، عطف بیان کا مبین اور تاکید کا مؤکد سے ہوتا ہے؛ کیونکہ سوال اور جواب کے درمیان مغایرت ہوتی ہے اسی وجہ سے اس صورت کو کمالِ اتصال کے مشابہ کہا گیا ہے۔

الترکیب

قوله: "عن سؤال" متعلق ب"كون". وقوله: "نشأ من الجملة الأولى" صفة ل"سؤال".

اَلرَّابِعُ أَنْ تَسْبَقَ جُمْلَةٌ بِجُمْلَتَيْنِ يَصِحُّ عَطْفُهَا عَلَى إِحْدَيْهِمَا لِوُجُوْدِ الْمُنَاسَبَةِ وَفِيْ عَطْفِهَا عَلَى الْأُخْرَى فَسَادٌ فَيُتْرَكُ الْعَطْفُ دَفْعًا لِلْوَهْمِ كَقَوْلِهِ:

وَتَظُنُّ سَلْمَى أَنَّنِيْ أَبْغِيْ بِهَا : بَدَلًا أُرَاهَا فِي الضَّلَالِ تَهِيْمُ

فَجُمْلَةُ "أُرَاهَا" يَصِحُّ عَطْفُهَا عَلَى "تَظُنُّ" لٰكِنْ يَمْنَعُ مِنْ هٰذَا تَوَهُّمُ الْعَطْفِ عَلَى جُمْلَةِ "أَبْغِيْ بِهَا" فَتَكُوْنُ الْجُمْلَةُ الثَّالِثَةُ مِنْ مَظْنُوْنَاتِ سَلْمَى مَعَ أَنَّهُ لَيْسَ مُرَادًا وَيُقَالُ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ فِيْهٰذَا الْمَوْضِعِ شِبْهُ كَمَالِ الْاِنْقِطَاعِ...

ترجمہ: چوتھی جگہ یہ کہ جملہ سے پہلے دو جملے اس حیثیت سے ہوں کہ اس جملہ کا دو جملوں میں سے ایک جملہ پر مناسبت کی وجہ سے عطف کرنا درست ہو لیکن دوسرے جملہ پر عطف کرنا باعثِ فساد ہو لہذا وہم دور کرنے کی خاطر عطف ترک کر دیا جائے، جیسے اس کا قول: اور سلمی کا خیال ہے کہ میں اس کے علاوہ کسی اور کو چاہتا ہوں میں اسے گمراہی میں بھٹکتا محسوس کرتا ہوں۔ پس "أراها" جملے کا عطف کرنا "تظنّ" پر درست ہے لیکن اس سے مانع "أبغي بها" جملہ پر عطف کا توہم ہے کہ اس صورت میں تیسرا جملہ سلمی کے مظنونات میں سے قرار پائے گا حالانکہ ایسا نہیں اور اس صورت میں دونوں جملوں کے درمیان کمالِ انقطاع کا شبہ ہے۔

تشریح: فصل کا چوتھا مقام یہ ہے کہ تین جملے ذکر کیے جائیں ان میں سے تیسرے اور پہلے جملے کے درمیان مناسبت کی وجہ سے تیسرے جملہ کا پہلے جملہ پر عطف کرنا درست ہو لیکن عطف ترک کر دیا جائے تاکہ عطف کرنے کی صورت میں تیسرے جملے کا دوسرے جملے پر عطف کا وہم نہ ہو، جیسے: "أراها." یہ تیسرا جملہ ہے اور اس کا عطف کرنا پہلے جملہ یعنی "تظنّ" پر درست ہے؛ کیونکہ دونوں جملوں کے اطراف میں مناسبت ہے یعنی پہلے جملے کا مسند الیہ محبوبہ ہے جبکہ تیسرے جملہ کا مسند الیہ محبّ ہے اور یہ شبہِ تضایف ہے یعنی محبوب و محب میں سے ہر ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف ہے۔ ایسے ہی پہلے جملے اور تیسرے جملے کے مسند میں معنوی اتحاد ہے یعنی "تظنّ" اور "أري" دونوں کا معنی ایک ہے لہذا یہ کہنا درست ہو گا کہ سلمی کا گمان یہ ہے اور میرا یہ لیکن اس اتحاد کے باوجود فصل واجب ہے؛ کیونکہ وصل کی صورت میں تیسرا جملہ دوسرے جملے "أبغي بها" کے قریب ہے بلکہ متصل ہے۔ اس لیے وہم ہو گا کہ تیسرے کا عطف دوسرے جملہ پر ہے لیکن اس صورت میں

شعر کا معنی بگڑ جائے گا؛ کیونکہ شعر کا مطلب ہو گا کہ جس طرح سلمی میرے بارے میں یہ خیال رکھتی ہے کہ میں کسی اور کے چکروں میں ہوں ایسے ہی وہ یہ خیال بھی رکھتی ہے کہ میں اس کو رستے سے بھٹکا ہوا گمان کرتا ہوں حالانکہ سلمی کا یہ خیال نہیں؛ کیونکہ سلمی کو بھٹکتا ہوا دیکھنا شاعر کا خیال ہے۔

فائدہ: ذکر کردہ صورت کو کمالِ انقطاع کے مشابہ اسی لیے قرار دیا گیا کہ اگرچہ تیسرے جملے کا پہلے جملہ پر عطف کرنا درست ہے ؛ کیونکہ ان دونوں جملوں کے درمیان کمالِ انقطاع نہیں لیکن وصل کی صورت میں، مراد میں بگاڑ کا پورا وہم ہے اس لیے دونوں جملوں کے درمیان کمالِ انقطاع کا شبہ قرار دے کر فصل واجب رکھی گئی۔

التركيب

قوله:"يصح عطفها على إحديهما" صفة ل"جملتين"،وقوله:"لوجود المناسبة" متعلق ب"يصح". قوله:"فساد" مبتدأ مؤخر ل"في عطفها على الأخرى"،وقوله:"دفعا" مفعول لأجله ل"فيترك". قوله:"تهيم" حال من ضمير المفعول في "أراها"، و"في الضلال" متعلق ب"تهيم". قوله:"توهم العطف" فاعل ل"يمنع"،وقوله:"مع أنه ليس مرادا" مفعول فيه ل"فتكون".

اَلْخَامِسُ أَنْ لَا يُقْصَدَ تَشْرِيْكُ الْجُمْلَتَيْنِ فِي الْحُكْمِ لِقِيَامِ مَانِعٍ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِيْنِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهزِئُوْنَ ٥ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ[96] فَجُمْلَةُ "اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ" لَا يَصِحُّ عَطْفُهَا عَلَى "إِنَّا مَعَكُمْ" لِاقْتِضَائِهِ أَنَّهُ مِنْ مَقُوْلِهِمْ وَلَا عَلَى جُمْلَةِ "قَالُوْا" لِاقْتِضَائِهِ أَنَّ اسْتِهْزَاءَ اللّٰهِ تَعَالَى بِهِمْ مُقَيَّدٌ بِحَالِ خُلُوِّهِمْ إِلَى شَيَاطِيْنِهِمْ وَيُقَالُ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ فِيْ هٰذَا الْمَوْضِعِ تَوَسُّطٌ بَيْنَ الْكَمَالَيْنِ...

ترجمه: پانچویں جگہ یہ کہ کسی مانع کی وجہ سے دو جملوں کو ایک حکم میں شریک کرنا مقصود نہ ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: اور جب اپنے شیطانوں کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف ہنسی مذاق کرتے ہیں، اللہ ان کی ہنسی مذاق کا انہیں بدلہ دے گا۔ پس "**اللّٰه يستهزئ بهم**" جملہ کا عطف کرنا "**إنا معكم**" پر درست نہیں ؛ کیونکہ عطف تقاضا کرتا ہے کہ یہ جملہ بھی انہیں کا قول بنے اور نہ ہی اس کا عطف "**قالوا**" جملہ پر درست ہے ؛ کیونکہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ اللہ کا ان کے ساتھ استہزاء تب ہو جبکہ وہ اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوں اور اس صورت میں دونوں جملوں کے درمیان توسط بین الکمالین کہلائے گا۔

تشریح: فصل کا پانچواں مقام یہ ہے کہ دوسرے جملہ کو پہلے جملہ کے ساتھ حکم اعرابی میں کسی رکاوٹ کی وجہ سے شریک نہ کرنا اور رکاوٹ یہ ہے کہ دونوں جملوں کو حکم اعرابی میں اگر شریک کیا جاتا ہے تو کلام میں خلل اور فساد آتا ہے لہٰذا اس خلل اور فساد سے بچنے کے لیے فصل کو واجب رکھا گیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں "**اللّٰه يستهزئ بهم.**" کا عطف "**إنا معكم.**" پر کرنا درست نہیں ؛ کیونکہ عطف کی صورت میں معنی ہو گا کہ منافقین جب اپنے بڑے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو محض ان کے ساتھ مذاق مسخری کر رہے تھے اور اللہ ان کے ساتھ خفیہ تدبیر فرماتا ہے۔ اس معنی سے پتہ چل رہا ہے

[96] سورة البقرة: الآية: 15 14.

کہااللہ ان کے ساتھ خفیہ تدبیر فرماتا ہے، یہ جملہ بھی منافقین نے کہا ہے حالانکہ ایسا نہیں؛ کیونکہ یہ جملہ اللہ تعالی کا ہے۔

ایسے ہی "الله یستهزئ بهم ." کا عطف "قالوا" پر بھی درست نہیں؛ کیونکہ عطف تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالی منافقین کے بارے میں خفیہ تدبیر تب ہی فرماتا ہے جبکہ وہ اپنے بڑوں کے پاس تنہا ہوں ورنہ نہیں حالانکہ اللہ تعالی کی ان کے ساتھ خفیہ تدبیر ہر لمحہ اور ہر وقت ہے کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں۔ اس خرابی کے لازم آنے کی وجہ یہ ہے کہ جب "اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ." کا عطف "قَالُوا" پر ہو تو یہ دونوں جملے "إذا خلوا" کی جزا بنے گے اور یقیناشرط جزا کے لیے قید ہوتی ہے لہذا منافقین کی خلوت، اللہ تعالی کی خفیہ تدبیر کے لیے قید بن گئی اور معنی ہوا کہ اللہ تعالی منافقین کے ساتھ بدلہ کی تدبیر ضرور فرماتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ منافقین اپنے سرداروں کے ساتھ تنہا ہوں اور اگر تنہا نہیں تو بدلہ کی تدبیر بھی نہیں۔

فائدہ: اس صورت کو کمال انقطاع اور کمال اتصال کے درمیان واسطہ قرار دیا گیا؛ کیونکہ اس صورت میں دونوں جملوں کے درمیان اتحاد نہیں مطلب دوسرا جملہ پہلے جملے سے بدل، پہلے جملہ کے لیے عطفِ بیان یا پہلے جملہ کی تاکید نہیں بن رہا لہذا من کل الوجوہ یعنی ہر لحاظ سے کمالِ اتصال نہ رہا اور پھر دونوں جملوں کے درمیان تضاد بھی نہیں مطلب دوسرا جملہ پہلے جملے کے مخالف ہو خبریت یا انشائیت میں یا دونوں کے درمیان مناسبت معنوی نہ ہو لہذا من کل الوجوہ کمالِ انقطاع نہ رہا بلکہ یہ صورت بین بین ہوئی یعنی دوسرا جملہ پہلے جملے کے مخالف ہے مفہوم میں اور پہلے جملے کے موافق ہے خبریت میں لہذا اس صورت کو کمالِ انقطاع اور کمالِ اتصال کے درمیان واسطہ قرار دیا گیا۔

التركيب

قوله: "في الحكم" متعلق ب"تشريك"، و"لقيام مانع" متعلق ب"لا يقصد". قوله: "على جملة قالوا" عطف على قوله: "إنا معكم". قوله: "لاقتضائه أن استهزاء الله إلخ" عطف على قوله: "لاقتضائه أنه من مقولهم".

اَلْبَابُ الثَّامِنُ فِي الْإِيْجَازِ وَالْإِطْنَابِ وَالْمُسَاوَاةِ

كُلُّ مَا يَجُوْلُ فِي الصَّدْرِ مِنَ الْمَعَانِي يُمْكِنُ أَنْ يُّعَبَّرَ عَنْهُ بِثَلَاثِ طُرُقٍ الْمُسَاوَاة وَهِيَ تَأْدِيَةُ الْمَعْنَى الْمُرَادِ بِعِبَارَةٍ مُسَاوِيَةٍ بِأَنْ تَكُوْنَ عَلَى الْحَدِّ الَّذِيْ جَرَى بِهِ عُرْفُ أَوْسَاطِ النَّاسِ وَهُمُ الَّذِيْنَ لَمْ يَرْتَقُوْا إِلَى دَرَجَةِ الْبَلَاغَةِ وَلَمْ يَنْحَطُّوْا إِلَى دَرَجَةِ الْفَهَاهَةِ نَحْوُ: وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْ اٰيٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ[97]...

آٹھواں باب ایجاز، اطناب اور مساواۃ کے بارے میں ہے۔

ترجمہ: جو بات دل میں قرار پکڑے اسے زبان پر لانے کے تین طریقے ہیں۔ **مساواۃ:** اس سے مراد معنی مرادی ادا کرنے میں مساوی عبارت کا انتخاب ہے بایں معنی عبارت اتنی ذکر کرنا جس پر اوساطِ ناس کا عرف ہو اور اوساطِ ناس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بلاغت کے درجہ کو نہ پہنچے ہوں اور نہ ہی کلام سے بالکل عاجز ہوں، جیسے: اور جب تو انہیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں بیہودہ گفتگو کرتے ہیں، تو ان سے منہ پھیر لے۔

تشریح: کلام کو تعبیر کرنے کے بلغاء کے ہاں تین طریقے ہیں۔ سب سے پہلا طریقہ **مساواۃ** یعنی جتنی بات اتنے الفاظ، نہ کم اور نہ زیادہ۔ یاد رہے مساواۃ میں درمیانے طبقہ کے محاورہ کا لحاظ رکھا جاتا ہے، درمیانہ طبقہ ایسا ہو جن کو نہ تو بلیغ کہا جا سکے اور نہ ہی کلام سے عاجز گونگے۔ مساواۃ پر جو قرآن پاک سے مثال ذکر کی اس میں الفاظ معنی کے مطابق ہیں نہ معنی سے زیادہ اور نہ ہی کم یعنی قرآنی آیات پر عیب جوئی کرنے والوں سے کنارہ کشی کا حکم دینے کے لیے جتنے الفاظ چاہیے تھے اتنے ہی ذکر کیے گئے ہیں نہ کم کہ کہنا پڑے یہاں یہ لفظ یا عبارت محذوف ہے اور نہ زیادہ کہ کہنا پڑے یہ مترادف الفاظ ہیں۔

التركيب

قوله: "يمكن أن يعبر عنه بثلاث طرق" خبر ل"كل ما يجول في الصدر من المعاني".

قوله: "بأن يكون إلخ" متعلق ب"مساوية".

---

[97] سورة الأنعام: الآية: 68.

وَالْإِيْجَازُ وَهُوَ تَأْدِيَةُ الْمَعْنَى بِعِبَارَةٍ نَاقِصَةٍ عَنْهُ مَعَ وَفَائِهَا بِالْغَرَضِ نَحْوُ

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيْبٍ وَمَنْزِلِ

فَإِذَا لَمْ تَفِ بِالْغَرَضِ سُمِّيَ إِخْلَالًا كَقَوْلِهِ:

وَالعَيْشُ خَيْرٌ فِيْ ظِلَا : لِ النُّوْكِ مِمَّنْ عَاشَ كَدًّا

مُرَادُهُ أَنَّ الْعَيْشَ الرَّغَدَ فِيْ ظِلَالِ الْحُمْقِ خَيْرٌ مِنَ الْعَيْشِ الشَّاقِّ فِيْ ظِلَالِ الْعَقْلِ...

ترجمہ: اور ایجاز اور اس سے مراد معنی مرادی ادا کرنے کے لیے ایسی ناقص عبارت لانا جو ناقص ہونے کے باوجود کلام کا مقصد پورا کرے، جیسے: اے دوستوں! یہاں رک جاؤ تاکہ ہم اپنے حبیب اور اس کی قیام گاہ کا ذکر کر کے آنسو بہالیں۔ جب ناقص عبارت مقصد پورا نہ کرے تو اسے اخلال کہا جاتا ہے، جیسے شاعر کا قول: حماقت کے سائے میں زندگیاس سے بہتر ہے جو تھکے ہارے زندگی گزارے۔ اس کی مراد حماقت کے سائے میں گزرنے والی خوشحال زندگی، عقل کے سائے میں مشقت والی زندگی سے بہتر ہے۔

تشریح: کلام کو تعبیر کرنے کا دوسرا طریقہ ایجاز ہے۔ **ایجاز** سے مراد کوزے میں سمندر بند کرنا ہے یعنی گفتگو میں الفاظ کم ہوں اور معانی زیادہ ہوں، جیسے: "**قفا نبك إلخ**" شعر میں حذف کا سہارا لیتے ہوئے الفاظ اگرچہ کم استعمال کیے گئے ہیں لیکن مقصد یعنی یادِ محبوب منانے اور اظہار کرنے میں کوئی کمی نہیں رہی البتہ یہ شعر اصل میں "**قفا نبك عن ذكرى حبيبنا ومنزله.**" تھا۔ اخلال کہتے ہیں کہ اپنا مقصد بتانے کے لیے کم الفاظ استعمال کیے جائیں لیکن وہ تھوڑے الفاظ مقصد واضح نہ کر سکیں، جیسے: "**والعيش إلخ**" شعر میں الفاظ کم استعمال کرتے ہوئے شاعر بتانا چاہ رہا ہے کہ نالائق کی زندگی عقلمندی کی زندگی سے بہتر ہے کہ نالائق بے پرواہ ہوتا ہے جبکہ عقلمند محتاط۔ شاعر کی یہ مراد محض اس کے ذکر کردہ الفاظ سے واضح طور پر سمجھ نہیں آرہی۔

التركيب

قوله:"بالغرض" متعلق ب"وفاء"،و"مع وفائها بالغرض" حال من ضمير الفاعل في "ناقصة"،و"عنه"متعلق ب"ناقصة".

وَالْإِطْنَابُ وَهُوَ تَأْدِيَةُ الْمَعْنَى بِعِبَارَةٍ زَائِدَةٍ عَنْهُ مَعَ الْفَائِدَةِ نَحْوُ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا[98] **أَيْ كَبُرَتْ فَإِذَا لَمْ تَكُنْ فِي الزِّيَادَةِ فَائِدَةٌ سُمِّيَ تَطْوِيلًا إِنْ كَانَتِ الزِّيَادَةُ غَيْرَ مُتَعَيِّنَةٍ وَحَشْوًا إِنْ تَعَيَّنَتْ فَالتَّطْوِيلُ نَحْوُ**

وَأَلْفَى قَوْلَهَا كِذْبًا وَمَيْنًا

وَالْحَشْوُ نَحْوُ "وَأَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ وَالْأَمْسِ قَبْلَه" ...

ترجمہ: اور اطناب اور وہ فائدہ کی غرض سے معنی ادا کرنے کے لیے زائد عبارت لانا، جیسے: کہا: اے میرے رب! بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور سر پر سفید آچکی ہے یعنی میں بوڑھا ہو گیا ہوں پس جب زیادتی میں کوئی فائدہ نہ ہو تو اسے تطویل کہا جاتا ہے اگر زیادتی غیر متعین ہو۔ اور حشو کہا جاتا ہے اگر زیادتی متعین ہو، تطویل، جیسے: اور اس نے اس کی بات کو جھوٹا پایا۔ اور حشو، جیسے: اور میں آج اور آج سے پہلے کل کی خبر جانتا ہوں۔

تشریح: کلام کو تعبیر کرنے کا تیسرا طریقہ اطناب ہے۔ **اطناب** سے مراد گفتگو کرتے ہوئے معانی کم ہوں اور الفاظ زیادہ ہوں اور یہ زیادتی کسی فائدہ کے پیشِ نظر ہو، جیسے: "**إني وهن العظم مني واشتعل الرأس شيبا**." آیت میں "**اشتعل الرأس شيبا**." مقصد سے زائد عبارت ہے اس کو ذکر نہ بھی کیا جاتا تو "**إني وهن العظم مني**." کے ذریعے مقصد یعنی اعصاب کی کمزوری اور بڑھاپے پر دلالت ہو رہی تھی لیکن "**اشتعل الرأس شيبا**." کا ذکر محض فائدہ کی خاطر ہے یعنی کمزوری اور بڑھاپے کی تقریر کے لیے گویا حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالی کی بارگاہ میں عرض کر رہے ہیں کہ میں مکمل طور پر ہر لحاظ سے بوڑھا ہو چکا ہوں اور اولاد کو حاصل کرنے کے اسباب موجود نہیں ہیں لہذا اس عمر میں مجھے اولاد کیسے مل سکتی ہیں؟۔

---

[98] سورة مريم: الآية: 4.

تطویل: گفتگو میں الفاظ کی زیادتی غیر متعین ہو اور زیادتی میں کوئی فائدہ نہ ہو، جیسے: "**کذبا ومینا**" میں دونوں الفاظ کا معنی جھوٹ ہے لیکن مثال میں زائد لفظ کونسا ہے اس کا علم نہیں یعنی زیادتی غیر متعین ہے اور یقینا زیادتی میں کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔

حشو: گفتگو میں الفاظ کی زیادتی متعین ہو اور زیادتی میں کوئی فائدہ نہ ہو، جیسے: "**علم الیوم والأمس قبله**" مثال میں زیادتی متعین ہے اور زیادتی کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے یعنی "**قبله**" لفظ زائد ہے، اگر اس کو ذکر نہ بھی کیا جاتا تب بھی یہ معنی "الأمس" سے حاصل ہو رہا تھا۔

الترکیب

قوله: "مع الفائدة" حال من ضمير الفاعل في "زائدة". قوله: "سمي تطويلا" جزاء ل"فإذا لم تكن" فالشرط والجزاء جزاء مقدم لما بعده. قوله: "حشوا" عطف على "تطويلا" وقوله: "إن تعينت" عطف على قوله: "إن كانت الزيادة غير متعين".

وَمِنْ دَوَاعِي الْإِيجَازِ تَسْهِيلُ الْحِفْظِ وَتَقْرِيبُ الْفَهْمِ وَضَيْقُ الْمَقَامِ وَالْإِخْفَاءُ وَسَآمَةُ الْمُحَادَثَةِ وَمِنْ دَوَاعِي الْإِطْنَابِ تَثْبِيتُ الْمَعْنَى وَتَوْضِيحُ الْمُرَادِ وَالتَّوْكِيدُ وَدَفْعُ الْإِيْهَامِ ...

ترجمہ: اور ایجاز کے دواعی میں سے حفظ آسان بنانا، بات سمجھ کے قریب کرنا، مقام کی تنگی، مقصد پوشیدہ رکھنا اور بات چیت کی اکتاہٹ ہے اور اطناب کے دواعی میں سے مراد پختہ کرنا، مراد واضح کرنا، بات مؤکد بنانا اور وہم ختم کرنا ہے۔

تشریح: اگر عبارت مؤجز یعنی مختصر ہو تو یاد کرنا اور سمجھنا آسان ہوتا ہے، جیسے: "الشفرة قطعت إلى العظم." "کلام مؤجز ہے اور اس میں مفعول بہ "اللحم" کو حذف کیا گیا ہے تاکہ فہم کے قریب ہو اور وہم دور ہو اور اگر ذکر کیا جاتا تو سامع "اللحم" سن کر وہم کر سکتا تھا کہ چھری نے صرف گوشت کاٹا ہے ہڈی تک نہیں پہنچی۔ اور اگر گفتگو کے لیے زیادہ وقت نہ ہو یعنی مقام تنگ ہو تو تب بھی کلام مؤجز فائدہ بخش ہوتا ہے، جیسے شکاری کہے: "الغزال"۔ اگر شکاری "فاصطادوا الغزال." "کہتا تو شکار ہاتھ سے نکلتا؛ کیونکہ یہ لمبی چوڑی عبارتوں کا وقت نہیں ہے۔ اور اگر آپ اپنا مقصد کسی سے پوشیدہ رکھنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو کلام مؤجز لائیں، جیسے آپ چاہتے ہیں کہ حاضرین کو زید کی آمد کا پتہ نہ چلے تو آپ صرف "جاء" کہہ دیں۔ اور بعض اوقات طویل کلام اکتاہٹ کا سبب بن جاتا ہے اس موقع پر کلام مؤجز بہت اچھا ہوتا ہے، جیسے بیمار سے پوچھا جائے: "کیف أنت؟" اور وہ جواب میں صرف "علیل" کہہ دے۔ اور اگر مراد کو سامع کے ذہن میں واضح اور راسخ کرنا مقصود ہو تاکہ وہم کا کوئی پہلو اور گنجائش نہ رہے تو کلام مطنب یعنی طویل لانا اولی ہے۔

التركيب

قوله: "من دواعي الإيجاز" خبر مقدم لما بعده من تسهيل الحفظ وتقريب الفهم إلخ. وقوله: "من دواعي الإطناب" خبر مقدم لما بعده من تثبيت المعنى وتوضيح المراد إلخ.

أَقْسَامُ الْإِيْجَازِ

اَلْإِيْجَازُ إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ بِتَضَمُّنِ الْعِبَارَةِ الْقَصِيْرَةِ مَعَانِيَ كَثِيْرَةً وَهُوَ مَرْكَزُ عِنَايَةِ الْبُلَغَاءِ وَبِهِ تَتَفَاوَتُ أَقْدَارُهُمْ وَيُسَمَّى إِيْجَازَ قَصْرٍ نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ[99] وَإِمَّا أَنْ يَكُوْنَ بِحَذْفِ كَلِمَةٍ أَوْ جُمْلَةٍ أَوْ أَكْثَرَ مَعَ قَرِيْنَةٍ تُعَيِّنُ الْمَحْذُوْفَ وَيُسَمَّى إِيْجَازَ حَذْفٍ فَحَذْفُ الْكَلِمَةِ كَحَذْفِ "لَا" فِيْ قَوْلِ امْرَاءِ الْقَيْسِ:

فَقُلْتُ يَمِيْنُ اللهِ أَبْرَحُ قَاعِدًا: وَلَوْ قَطَعُوْا رَأْسِيْ لَدَيْكَ وَأَوْصَالِيْ

وَحَذْفُ الْجُمْلَةِ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: وَإِن يُكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ[100] أَيْ فَتَأَسَّ وَاصْبِرْ وَحَذْفُ الْأَكْثَرِ نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: فَأَرْسِلُوْنِ ٥ يُوْسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيْقُ[101] أَيْ أَرْسِلُوْنِيْ إِلَى يُوْسُفَ لِأَسْتَعْبِرَهُ الرُّؤْيَا فَفَعَلُوْا فَأَتَاهُ وَقَالَ لَهُ: يَا يُوْسُفُ ...

ایجاز کی قسمیں

ترجمہ: ایجاز یا تو مختصر عبارت کا بہت سارے معانی کو اپنے ضمن میں لینا ہے اور یہی بلغاء کی توجہ کا مرکز ہے اور اسی سے ان کی اقدار متفاوت ہوتی ہیں، جیسے اللہ تعالی کا فرمان: اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ اور اس کو ایجازِ قصر کا نام دیا جاتا ہے، یا پھر (ایجاز) محذوف کی تعیین کرنے والے قرینہ کے قیام کے وقت، کلمہ، جملہ یا جملہ سے زائد عبارت کو حذف کرنا ہے اور اسکو ایجازِ حذف کا نام دیا جاتا ہے پس کلمہ کا حذف، جیسے امراء القیس کے قول میں "لا" کا حذف ہے: "خدا کی قسم میں تیرے پاس برابر بیٹھا رہوں گا اگرچہ

---

[99] سورۃ البقرۃ: الآیۃ: 179.

[100] سورۃ فاطر: الآیۃ: 4.

[101] سورۃ یوسف: الآیتان: 46 45.

وہ میرے سر کے بال اور میرے جسمانی اعضاء کاٹ دیں۔اور جملہ کا حذف، جیسے اللہ تعالی کا فرمان:اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا۔یعنی آپ صبر کریں، اور جملہ سے اکثر کا حذف، جیسے اللہ تعالی کا فرمان: پس مجھے اے دوست یوسف کے پاس بھیجو۔یعنی مجھے یوسف کے پاس بھیجو تاکہ میں ان سے خواب کی تعبیر پوچھ لوں پس انہوں نے ایسا کیا تو وہ ان کے پاس آئے اور ان کو کہا: اے یوسف!

تشریح: ایجاز کی دو قسمیں اس عبارت میں مذکور ہوئیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1. **ایجازِ قصر**: ایسی مختصر عبارت لانا جو بہت سارے معانی کا احاطہ کیے ہو اور اس میں کچھ بھی محذوف نہ ہو، جیسے اس آیت "**ولکم في القصاص حیوة.**" کی عبارت مختصر ہے لیکن بہت سارے معانی کا احاطہ کیے ہوئے ہے یعنی قصاص جو کہ شرعی حد ہے اس کو نافذ کرنے میں انسانی زندگی کی بقا ہے اور وہ ایسے کہ جب صرف قاتل سے ہی قتل کا بدلہ لیا جائے اور اس کے قبیلہ یا خاندان کو آنچ تک نہ آئے تو پورے قبیلہ یا پورے خاندان کی زندگی محفوظ ہوئی اور اگر قاتل کے متعلقین سے بھی بدلہ لیا جائے تو یقینا قتل وغارت بڑے پیمانہ پر ہوئی اور یہی زمانہ جاہلیت میں ہوتا رہا لہذا اسلام نے قانون نافذ کر دیا کہ جو ظلما کسی کو قتل کرے بس اسی کو قتل کیا جائے کسی دوسرے کو نہ چھیڑا جائے اس طرح بہت ساری زندگیاں بچ جائیں گی۔

فائدہ: ایجازِ قصر بلغاء کی توجہ کا مرکز ہے یعنی اسی سے بلغاء کے کلام کی بلاغت پرکھی جاتی ہے اور درجہ بندی کی جاتی ہے۔

2. **ایجازِ حذف**: حذف کا سہارا لیتے ہوئے ایسی مختصر عبارت لانا جو کثیر معانی کو اپنے ضمن میں لیے ہو، اور حذف سے مراد کلمہ کا حذف ہے، یا جملہ کا، یا پھر جملہ سے زائد عبارت کا۔

- کلمہ کے حذف کی مثال امرء القیس کا شعر، اس شعر میں "لا" حذف کیا گیا ہے اصل عبارت تھی "لا أبرح."۔
- جملہ کے حذف کی مثال، جیسے اللہ تعالی کے فرمان: "**وإن یکذبوك فقد کذبت رسل من قبلك.**" میں "**فتأسّ**" جملہ محذوف ہے اور "اصبر" محذوف جملہ کا مترادف ہے۔

- جملہ سے زائد حذف کی مثال اللہ تعالی کا فرمان: "فأرسلون أيها الصديق." اسمیں متعدد جملے محذوف ہیں یعنی "لأستعبره الرؤيا"، "ففعلوا"، "فأتاه"، "قال له" اور "يا" جو "أدعو" کے قائمقام ہے۔

التركيب

قوله: "معاني كثيرة" مفعول به ل"تضمّن". قوله: "تعيّن المحذوف" صفة ل"قرينة".
قوله: "حذف الأكثر" مبتدأ لما بعده من نحو قوله تعالى إلخ.

أَقْسَامُ الْإِطْنَابِ

اَلْإِطْنَابُ يَكُوْنُ بِأُمُوْرٍ كَثِيْرَةٍ مِنْهَا ذِكْرُ الْخَاصِّ بَعْدَ الْعَامِّ نَحْوُ اجْتَهِدُوْا فِيْ دُرُوْسِكُمْ وَاللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ. وَفَائِدَتُهُ التَّنْبِيْهُ عَلَى فَضْلِ الْخَاصِّ كَأَنَّهُ لِرِفْعَتِهِ جِنْسٌ آخَرُ مُغَائِرٌ لِمَا قَبْلَهُ.وَمِنْهَا ذِكْرُ الْعَامِّ بَعْدَ الْخَاصِّ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ[102].مِنْهَا الْإِيْضَاحُ بَعْدَ الْإِبْهَامِ نَحْوُ وَاتَّقُوا الَّذِيْ أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ[103] ...

اطناب کی قسمیں

ترجمہ: اطناب کی کثیر صورتیں ہیں۔ان میں سے لفظِ عام کے بعد لفظِ خاص ذکر کرنا ہے، جیسے: تم اپنے اسباق اور عربی لغت میں محنت کرو۔ اور اس کا فائدہ خاص کی فضیلت پر تنبیہ ہے گویا خاص رفعتِ شان کی وجہ سے اپنے ماقبل کے حق میں جنس مغائر ہے۔ان صورتوں میں سے، لفظِ خاص کے بعد لفظِ عام ذکر کرنا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: اے میرے رب! میری، میرے والدین، میرے گھر میں مومن بن کر داخل ہونے والوں، تمام مومنین اور تمام مومنات کی بخشش فرما۔ان صورتوں میں سے، ابہام کے بعد ایضاح ہے، جیسے: اور تم ڈرو اس سے جس نے تمہاری مدد کی ان چیزوں کے ساتھ جن کو تم جانتے ہو، اس نے تمہاری مدد کی مویشیوں اور بیٹوں کے ساتھ۔

تشریح: اطناب کی متعدد صورتیں ہیں:

- کلام میں عام لفظ ذکر کرنے کے بعد خاص لفظ لانا، جیسے: "اجتهدوا في دروسكم واللغة العربيّة." مثال میں "دروس" عام لفظ ہے؛ کیونکہ یہ جمع ہے اور یہ پہلے ذکر کیا گیا پھر "اللغة

---

[102] سورة نوح: الآية: 28.

[103] سورة الشعراء: الآيتان: 133 132.

العربية"ذکر کیا گیاجو کہ خاص ہے اوراگر اس کو ذکر نہ بھی کیا جاتاتب بھی یہ "دروس"میں داخل تھا؛کیونکہ "اللغة العربية" بھی ایک مضمون ہے لیکن اس کو جداگانہ ذکر کرنا صرف اس مضمون کی شان بیان کرنے کے لیے ہے گویا رفیع الشان ہونے کی وجہ سے یہ "دروس" سے خارج ہے اور "دروس" کے مغائر ہے۔

- کلام میں خاص لفظ ذکر کرنے کے بعد عام لفظ لانا، جیسے : "رَبِّ اغْفِرْ لِيْ إلخ" آیت میں حضرت نوح علیہ السلام نے پہلے لفظ خاص یعنی "لي" کے ذریعے خصوصیت کے ساتھ اپنا ذکر فرمایا اور پھر لفظ عام یعنی "المؤمنين" ذکر فرمایا اور یقینا یہ لفظ حضرت نوح علیہ السلام کو بھی شامل ہے ؛کیونکہ یہ بھی مومن ہیں۔
- مبہم (غیر واضح)لفظ ذکر کرنے کے بعد ایسا لفظ لانا جو مبہم کی مراد کو واضح کردے، جیسے اللہ تعالی کے فرمان میں "ما"موصولہ ہے جس میں ابہام ہے یعنی اس کی مراد واضح نہیں ہے پھر اس کے بعد "أنعام وبنين" ذکر کرکے مراد واضح کی گئی اور بتایا گیا کہ اللہ تعالی نے تمہاری مدد مویشیوں اور بیٹوں کے ساتھ کی ہے۔

التركيب

قوله: "بأمور كثيرة" خبر ل"يكون". قوله: "بعد العام" مفعول فيه ل"ذكر"، وهو مبتدأ مؤخر. قوله: "على فضل الخاص" متعلق ب"التنبيه". قوله: "لما قبله" متعلق ب"مغائر"، وهو صفة ثانية ل"جنس"، و"لرفعته" متعلق ل"آخر"، وهو صفة أولى ل"جنس".

وَمِنْهَا التَّوْشِيْعُ وَهُوَ أَنْ يُؤْتَى فِيْ آخِرِ الْكَلَامِ بِمُثَنًّى مُفَسَّرٍ بِإِثْنَيْنِ كَقَوْلِهِ:

أُمْسِيْ وَأُصْبِحُ مِنْ تَذْكَارِكُمْ وَصِبًا: يَرْثِيْ لِي الْمُشْفِقَانِ الأَهْلُ وَالوَلَدُ

وَمِنْهَا التَّكْرِيْرُ لِغَرَضٍ كَطُوْلِ الْفَصْلِ فِيْ قَوْلِهِ:

وَإِنِ امْرَأً دَامَتْ مَوَاثِيْقُ عَهْدِهِ: عَلَى مِثْلِ هٰذَا إِنَّهُ لَكَرِيْمٌ

وَكَزِيَادَةِ التَّرْغِيْبِ فِي الْعَفْوِفِيْ قَوْلِهِ تَعَالَى: إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَإِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَإِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[104]

وَكَتَأْكِيْدِ الْإِنْذَارِ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالَى: كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ[105] ...

ترجمہ: اوران صورتوں میں سے **توشیع** ہے اور وہ یہ کہ کلام کے آخر میں تثنیہ ذکر کر کے اس کی وضاحت دو چیزوں سے کرنا، جیسے اس کا قول: میں صبح وشام تمہاری یاد اور انتظار میں گزارتا ہوں، مجھ پر دو مہربان اہل اور اولاد مرثیہ کہتے ہیں۔ اور ان صورتوں میں سے کلام کو کسی فائدہ کی خاطر مکرر لانا ہے، جیسے فصل کی طوالت اس کے قول میں: اور ایسا شخص جو اپنے وعدہ کا پکا ہے اس لحاظ سے یقینا کریم ہے۔ اور عفو میں ترغیب کی زیادتی اللہ تعالی کے فرمان میں: بے شک تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں تو تم ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم عفو ودرگزر اور معاف کر دو تو اللہ تعالی یقینا بہت بخشنے رحم کرنے والا ہے۔ اور اللہ تعالی کے فرمان میں ڈرانے پر تاکید: ہاں ہاں اب جلد جان جاؤ گے پھر یقینا تم جلد جان جاؤ گے۔

تشریح: اطناب کی مزید دو صورتیں یہ ہیں:

- توشیع یعنی کلام کے آخری حصہ میں اسم مثنٰی ذکر کرنے کے بعد وضاحت کے لیے دو چیزیں لانا، جیسے شعر کے آخری حصہ میں "**المشفقان**" اسم تثنیہ ذکر کر کے اس کی وضاحت "الأهل

[104] سورۃ التغابن: الآیۃ: 14.

[105] سورۃ التکاثر: الآیتان: 4 3.

والولد"کی ساتھ کی گئی اوراسی طرح کلام کے آخری حصہ میں جمع لفظ ذکر کر کے وضاحت میں تین چیزیں لانا بھی توشیع ہے، جیسے :"إن في زيد ثلاث خصال الكرم والشجاعة والحلم."۔

- کلام کو کسی فائدہ کی خاطر مکرر لانا۔

فوائد درج ذیل ہو سکتے ہیں:

- گفتگو کرتے ہوئے جب ربط ٹوٹ جائے اور فصل (Gap) طویل ہو جائے تو ربط جوڑنے کے لیے دوبارہ گفتگو کرنا جیسا کہ اس شعر میں ہے "وَإِنِ امْرَأً دَامَتْ مَوَاثِيْقُ عَهدِه : عَلَى مِثْلِ هٰذَا إِنَّه لَكَرِيْمٌ."میں مبتدا "امرء"اور خبر"لكريم"کے درمیان طویل گیپ آیا تو اس فصل کو توڑنے اور ربط کو قائم رکھنے کے لیے شاعر نے دوبارہ"إنّه"ذکر کیا اور یقینا یہ اطناب ہے۔
- عفو ودرگزر کو مزید مرغوب بنانے کے لیے کلام مکرر لانا، جیسے آیت میں یہ تینوں الفاظ "تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا"ہم معنی ہیں اور ہم معنی لفظوں کو برابر لانا عفو کو مزید مرغوب بنانے کی وجہ سے ہے۔
- انذار (ڈرانے اور دھمکانے) کو مؤکد بنانے کے لیے کلام مکرر لانا، جیسے اللہ تعالی نے "كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ."کہنے کے بعد دوبارہ پھر یہی فرمایا تاکہ انذار میں تاکید پیدا ہو جائے۔

التركيب

قوله:"مفسر بإثنين" صفة ل"مثنّى". قوله:"لغرض" متعلق ب"التكرير".

وَمِنْهَا الْاِعْتِرَاضُ وَهُوَ تَوَسُّطُ لَفْظٍ بَيْنَ أَجْزَاءِ جُمْلَةٍ أَوْ بَيْنَ جُمْلَتَيْنِ مُرْتَبِطَتَيْنِ مَعْنًى لِغَرَضٍ نَحْوُ

إِنَّ الثَّمَانِيْنَ وَبُلِّغْتَهَا :قَدْ أَحْوَجَتْ سَمْعِيْ إِلَى تَرْجُمَانٍ

وَنَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهُ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ[106]. وَمِنْهَا الْإِيْغَالُ وَهُوَ خَتْمُ الْكَلَامِ بِمَا يُفِيْدُ غَرَضًا يَتِمُّ الْمَعْنَى بِدُوْنِهِ كَالْمُبَالَغَةِ فِيْ قَوْلِ الْخَنْسَاءِ:

وَإِنَّ صَخْرًا لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهِ: كَأَنَّهُ عَلَمٌ فِيْ رَأْسِهِ نَارٌ

...

ترجمہ: اور ان صورتوں میں سے اعتراض ہے اور اس سے مراد لفظ کا جملہ کے اجزاء یا معنوی طور پر مربوط دو جملوں کے درمیان کسی مقصد سے آنا، جیسے: بے شک اسی سالہ عمر نے اور خدا کرے تو بھی اس عمر کو پہنچے، میری سماعت کو ترجمان کا محتاج کر دیا۔ اور اللہ تعالی کے فرمان کی مثل: اور وہ اللہ کے لیے بیٹیاں بناتے ہیں، وہ اس سے پاک ہے اور جو ان کا دل چاہتا ہے کر لیتے ہیں۔ اور ان صورتوں میں سے ایغال ہے اور وہ کلام کا اختتام ایسی عبارت پر کرنا جو کسی غرض کا افادہ کرے حالانکہ کلام کی مراد بغیر اس کے (بھی) مکمل ہو، جیسے خنساء کے قول میں مبالغہ: اور بے شک صخر ہدایت یافتہ رہنماؤں کا مقتدا ہے گویا وہ پہاڑ کی چوٹی ہے جس پر آگ روشن ہے۔

تشریح: اطناب کی مزید دو صورتیں یہ ہیں:

- **اعتراض:** یعنی اجزائے جملہ یا معنوی طور پر باہم مربوط دو جملوں کے درمیان جملہ معترضہ لے کر آنا، جیسے شعر میں "بلّغتها" جملہ معترضہ ہے جو دعا کی غرض سے اجزائے جملہ یعنی إنّ کے اسم اور خبر کے درمیان واقع ہوا ہے۔ اور قرآنی آیت میں "سبحنه" جملہ معترضہ ہے جو دو جملوں کے درمیان

[106] سورۃ النحل: الآیۃ: 57.

تنزیہ کی خاطر واقع ہوا ہے اور یہ دونوں جملے بطور معنی مربوط ہیں اور معنوی طور پر مربوط ہونے سے مراد دوسرے جملے کا پہلے جملہ کے لیے بیان بننا یا پہلے جملہ سے بدل بننا یا پھر پہلے جملہ پر معطوف ہونا ہے اور یہ قرآنی آیت ربط کی تیسری صورت سے تعلق رکھتی ہے۔

- **إيغال:** یعنی جملے کا اختتام ایسے لفظوں پر کرنا جن سے کوئی فائدہ حاصل ہو اور اگر ان لفظوں کو کلام سے ختم کر دیا جائے تو معنی میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو، جیسے شعر کا اختتام "في رأسه نار" پر ہوا ہے جو صخر کی تعریف میں مبالغہ کا فائدہ دے رہا ہے اور اگر ان لفظوں کو شعر سے ختم کر دیا جاتا تو تب بھی شعر کے معنی میں کسی قسم کی کوئی خرابی لازم نہ آتی؛ کیونکہ ان لفظوں سے جو معنی حاصل ہو رہا ہے وہ "علم" سے حاصل ہو چکا ہے؛ کیونکہ "علم" کہتے ہی پہاڑ کی چوٹی کو ہیں جس پر آگ روشن ہو جو راہ گیروں کو تلاش منزل میں فائدہ دے۔

التركيب

قوله: "معنى" تمييز من الضمير في "مرتبطين"، وهو صفة ل"جملتين"، وقوله: "لغرض" متعلق ب"توسّط". قوله: "بما يفيد" متعلق ب"ختم"، وقوله: "يتم المعنى بدونه" حال من ضمير الفاعل في "يفيد".

وَمِنْهَا التَّذْيِيلُ وَهُوَ تَعْقِيبُ الْجُمْلَةِ بِأُخْرَى تَشْتَمِلُ عَلَى مَعْنَاهَا تَأْكِيدًا لَهَا وَهُوَ إِمَّا أَنْ يَكُونَ جَارِيًا مَجْرَى الْمَثَلِ لِاسْتِقْلَالِ مَعْنَاهُ وَاسْتِغْنَائِهِ عَمَّا قَبْلَهُ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا[107] وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ غَيْرَ جَارٍ مَجْرَى الْمَثَلِ لِعَدَمِ اسْتِغْنَائِهِ عَمَّا قَبْلَهُ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ إِلَّا الْكَفُوْرَ[108] ...

ترجمہ: اوران صورتوں میں سے تذییل ہے اور وہ ایک جملہ کے بعد دوسرا جملہ بطور تاکید لانا جو پہلے جملہ کے معنی پر مشتمل ہو۔ اور تذییل یا اپنے معنی میں مستقل ہونے اور پہلے جملہ سے بے نیاز ہونے کی وجہ سے بطور ضرب المثل استعمال ہوتی ہو، جیسے اللہ تعالی کا فرمان: حق آتا ہے تو باطل چلا جاتا ہے بے شک باطل جانے والا ہے۔ یا (تذییل) پہلے جملہ سے بے نیاز نہ ہونے کی وجہ سے بطور ضرب المثل استعمال نہ ہوتی ہو، جیسے اللہ تعالی کا فرمان: ہم نے انہیں ان کی ناشکری کی وجہ سے یہ بدلہ دیا اور ہم اسی کو سزا دیتے ہیں جو ناشکرا ہو۔

تشریح: اطناب کی ایک صورت تذییل بھی ہے اور اس سے مراد ایک جملہ کے بعد بطور تاکید دوسرا جملہ لانا جو پہلے جملے کا ہم معنی ہو پھر تذییل کی دو قسمیں ہیں:

1. دوسرا جملہ ضرب المثل ہو اور یقینا ضرب المثل لفظی اور معنوی لحاظ سے ایک مستقل جملہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو اپنے ماقبل اور مابعد کی قطعا حاجت نہیں ہوتی، جیسے: "إن الباطل كان زهوقا." آیت میں دوسرا جملہ ہے جو کہ تذییل ہے اور ضرب المثل (کہاوت) ہونے کے ساتھ تاکید کے طور پر مذکور ہوا؛ کیونکہ یہ اپنے سے پہلے جملہ کے معنی کو شامل ہے یعنی زھوقِ باطل۔
2. دوسرا جملہ ضرب المثل نہ ہو اور غیر مستقل بالمعنی ہونے کی وجہ سے اپنے سے پہلے جملہ سے بے نیاز بھی نہ ہو، جیسے: "هل نجازي إلّا الكفور." آیت میں دوسرا جملہ بطور تذییل ہے اور بطور ضرب المثل نہیں ہے اور چونکہ یہ مستقل بالمعنی نہیں اس لیے پہلے جملہ سے مستغنی بھی نہیں بلکہ اس کے معنی کو شامل ہے یعنی تذییل میں وہی

---

[107] سورة بني إسرائيل: الآية: 81.

[108] سورة سبأ: الآية: 17.

مخصوص جزا مذکور ہے جس کا ذکر اس سے پہلے والے جملہ یعنی "ذلك جزيناهم بما كفروا." میں ہو چکا ہے اور وہ سیلاب سے باغات کی بربادی ہے۔

التركيب

قوله:"تشتمل على معناها" صفة ثانية ل"جملة" محذوفة، و"تأكيدا لها" مفعول له ل"تشتمل".

قوله:"عما قبله" متعلق ب"استغناء".

وَمِنْهَا الْاِحْتِرَاسُ وَهُوَ أَنْ يُؤْتَى فِيْ كَلَامٍ يُوْهِمُ خِلَافَ الْمَقْصُوْدِ بِمَا يَدْفَعُهُ نَحْوُ
فَسَقَى دِيَارَكَ غَيْرَ مُفْسِدِهَا : صَوْبُ الرَّبِيْعِ وَدِيْمَةٌ تَهْمِيْ
وَمِنْهَا التَّكْمِيْلُ وَهُوَ أَنْ يُؤْتَى بِفَضْلَةٍ تَزِيْدُ الْمَعْنَى حُسْنًا نَحْوُ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ[109] أَيْ مَعَ حُبِّهِ وَذٰلِكَ أَبْلَغُ فِي الْكَرَمِ ...

ترجمہ: اور ان صورتوں میں سے احتراس ہے اوروہ کلام میں خلافِ مقصود وہم دور کرنے کے لیے کچھ ذکر کرنا، جیسے: اللہ تیرے دیار کو موسم بہار کی غیر نقصان دہ اور مسلسل برسنے والی بارش سے سیر اب کرے۔ اور ان صورتوں میں سے تکمیل ہے اور اس سے مراد ہے کلام کے معنی کو خوبصورت بنانے کے لیے فضلہ ذکر کرنا، جیسے: اور وہ کھانے کی خواہش کے باوجود دوسروں کو کھلاتے ہیں۔ اور یہ سخاوت میں زیادہ بلیغ ہے۔

تشریح: اطناب کی صورتوں میں سے دو یہ بھی ہیں:

- **احتراس**: یعنی کلام سے خلافِ مقصود بات سمجھ آنے کا گمان ہو تو اس گمان کو ختم کرنے کے لیے کوئی لفظ یا عبارت لانا، جیسے ذکر کردہ شعر میں "غیر مفسدها" کے ذریعے مسلسل برسنے والی بارش سے نقصان اور بربادی کے وہم کو دور کیا گیا اور بتایا گیا کہ یہ شعر دعا ہے اور اگر یہ لفظ ذکر نہ کیا جاتا تو وہم ہوتا تھا کہ مسلسل برسنے والی بارش تباہی اور بربادی لاتی ہے لہذا یہ شعر بددعا قرار پاتا حالانکہ ایسا قطعاً نہیں۔
- **تکمیل**: یعنی کلام میں فضلہ ذکر کرنا جس سے کلام میں حسن پیدا ہو اور فضلہ سے مراد مسند اور مسند الیہ کے علاوہ باقی متعلقات ہیں، جیسے: "ويطعمون الطعام على حبّه." میں "على حبّه "فضلہ ہے جو کلام میں خوبصورتی پیدا کر رہا ہے یعنی سخاوت میں مبالغہ مطلب خاندانِ نبوت کے لوگ ایسے ہیں جو خود کھانے کی ضرورت اور خواہش کے باوجود مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا پیش کر دیتے ہیں۔

فائدہ: اس باب میں اطناب کی دس صورتیں مذکور ہوئیں۔

التركيب

قوله:"يوهم خلاف المقصود" صفة ل"كلام"،وقوله:"بما يدفعه" نائب الفاعل الغير الصريح ل"يؤتى". قوله:"تزيد المعنى حسنا" صفة ل"فضلة"، و"حسنا" تمييز عن النسبة

[109] سورة الإنسان: الآية: 8.

اَلْخَاتِمَةُ فِيْ إِخْرَاجِ الْكَلَامِ عَلَى خِلَافِ مُقْتَضَى الظَّاهِرِ

إِيْرَادُ الْكَلَامِ عَلَى حَسَبِ مَا تَقَدَّمَ مِنَ الْقَوَاعِدِ يُسَمَّى "إِخْرَاجَ الْكَلَامِ عَلَى مُقْتَضَى الظَّاهِرِ" وَقَدْ تَقْتَضِي الْأَحْوَالُ الْعُدُوْلَ عَنْ مُقْتَضَى الظَّاهِرِ وَيُوْرَدُ الْكَلَامُ عَلَى خِلَافِهِ فِيْ أَنْوَاعٍ مَخْصُوْصَةٍ مِنْهَا تَنْزِيْلُ الْعَالِمِ بِفَائِدَةِ الْخَبَرِ أَوْ لَازِمِهَا مَنْزِلَةَ الْجَاهِلِ بِهَا لِعَدَمِ جَرْيِهِ عَلَى مُوجَبِ عِلْمِهِ فَيُلْقَى إِلَيْهِ الْخَبَرُ كَمَا يُلْقَى إِلَى الْجَاهِلِ كَقَوْلِكَ لِمَنْ يُؤْذِيْ أَبَاهُ "هٰذَا أَبُوْكَ" وَمِنْهَا تَنْزِيْلُ غَيْرِ الْمُنْكِرِ مَنْزِلَةَ الْمُنْكِرِ إِذَا لَاحَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ عَلَامَاتِ الْإِنْكَارِ فَيُؤَكَّدُ لَهُ نَحْوُ

جَاءَ شَقِيْقٌ عَارِضًا رُمْحَهُ : إِنَّ بَنِيْ عَمِّكَ فِيْهِمْ رِمَاحُ

وَكَقَوْلِكَ لِلسَّائِلِ الْمُسْتَبْعِدِ حُصُوْلَ الْفَرَجِ: إِنَّ الْفَرَجَ لَقَرِيْبٌ وَتَنْزِيْلُ الْمُنْكِرِ أَوِ الشَّاكِّ مَنْزِلَةَ الْخَالِيْ إِذَا كَانَ مَعَهُ مِنَ الشَّوَاهِدِ مَا إِذَا تَأَمَّلَهُ زَالَ إِنْكَارُهُ أَوْ شَكُّهُ كَقَوْلِكَ لِمَنْ يُنْكِرُ مَنْفِعَةَ الطِّبِّ أَوْ يَشُكُّ فِيْهَا: اَلطِّبُّ نَافِعٌ ...

خاتمہ خلافِ مقتضی الظاہر کلام لانے کے بارے میں ہے۔

ترجمہ: کلام پہلے ذکر کردہ قوانین کے مطابق لانا "إخراج الکلام علی مقتضی الظاھر" کہلاتا ہے اور بعض اوقات احوال مقتضی الظاہر سے عدول کا تقاضا کرتے ہیں اور کلام مخصوص صورتوں میں مقتضی ظاہر کے خلاف لایا جاتا ہے۔ان صورتوں میں سے ہے فائدۃ الخبر یالازم فائدۃ الخبر کے عالم کو علم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے جاہل کے مرتبہ پر رکھنا اوراس سے ویسے ہی کلام کرنا جیسے جاہل سے کیا جاتا ہے، جیسے تیرا کہنا: "یہ تیرا باپ ہے" اس آدمی سے جو اپنے باپ کو تکلیف دیتا ہے۔اوران صورتوں میں سے ہے غیر منکر کو منکر کے مرتبہ پر اتار کر مؤکّد گفتگو کرنا جب اس سے انکار کی کوئی علامت ظاہر ہو، جیسے: شقیق اپنا نیزہ پھیلائے ہوئے آیا بے شک تیرے چچا کے بیٹوں کے پاس بھی نیزے ہیں۔اور، جیسے تیرا قول: "خوشحالی قریب ہے" اس سائل کے لیے جو خوشحالی کے حصول کو بعید سمجھتا ہو۔اوران صورتوں میں سے ہے منکر یا شک کرنے والے کو انکار یا شک سے خالی کی جگہ پر رکھنا جب اس کے پاس دلائل ہوں کہ ان میں غور وفکر کرے تو اس کا انکار یا شک ختم

ہو، جیسے تیرا قول: "طب نفع بخش ہے" اس آدمی کے لیے جو طب کے نفع بخش ہونے کا منکر ہو یا اس میں شک رکھتا ہو۔

تشریح: کلام کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں:

1. **إخراج الكلام على مقتضى الظاهر**: کلام ظاہری حالات کے مطابق لانا یعنی جیسا ظاہر حال تقاضا کرے ویسا کلام لانا جیسے سامع منکر ہے تو کلام تاکید کے ساتھ لانا اور اگر سامع حکم سے خالی ہے یعنی اس کے ذہن میں پہلے سے کوئی حکم نہیں تو کلام بغیر تاکید کے لانا۔ بہر حال پچھلے صفحات میں جو کلام کے قوانین گزرے ان کے مطابق کلام لانا "**إخراج الكلام على مقتضى الظاهر**" ہے۔
2. **إخراج الكلام على خلاف مقتضى الظاهر**: کلام ظاہری حالات کے بر خلاف لانا یعنی جیسا ظاہر حال تقاضا کرتا ہو اس کے بر خلاف کلام لانا جیسے سامع منکر ہو تو کلام بغیر تاکید کے لانا۔

اس کی متعدد صورتیں ہیں:۔

پہلی صورت: یہ کہ عالم کو جاہل کے مرتبہ پر رکھ کر گفتگو کرنا اور ایسا اس لیے کرنا کہ وہ اپنے علم پر عامل نہیں، جیسے کوئی اپنے والد کو تکلیف دیتا ہو تو اس سے کہنا: "هذا أبوك." یعنی یہ تمہارا باپ ہے۔ اور لا محالہ اس کو علم ہے کہ یہ اس کا باپ ہے اور باپ کی تعظیم ضروری ہے لیکن وہ اس پر عامل نہیں اس لیے اس کو جاہل کے مرتبہ پر رکھ کر بولا گیا کہ کچھ تو شرم کھاؤ یہ تمہارا باپ ہے اس کو تکلیف نہ دو۔

دوسری صورت: یہ کہ غیر انکاری پر انکار کی علامت دیکھ کر انکاری کے مرتبہ پر رکھ کر تاکید کے ساتھ گفتگو کرنا، جیسے متن میں مذکور شعر میں شقیق مانتا ہے کہ اس کے چچا کے بیٹوں کے پاس نیزے ہیں اور وہ اس بات کا انکاری نہیں لیکن شقیق کا اپنا نیزہ سر عام کندھوں پر رکھ کر لہراتے ہوئے آنا علامت ہے اس بات کی کہ نیزہ صرف اسی کے پاس ہے۔ اس لیے اس کو انکاری سمجھ لیا گیا اور اس کے ساتھ "إنّ" کے ذریعے مؤکد کلام کیا گیا۔ ایسے ہی کوئی سوال پوچھتا ہے: "**هل الفرج قريب؟**" یعنی کیا خوشحالی قریب ہے؟ چونکہ یہ سائل خوشحالی کو بعید سمجھتا ہے گویا خوشحالی ملنے کا منکر ہوا اس لیے اس کے ساتھ مؤکد گفتگو کی گئی یعنی "**إن الفرج لقريب.**" یعنی بے شک خوشحالی ضرور قریب ہے۔

تیسری صورت: یہ کہ انکاری یا شکّی آدمی کو غیر انکاری یا غیر شکی آدمی کے مرتبہ پر رکھ کر بغیر تاکید کے گفتگو کرنا اس بنیاد پر کہ اس آدمی کے سامنے دلائل موجود ہیں، اگر ان میں غور و فکر کرے تو اپنے انکار یا شک کی دنیا سے باہر نکل آئے، جیسے: "الطب نافع. "یعنی طب نفع بخش ہے بغیر تاکید کے اس کے سامنے کہنا جسے اس بات کا انکار ہو یا اس میں شک ہو۔ اس کلام کو تاکید کے ساتھ ذکر کرنے کی حاجت نہیں؛ کیونکہ اسے غور و فکر اور تجربات کے بعد واضح ہو جائیگا کہ طب نفع بخش ہے۔

التركيب

قوله:"إيراد الكلام على حسب ما تقدم من القواعد" مبتدأ لما بعده. قوله:"عن مقتضى الظاهر" متعلق ب"العدول". قوله:"على موجب علمه" متعلق ب"جري". قوله:"زال إنكاره أو شكه" جزاء للشرط أي إذا كان معه من الشواهد، و"ما" موصولة، و"إذا" بمعنى "حين" مضاف إلى "تأمله".

وَمِنْهَا وَضْعُ الْمَاضِي مَوْضِعَ الْمُضَارِعِ لِغَرَضٍ كَالتَّنْبِيهِ عَلَى تَحَقُّقِ الْحُصُوْلِ نَحْوُ أَتَىٰ أَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ[110] أَوِ التَّفَاؤُلِ نَحْوُإِنْ شَفَاكَ اللّٰهُ الْيَوْمَ تَذْهَبْ مَعِيْ غَدًاوَعَكْسُهُ أَيْ وَضْعُ الْمُضَارِعِ مَوْضِعَ الْمَاضِي لِغَرَضٍ كَاسْتِحْضَارِ الصُّوْرَةِ الْغَرِيْبَةِ فِي الْخَيَالِ كَقَوْلِهِ تَعَالَىٰ: وَاللّٰهُ الَّذِيْ أَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا[111] أَيْ فَأَثَارَتْ وَإِفَادَةِ الْإِسْتِمْرَارِ فِي الْأَوْقَاتِ الْمَاضِيَةِ نَحْوُ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ[112] أَيْ لَوِ اسْتَمَرَّ عَلَى إِطَاعَتِكُمْ ...

ترجمہ: اور ان صورتوں میں سے ہے فعل ماضی کسی غرض سے فعل مضارع کی جگہ لانا جیسے حصول کے تحقق پر تنبیہ کرنا، مثلاً: اللہ کا حکم قریب آ گیا تو تم اس کو جلدی طلب نہ کرو۔ یا اچھی فال، جیسے: اگر اللہ آپ کو آج شفا دے گا تو کل آپ میرے ساتھ چلیں گے۔ اور اس کا عکس یعنی فعل مضارع کسی غرض سے فعل ماضی کی جگہ لانا جیسے خیال میں صورتِ غریبہ حاضر کرنا، جیسے اللہ تعالی کا فرمان: اور اللہ ہی ہے جس نے ہوائیں بھیجیں تو وہ ہوائیں بادل کو ابھارتی ہیں۔ یعنی ان ہواؤں نے ابھارا اور گزرے وقت میں استمرار کا افادہ، جیسے: اگر وہ تمہاری کثیر معاملات میں اطاعت کرتے تو تم پریشان ہو جاتے۔ یعنی اگر ان کا تمہاری اطاعت پر استمرار ہوتا۔

تشریح: خلافِ مقتضی الظاہر صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ فعل ماضی فعل مضارع کی جگہ استعمال کرنا تاکہ فعل کے حصول پر تحقق ہو؛ کیونکہ فعل ماضی فعل کے تحقق پر دلالت کرتا ہے، جیسے: "أتى أمر الله." مثال میں "أتى" فعل مضارع یعنی "يأتي" کی جگہ پر استعمال ہوا ہے یہ بتانے کے لیے کہ اللہ کا حکم متحقق اور یقینی ہے، یا پھر فعل ماضی کو فعل مضارع کی جگہ اچھی فال کے لیے لانا، جیسے: "إن شفاك الله" مثال میں صحتیابی کی فال لینے کی خاطر فعل ماضی کو فعل مضارع یعنی "يشف" کی جگہ استعمال کیا ہے۔ خلافِ مقتضی الظاہر

[110] سورة النحل: الآية: 1.

[111] سورة فاطر: الآية: 9.

[112] سورة الحجرات: الآية: 7.

صورتوں میں سے ایک صورت ہے فعل مضارع کو کسی فائدہ کی خاطر فعل ماضی کی جگہ لانا، جیسے: "**فتثیر سحابا**" مثال میں "**فتثیر**" ہواؤں کے بھیجنے اور بادلوں کے ابھارنے کا عجیب وغریب منظر ذہن میں حاضر کرنے کے لیے فعل ماضی یعنی "**فأثارت**" کی جگہ استعمال ہوا ہے یا فعل مضارع کو فعل ماضی کی جگہ استعمال کرنا تاکہ فعل کے استمرار کا فائدہ ہو، جیسے: "**لو يطيعكم**" کو "**لو أطاعكم**" کی جگہ استمرارِ اطاعت کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا۔

التركيب

قوله:"لغرض" متعلق ب"وضع". قوله:"على تحقق الحصول" متعلق ب"التنبيه". قوله:"التفاؤل" عطف على "التنبيه". قوله:"إفادة الاستمرار في الأوقات الماضية" عطف على "استحضار الصورة".

وَمِنْهَا وَضْعُ الْخَبَرِ مَوْضِعَ الْإِنْشَاءِ لِغَرَضٍ كَالتَّفَاؤُلِ نَحْوُهَدَاكَ اللّٰهُ لِصَالِحِ الْأَعْمَالِ وَإِظْهَارِ الرَّغْبَةِ نَحْوُرَزَقَنِيَ اللّٰهُ لِقَاءَكَ وَالْاِحْتِرَازِ عَنْ صُوْرَةِ الْأَمْرِ تَأَدُّبًا كَقَوْلِكَ: يَنْظُرُ مَوْلَايَ فِيْ أَمْرِيْ وَعَكْسُهُ أَيْ وَضْعُ الْإِنْشَاءِ مَوْضِعَ الْخَبَرِ لِغَرَضٍ كَإِظْهَارِ الْعِنَايَةِ بِالشَّيْءِ نَحْوُ قُلْ أَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَأَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ[113] لَمْ يَقُلْ "وَإِقَامَةِ وُجُوْهِكُمْ" عِنَايَةً بِأَمْرِ الصَّلَاةِ وَالتَّحَاشِيْ عَنْ مُوَازَاةِ اللَّاحِقِ بِالسَّابِقِ نَحْوُ قَالَ إِنِّيْ أُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْا أَنِّيْ بَرِيْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ[114] لَمْ يَقُلْ "وَأُشْهِدُكُمْ" تَحَاشِيًا عَنْ مُوَازَاةِ شَهَادَتِهِمْ بِشَهَادَةِ اللّٰهِ وَالتَّسْوِيَةِ نَحْوُ أَنْفِقُوْا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ[115] ...

ترجمہ: اور ان صورتوں میں سے ہے خبر کو کسی مقصد سے انشاء کی جگہ لانا، جیسے اچھی فال مثلا: اللہ آپ کو اچھے کاموں کی ہدایت دے۔ اور رغبت کا اظہار کرنا، مثلا: اللہ میری آپ سے ملاقات کرائے۔ اور بوجہ ادب امر سے بچنا، جیسے تیرا کہنا: میرے آقا میرے معاملہ میں غور فرمائیں گے۔ اور اس کا عکس یعنی انشاء کو کسی غرض سے خبر کی جگہ لانا، جیسے کسی چیز کا اہتمام اور اہمیت کا اظہار کرنا، مثلا: آپ فرمادیں کہ میرے رب نے عدل کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہر نماز کے وقت تم اپنے منہ سیدھے کرو۔ اور نماز کے حکم کی اہمیت کی خاطر "**وإقامة وجوهكم**" نہیں فرمایا اور لاحق کو سابق کے برابر لانے سے دور بھاگنا، مثلا: اس نے کہا کہ بے شک میں اللہ کی گواہی دیتا ہوں اور تم گواہ ہو جاؤ کہ میں بری ہوں ان تمام چیزوں سے جن کو تم لوگ شریک ٹھراتے ہو۔ کافروں کی شہادت کو اللہ کی شہادت کے برابر قرار دینے سے دور بھاگنے کی خاطر "**وأشهدكم**" نہیں فرمایا۔ اور برابری رکھنا، مثلا: تم خوشی سے یا مجبوری سے خرچ کرو تم سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا۔

---

[113] سورة الأعراف: الآية: 29.

[114] سورة هود: الآية: 54.

[115] سورة التوبة: الآية: 53.

تشریح: خلافِ مقتضی الظاہر صورتوں میں سے مزید دو صورتیں مندرجہ ذیل ہیں:

1. کسی فائدہ کی غرض سے جملہ خبریہ جملہ انشائیہ کی جگہ لانا، جیسے: "**هداك الله لصالح الأعمال.**" جملہ خبریہ ہے جو کہ دعا کے طور پر استعمال ہو رہا ہے جبکہ اصل میں جملہ انشائیہ تھا یعنی "**اللهم اهده لصالح الأعمال.**" اور یہاں فائدہ لفظِ ماضی استعمال کر کے نیک اعمال کی توفیق ملنے پر اچھی فال لینا ہے۔ ایسے ہی "**رزقني الله لقاءك.**" جملہ خبریہ ہے جو کہ جملہ انشائیہ "**اللهم ارزقني لقاءه.**" کی جگہ استعمال ہوا ہے اور اس میں فائدہ و غرض صیغہ ماضی ذکر کر کے ملاقات کی حرص اور رغبت کا اظہار کرنا ہے۔ ایسے ہی "**ينظر مولاي في أمري.**" بھی جملہ خبریہ ہے جس کو بلحاظِ ادب جملہ انشائیہ "**انظر مولاي في أمري .**" کی جگہ استعمال کیا گیا؛ کیونکہ آقا کو امر کرنا خلافِ ادب ہے۔
2. کسی فائدہ کی غرض سے جملہ انشائیہ کو جملہ خبریہ کی جگہ استعمال کرنا، جیسے: "**قل أمر ربي بالقسط وأقيموا وجوهكم عند كلّ مسجد.**" آیت میں "**أقيموا وجوهكم**" جملہ انشائیہ ہے جو کہ خبریہ کی جگہ استعمال ہوا ہے اور اگر خبریہ ہوتا تو عبارت یوں ہوتی "**قل أمر ربي بالقسط وإقامة وجوهكم عند كلّ مسجد.**" اور عدول کا مقصد نماز کے حکم کی اہمیت بتانا ہے۔ ایسے ہی "**قال إني أُشهد الله واشهدوا أني بريء ممّا تشركون.**" آیت میں "**اشهدوا أني بريء ممّا تشركون.**" جملہ انشائیہ ہے جو کہ خبریہ یعنی "**أشهدكم**" کی جگہ لایا گیا اور عدول کی وجہ یہ بتانا کہ لاحق سابق کے برابر نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ سابق میں اللہ کو شرک سے براءت پر گواہ بنایا گیا جو کہ قطعی طور پر درست ہے جبکہ لاحق میں مشرکین کو براءت پر گواہ بنایا گیا ہے اور ان کو گواہ بنانے سے مقصود صرف ان کے دین کی اہانت اور ان کے حال پر طنز ہے یا یوں کہیے کہ مشرکین کی شہادت اللہ کی شہادت کے برابر کسی صورت نہیں ہو سکتی۔ ایسے ہی "**أنفقوا طوعا أو كرها لن يتقبّل منكم.**" آیت میں "**أنفقوا**" جملہ انشائیہ ہے جو کہ خبریہ یعنی "**أنفقتم**" کی جگہ لایا گیا یہ بتانے کے لیے کہ امر کا صیغہ انفاق میں تسویہ (برابری) بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے یعنی انفاق خوشی سے ہو یا مجبوری سے دونوں صورتیں عدم قبولیت میں برابر ہیں۔

فائدہ: یہاں سابق سے مراد وہ جملہ ہے جو پہلے آیا، جیسے: "إني أشهد الله" اور لاحق سے مراد وہ جو بعد میں آیا، جیسے: "اشهدوا أني إلخ"۔

الترکیب

قوله: "تأدبا" مفعول له ل"الاحتراز". قوله: "بالشيء" متعلق ب"العناية". قوله: "عناية" مفعول له ل"لم يقل"، وكذا قوله: "تحاشيا".

وَمِنْهَا الْإِضْمَارُ فِيْ مَقَامِ الْإِظْهَارِ لِغَرَضٍ كَادِّعَاءِ أَنَّ مَرْجِعَ الضَّمِيْرِ دَائِمُ الْحُضُوْرِ فِي الذِّهْنِ كَقَوْلِ الشَّاعِرِ:

أَبَتِ الوِصَالَ مَخَافَةَ الرُّقَبَاءِ : وَأَتَتْكَ تَحْتَ مَدَارِعِ الظَّلْمَاءِ

الْفَاعِلُ ضَمِيْرٌ لَمْ يَتَقَدَّمْ لَهُ مَرْجِعٌ فَمُقْتَضَى الظَّاهِرِ الْإِظْهَارُ وَتَمْكِيْنِ مَا بَعْدَ الضَّمِيْرِ فِيْ نَفْسِ السَّامِعِ لِتَشَوُّقِهِ إِلَيْهِ أَوَّلًا نَحْوُ هِيَ النَّفْسُ مَا حَمَلْتَهَا تَحْتَمِلُ،هُوَ اللهُ أَحَدٌ،نِعْمَ التِّلْمِيْذُ الْمُؤَدَّبُ وَعَكْسُهُ أَيِ الْإِظْهَارُ فِيْ مَقَامِ الْإِضْمَارِ لِغَرَضٍ كَتَقْوِيَةِ دَاعِي الْإِمْتِثَالِ كَقَوْلِكَ لِعَبْدِكَ:سَيِّدُكَ يَأْمُرُكَ بِكَذَا ...

ترجمہ: اوران صورتوں میں سے ہے اسم ضمیر کو کسی غرض سے اسم ظاہر کی جگہ رکھنا، جیسے دعوی کرنا کہ ضمیر کا مرجع ہمہ وقت ذہن میں حاضر ہے، جیسے شاعر کا قول:اس نے رقیبوں کے خوف سے ملنے سے انکار کر دیااور وہ تیرے پاس تاریکی کی چادروں میں آئی۔فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع پہلے ذکر نہیں ہوا پس مقتضائے ظاہر اظہار ہے۔اور ضمیر کا مابعد سامع کے ذہن میں راسخ کرنا تاکہ ابتدا ہی سے ذہن ضمیر کے مابعد کا مشتاق ہو، جیسے: نفس پر جتنا بوجھ تم لادوگے اتنا اٹھالے گا۔،اللہ ایک ہے۔،کیا ہی اچھا!ہے باادب طالبعلم۔اور اس کا عکس یعنی اسم ظاہر کو کسی غرض سے اسم ضمیر کی جگہ رکھنا جیسے امتثال کے داعی کی تقویت، جیسے تیرا اپنے غلام کو کہنا: تیرا سردار تمہیں اس بات کا حکم کرتا ہے۔

تشریح: خلافِ مقتضیٰ الظاہر صورتوں میں سے مزید دو صورتیں مندرجہ ذیل ہیں:

1. اسم ظاہر کی جگہ کسی غرض کے حصول کی خاطر اسم ضمیر لانا، جیسے شاعر کے شعر میں "**أبت**" اور "**أتت**" دونوں فعلوں کا فاعل پہلے مذکور نہیں ہوا لہذا ظاہر کا تقاضا تھا کہ فاعل کے طور پر اسم ظاہر ذکر کیا جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ ضمیر ذکر کی گئی یہ بتانے کے لیے کہ ضمیر کا مرجع ایسا ہے جو ہر وقت دل ودماغ میں حاضر رہتا ہے۔ایسے ہی "**هي النفس.**"،"**هو الله.**" اور "**نعم التلميذ.**" مثالوں میں

ضمیر کا مرجع پہلے مذکور نہیں ہوا لہذا سب میں اظہار ہونا چاہیے تھا لیکن اضمار کیا گیا تاکہ ضمیر کے بعد آنے والا اسم سامع کے دل و دماغ میں اچھی طرح سے بیٹھ جائے ؛کیونکہ جب سامع ضمیر سنے گا اور اسے اس کی مراد سمجھ نہیں آئے گی تو دل میں ضمیر کے بعد آنے والے لفظ کا اشتیاق اور انتظار پیدا ہو گا اور جو چیز انتظار کے بعد حاصل ہو وہ دل میں زیادہ گھر کرتی ہے۔

2. ضمیر کی جگہ کسی مقصد کی خاطر اسم ظاہر لانا، جیسے: "**سیّدك یأمرك بكذا**."مثال میں ظاہر کے تقاضا کے مطابق "**أنا آمرك بكذا**."ہونا چاہیے تھا یعنی اسم ظاہر کی جگہ ضمیر آنی چاہیے تھی لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا یہ بتانے کے لیے کہ آمر قوی ہے کمزور نہیں لہذا مامور کو مامور بہ بجالانے میں کوتاہی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

فائدہ: آمر: حکم دینے والا۔**مامور:** جس کو حکم دیا گیا۔**مامور به:** جس بات کا حکم دیا گیا۔

الترکیب

قوله:"لغرض" متعلق ب"الإضمار". قوله:"لم يتقدم له مرجع" صفة ل"ضمير". قوله:"أولا" صفة لمقدر أي تشوقا أولا.

وَمِنْهَا الْإِلْتِفَاتُ وَهُوَ نَقْلُ الْكَلَامِ مِنْ حَالَةِ التَّكَلُّمِ أَوِ الْخِطَابِ أَوِ الْغَيْبَةِ إِلَى حَالَةٍ أُخْرَى مِنْ ذٰلِكَ فَالنَّقْلُ مِنَ التَّكَلُّمِ إِلَى الْخِطَابِ نَحْوُوَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ[116] أَيْ أُرْجَعُ وَمِنَ التَّكَلُّمِ إِلَى الْغَيْبَةِ نَحْوُإِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ o فَصَلِّ لِرَبِّكَ[117] وَمِنَ الْخِطَابِ إِلَى التَّكَلُّمِ كَقَوْلِ الشَّاعِرِ:

أَتَطْلُبُ وَصْلَ رَبَّاتِ الْجَمَالِ : وَقَدْ سَقَطَ الْمَشِيْبُ عَلَى قَذَالِيْ

وَمِنْهَا تَجَاهُلُ الْعَارِفِ وَهُوَ سُوْقُ الْمَعْلُوْمِ مَسَاقَ غَيْرِهِ لِغَرَضٍ كَالتَّوْبِيْخِ نَحْوُ

أَيَا شَجَرَ الْخَابُوْرِ مَالَكَ مُوْرِقًا : كَأَنَّكَ لَمْ تَجْزَعْ عَلَى ابْنِ طَرِيْفٍ

...

ترجمہ: اور ان صورتوں میں سے التفات ہے اور وہ کلام کو حالتِ تکلم، خطاب یا غیبت سے دوسری حالت کی طرف نقل کرنے کا نام ہے پس تکلم سے خطاب کی طرف نقل، جیسے: اور مجھے کیا ہوا کہ میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم نے لوٹنا ہے۔ یعنی میں نے لوٹنا ہے، اور تکلم سے غیبت کی طرف نقل، جیسے: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں۔ اور خطاب سے تکلم کی طرف نقل، جیسے شاعر کا قول: اے نفس! کیا تو حسین و جمیل عورتوں کا طالب ہے حالانکہ سفیدی میری گدی پر اتر آئی ہے۔ اور ان صورتوں میں سے تجاہل عارف ہے اور اس سے مراد ہے معلوم کو کسی غرض سے غیر معلوم کی جگہ رکھ کر گفتگو کرنا، جیسے توبیخ مثلا: اے خابور درخت! تو کیوں پتوں والا ہے گویا تمہیں ابن طریف پر کوئی غم نہیں۔

تشریح: خلافِ مقتضیٰ الظاہر صورتوں میں سے التفات اور تجاہل عارف بھی ہے:

---

[116] سورۃ یس: الآیۃ: 22.

[117] سورۃ الکوثر: الآیتان: 2 1.

التفات سے مراد ہے کلام کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نقل کرنا اور نقل کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:۔

- تکلّم سے خطاب کی طرف نقل کرنا، جیسے: "**وإليه ترجعون**." کی جگہ "**وإليه أرجع**" ہونا چاہیے تھا؛ کیونکہ ظاہر چاہتا ہے جب گفتگو کی ابتدا تکلّم سے ہوئی تو انتہا بھی تکلّم پر ہو نہ کہ خطاب پر، لہذا یہ کلام خلافِ مقتضی الظاہر ہے۔
- تکلّم سے غیبت کی طرف نقل کرنا، جیسے: "**إنّا أعطيناك الكوثر**." میں کلام کی ابتدا تکلّم سے ہوئی جبکہ "**فصلّ لربّك**." میں انتہا غیبت یعنی "ربّ" پر ہو رہی ہے؛ کیونکہ اسم ظاہر غائب کے حکم میں ہوتا ہے لہذا یہ کلام مقتضی الظاہر کے خلاف ہے۔
- خطاب سے تکلّم کی طرف نقل کرنا، جیسے: "**أتطلب**" میں شاعر اپنے نفس سے خطاب کر رہا ہے لہذا کلام کی ابتدا خطاب سے ہوئی جبکہ "**قد سقط المشيب على قذالي**." میں انتہا تکلّم پر ہوئی۔

تجاہل عارف سے مراد کسی مقصد کو پانے کے لیے جانتے ہوئے انجان بننا، جیسے شاعر کو پتہ ہے کہ درخت کسی کی بھی موت پر ماتم نہیں کر سکتا پھر بھی شاعر اس بات سے انجان بنتے ہوئے درخت پر محض زجر و توبیخ کرتے ہوئے اسے ماتم کا کہہ رہا ہے۔

التركيب

قوله: "نحو وما لي إلخ" خبر لما قبله من فالنقل إلخ.

وَمِنْهَا أُسْلُوْبُ الْحَكِيْمِ وَهُوَ تَلَقِّي الْمُخَاطَبِ بِغَيْرِ مَا يَتَرَقَّبُهُ أَوِ السَّائِلِ بِغَيْرِ مَا يَطْلُبُهُ تَنْبِيْهًا عَلَى أَنَّهُ الْأَوْلَى بِالْقَصْدِ فَالْأَوَّلُ يَكُوْنُ بِحَمْلِ الْكَلَامِ عَلَى خِلَافِ مُرَادِ قَائِلِهِ كَقَوْلِ الْقَبَعْثَرِي لِلْحَجَّاجِ وَقَدْ تَوَعَّدَهُ بِقَوْلِهِ لَأَحْمِلَنَّكَ عَلَى الْأَدْهَمِ "مَثْلُ الْأَمِيْرِ يُحْمَلُ عَلَى الْأَدْهَمِ وَالْأَشْهَبِ" فَقَالَ لَهُ الْحَجَّاجُ: أَرَدْتُّ الْحَدِيْدَ فَقَالَ الْقَبَعْثَرِي: لَأَنْ يَكُوْنَ حَدِيْدًا خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ بَلِيْدًا أَرَادَ الْحَجَّاجُ بِالْأَدْهَمِ الْقَيْدَ وَبِالْحَدِيْدِ الْمَعْدِنَ الْمَخْصُوْصَ وَحَمَلَهُمَا الْقَبَعْثَرِي عَلَى الْفَرَسِ الْأَدْهَمِ الَّذِيْ لَيْسَ بَلِيْدًا ...

ترجمہ: اور ان صورتوں میں سے حکیمانہ اسلوب ہے اور اس سے مراد ہے مخاطب سے اس کی توقع کے برخلاف گفتگو کرنا یاسائل کی طلب کے خلاف کلام لاناتنبیہ کرنے کے لیے کہ یہی گفتگو زیادہ مناسب ہے پس پہلی قسم (کی صورت) یہ ہے کہ کلام قائل کی مراد کے خلاف پر محمول ہو، جیسے قبعثری کا قول حجاج کے لیے: سردار لوگ سیاہ اور سفید گھوڑوں پر سوار کیے جاتے ہیں، جب حجاج نے قبعثری کو یہ کہہ کر دھمکایا کہ میں تمہیں ضرور بیڑیاں ڈالوں گا۔ حجاج نے اس کو کہا: میری مراد بیڑیاں ہیں۔اس پر قبعثری نے کہا: تیز ذہن ہونا کند ذہن ہونے سے بہتر ہے۔ حجاج نے ادہم سے بیڑیاں مراد لیں اور حدید سے مخصوص دھاتاور قبعثری نے ان دونوں کو سیاہ گھوڑے پر محمول کر دیاایسا گھوڑاجو بلید نہ ہو۔

تشریح: خلافِ مقتضی الظاہر صورتوں میں سے حکیمانہ اسلوب بھی ہے۔اسکی دوصورتیں ہیں پہلی صورت یہ کہ مخاطب کی توقع کے برخلاف گفتگو کرنا یعنی مخاطب نے اپنے کلام سے جو مراد لی ہے متکلم اس مراد کے برخلاف کوئی اور معنی مراد لے کر بتائے کہ یہی مراد زیادہ بہتر ہے، جیسے قبعثری نے حجاج بن یوسف کی اپنی گفتگو میں مذمت کی جب یہ بات حجاج تک پہنچی تو حجاج نے قبعثری کو وارننگ دیتے ہوئے کہا: "لأحملنّك على الأدهم."یعنی میں ضرور تمہیں ادھم پر محمول کرونگا۔حجاج نے "أدهم" سے لوہایعنی بیڑیاں مراد لیں جبکہ قبعثری نے جوابا"مثل الأمير يحمل على الأدهم والأشهب."کہتے ہوئے "أدهم" سے سیاہ گھوڑا

مراد لے کر مخاطب یعنی حجاج کو بتایا کہ یہی مراد زیادہ مناسب ہے پھر جب حجاج نے بتایا کہ "**أدهم**" سے میری مراد "حديد" (لوہا) ہے تو قبعثری نے جوابا "لأن يكون حديدا خير من أن يكون بليدا." کہتے ہوئے بتایا کہ "حديد" سے لوہا مراد لینے سے زیادہ بہتر ہے کہ تیز دماغ مراد لیا جائے بہر حال قبعثری نے حجاج کی توقع کے برخلاف کلام کیا۔

التركيب

قوله: "بغير ما يترقبه" متعلق ب"تلقّي"، و"تنبيها" مفعول لأجله ل"تلقي". قوله: "قد توعده بقوله لأحملنك على الأدهم" حال من "الحجاج".

وَالثَّانِي يَكُوْن بِتَنْزِيْلِ السُّؤَالِ مَنْزِلَةَ سُؤَالٍ آخَرَ مُنَاسِبٍ لِحَالَةِ السَّائِلِ كَمَا فِيْ قَوْلِهِ تَعَالَى: يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ[118] سَئَلَ بَعْضُ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ الْهِلَالِ يَبْدُوْ دَقِيْقًا ثُمَّ يَتَزَايَدُ حَتَّى يَصِيْرَ بَدْرًا ثُمَّ يَتَنَاقَصُ حَتّٰى يَعُوْدَ كَمَا بَدَءَ؟ فَجَاءَ الْجَوَابُ عَنِ الْحِكْمَةِ الْمُتَرَتِّبَةِ عَلَى ذٰلِكَ؛ لِأَنَّهَا أَهَمُّ لِلسَّائِلِ فَنُزِّلَ سُؤَالُهُمْ عَنْ سَبَبِ الْاِخْتِلَافِ مَنْزِلَةَ السُّؤَالِ عَنْ حِكْمَتِهِ …

ترجمہ: اور دوسری قسم کی صورت یہ کہ سوال کو سائل کی حالت کے مناسب کسی دوسرے سوال کے مرتبہ پر اتارناجیسا کہ اللہ تعالی کے فرمان میں ہے:وہ آپ سے نئے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمادیں یہ لوگوں اور حج کے لیے وقت کی علامتیں ہیں۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم نے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے پوچھا کہ چاند کی کیا حقیقت ہے؟ شروع میں باریک طلوع ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا ہے حتی کہ مکمل چاند بن جاتا ہے پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے حتی کہ اسی حالت پر لوٹ آتا ہے جس پر طلوع ہوا تھا۔ پس جواب میں وہ حکمت بتائی گئی جس کی بنیاد چاند کے اختلاف پر ہے؛ کیونکہ یہ حکمت سائل کے لیے زیادہ اہمیت کی حامل ہے لہذا ان کا سببِ اختلاف کے بارے میں سوال اسکو حکمت کے بارے میں سوال کے مرتبہ پر اتارا گیا۔

تشریح: حکیمانہ اسلوب کی دوسری صورت یہ کہ سائل کے مطلوبہ جواب (Expected Answer) کے برخلاف جواب دینایعنی سائل کو اس کے سوال کے مطابق جواب نہ دینابلکہ اس کی حالت کے موافق کوئی دوسرا جواب دینا؛ کیونکہ یہ اس کی نسبت اہم ہے، جیسے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے چاند کی حقیقت پوچھی تو آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سائلین کو ان کے سوال کے مطابق جواب نہیں دیا بلکہ چاند کی حکمت بتائی کہ یہ حکمت ان کی حالت کے موافق ہے تاکہ کل کو یہ چاند کے ذریعے اپنے معاملات اور اپنی عبادات میں مدد لے سکیں۔

[118] سورة البقرة: الآية: 189.

التركيب

قوله:"مناسب لحالة السائل" صفة ثانية ل"سؤال". قوله:"عن حكمته" متعلق ب"السؤال".

وَمِنْهَا التَّغْلِيبُ وَهُوَ تَرْجِيحُ أَحَدِ الشَّيْئَيْنِ عَلَى الْآخَرِ فِيْ إِطْلَاقِ لَفْظِهِ عَلَيْهِ كَتَغْلِيبِ الْمُذَكَّرِ عَلَى الْمُؤَنَّثِ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالَى: وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ[119] وَمِنْهُ الْأَبَوَانِ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ وَكَتَغْلِيبِ الْمُذَكَّرِ وَالْأَخَفِّ عَلَى غَيْرِهِمَا نَحْوُ الْقَمَرَيْنِ أَيِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَ"الْعُمَرَيْنِ" أَيْ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَالْمُخَاطَبِ عَلَى غَيْرِهِ نَحْوُ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ أَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا[120] أُدْخِلَ "شُعَيْبٌ" بِحُكْمِ التَّغْلِيْبِ فِيْ "لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا" مَعَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِيْهَا قَطُّ حَتَّى يَعُوْدَ إِلَيْهَا وَكَتَغْلِيبِ الْعَاقِلِ عَلَى غَيْرِهِ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[121]...

ترجمہ: اور ان صورتوں میں سے تغلیب ہے اور اس سے مراد ہے دو چیزوں میں سے ایک کو دوسری پر فوقیت دینا اس پر اطلاقِ لفظ میں، جیسے مذکّر کی مؤنث پر تغلیب اللہ تعالی کے فرمان میں: اور وہ ڈرنے والوں میں سے تھی۔ اور اسی سے ماں اور باپ کے لیے "أبوان" ہے اور، جیسے مذکر اور اخف کی ان کے غیر پر تغلیب مثلا: "**القمرین**" یعنی سورج اور چاند اور "**العمرین**" یعنی ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالی عنہما اور مخاطب کی غیر مخاطب پر تغلیب، جیسے: ہم ضرور اے شعیب تم کو اور ایمان والوں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم لوگ ہماری ملت میں واپس لوٹ آؤں گے۔ شعیب کو "لتعودنّ في ملّتنا." میں بحکم تغلیب داخل کیا گیا ہے باوجود کہ وہ ان کی ملت میں کبھی تھے ہی نہیں کہ اس کی طرف لوٹیں اور جیسے عاقل کی غیر عاقل پر تغلیب، جیسے اللہ تعالی کا فرمان: تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔

---

[119] سورة التحريم: الآية: 12.

[120] سورة الأعراف: الآية: 88.

[121] سورة الفاتحة: الآية: 2.

تشریح: خلافِ مقتضی الظاہر صورتوں میں سے تغلیب بھی ہے اور اس کی آسان لفظوں میں تعریف کچھ اس طرح ہے کہ دو چیزوں میں سے ایک کو دوسری پر غلبہ دیتے ہوئے مغلوب کو غالب کا نام دے دینا، جیسے: "**وكانت من القانتين**." میں "**كانت**" کا مرجع مؤنث ہے لہذا "**قانتات**" ہونا چاہیے تھا نہ کہ "**قانتين**"، پس اس آیت میں مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیتے ہوئے مذکر والا صیغہ مؤنث کے لیے استعمال کیا گیا۔ ایسے ہی "**أبوان**" میں "**أب**" کو "**أمّ**" پر غلبہ دیتے ہوئے "**أب**" کا تثنیہ دونوں کے لیے استعمال کیا گیا۔ ایسے ہی "**القمرين**" میں مذکر یعنی "**قمر**" کو مؤنث یعنی "**شمس**" پر غلبہ دیتے ہوئے دونوں کا "**القمرين**" نام رکھا۔ ایسے ہی "**العمرين**" عاشق اکبر سیدنا ابو بکر صدیق اور عادل اکبر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہما دونوں کا نام، اخف کو غیر اخف پر غلبہ دیتے ہوئے رکھا گیا اور یاد رہے کہ یہاں اخف سے مراد لفظ کا مختصر ہونا ہے، جیسے: "**عمر**" مختصر ہے "**أبو بكر**" سے۔ اور "**لتعودنّ في ملتنا**.": حکم عود میں حضرت شعیب علیہ السلام کو کفار نے مومنین کے ساتھ اکٹھا کر کے مخاطب کو غیر مخاطب پر غلبہ دیا۔ اگر نظر حقیقت سے دیکھا جائے تو حضرت شعیب علیہ السلام کے لیے عود فی الشرک کا حکم ممکن نہیں؛ کیونکہ عود کو لازم ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام پہلے مشرک تھے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں لہذا آیت میں حضرت شعیب علیہ السلام پر حکم عود تغلیبا یعنی مخاطب (مومنین) کو غیر مخاطب (حضرت شعیب علیہ السلام) پر غلبہ دیتے ہوئے لگایا گیا۔ اور ایسے ہی "**ربّ العالمين**" میں عقلاء کو غیر عقلاء پر غلبہ دیا گیا؛ کیونکہ "**العالمين**" جمع کا صیغہ ہے "ی" اور "ن" کے ساتھ، اور جمع کا یہ وزن عقلاء کے ساتھ خاص ہے حالانکہ یہاں "**العالمين**" سے عقلاء اور غیر عقلاء دونوں مراد ہیں؛ کیونکہ "**عالم**" سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعے صانع (Creator) کا علم ہو، وہ شے عاقل (Sensible) ہو یا غیر عاقل (Sensless)۔

التركيب

قوله: "على الآخر" **متعلق ب**"ترجيح"، **وقوله**: "عليه" **متعلق ب**"إطلاق". **قوله**: "للأب والأمّ" حال من "الأبوان".

عِلْمُ الْبَيَانِ (Oratory)

اَلْبَيَانُ عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيْهِ عَنِ التَّشْبِيْهِ وَالْمَجَازِ وَالْكِنَايَةِ ...

علم بیان

ترجمہ: بیان ایسا علم ہے جس میں تشبیہ، مجاز اور کنایہ کے حوالہ سے گفتگو ہوتی ہے۔

تشریح: الحمد للہ علم معانی اختتام کو پہنچا، اور اب یہاں سے علم بیان شروع ہوا چاہتا ہے۔ علم بیان میں تین چیزیں موضوعِ سخن بنتی ہیں: تشبیہ، مجاز اور کنایہ، ان تینوں کو آنے والے صفحات میں تفصیلا بیان کیا جائے گا البتہ مجموعی طور پر علم بیان کی تعریف ان لفظوں سے کی جاسکتی ہے کہ علم بیان ایسے قواعد کا علم ہے جس کی بدولت معنی واحد یعنی ایک ہی بات کو مختلف طریقوں سے لانا معلوم ہوتا ہے، برابر ہے ان طریقوں کا تعلق تشبیہ سے ہو، مجاز سے ہو یا پھر کنایہ سے ہو، اور یاد رہے کہ وہ طریقے ایک دوسرے سے وضاحت میں مختلف ہو سکتے ہیں جیسے، علم بیان کے قواعد کو مد نظر رکھتے ہوئے بتانا مقصود ہو کہ زید سخی ہے تو مندرجہ ذیل صورتیں ہو نگی:۔

تشبیہ:

1. زيد كالبحر في السخاء. یعنی زید سخاوت میں سمندر کی طرح ہے۔
2. زيد كالبحر. یعنی زید سمندر کی طرح ہے۔
3. زيد بحر. یعنی زید سمندر ہے۔

فائدہ: ان تینوں طریقوں میں زید کے سخی ہونے کو بیان کیا گیا ہے البتہ پہلا طریقہ اپنے مقصودی معنی پر دلالت کرنے میں سب سے زیادہ واضح ہے کہ مشبّہ، مشبّہ بہ، اَداۃِ تشبیہ اور وجہِ تشبیہ سب کچھ ذکر کیا گیا، ہے اور دوسرا طریقہ تیسرے سے زیادہ واضح ہے کہ وجہِ تشبیہ اگرچہ ذکر نہیں کی گئی مگر باقی سب مذکور ہے جبکہ تیسرا طریقہ کم واضح ہے؛ کیونکہ اداۃِ تشبیہ اور وجہِ تشبیہ دونوں مذکور نہیں۔

مجاز:

1. رأيت بحرا في الدار. یعنی میں نے گھر میں سمندر دیکھا۔

2. طَمٌّ زيد بالإنعام جميع الأنام. یعنی زید کا سمندر انعام واکرام میں تمام انسانوں کو سیر اب کرتا ہے۔

3. لَجَّةُ زيد تتلاطم أمواجها. یعنی زید کا سمندر تلاطم خیز موجوں والا ہے۔

فائدہ: "طمّ" اور "لجّة" دونوں کا معنی سمندر ہے اور ان تینوں طریقوں میں بھی زید کی سخاوت کو ہی بیان کیا گیا ہے البتہ پہلا طریقہ سب سے واضح ہے اور دوسرا کم واضح ہے جبکہ تیسرا ابین بین ہے۔

کنایہ:

1. زيد مهزول الفَصِيل. یعنی زید کی دیوار غیر متوازن ہے۔

2. زيد جَبَانُ الكَلْبِ. یعنی زید مہمان نواز ہے۔

3. زيد كثير الرَّمَادِ. یعنی زید زیادہ راکھ والا ہے۔

فائدہ: ان تینوں طریقوں میں بھی زید کی سخاوت کو ہی بیان کیا گیا ہے اور تیسرا طریقہ سب سے زیادہ واضح ہے اور دوسرا بین بین جبکہ پہلا کم واضح ہے۔

اَلتَّشْبِيْهُ

اَلتَّشْبِيْهُ إِلْحَاقُ أَمْرٍ بِأَمْرٍ فِيْ وَصْفٍ بِأَدَاةٍ لِغَرَضٍ وَالْأَمْرُ الْأَوَّلُ يُسَمَّى "الْمُشَبَّهَ" وَالثَّانِي "الْمُشَبَّهَ بِهِ" وَالْوَصْفُ "وَجْهَ الشِّبْهِ" وَالْأَدَاةُ "الْكَافُ" أَوْ نَحْوُهَا نَحْوُ الْعِلْمُ كَالنُّوْرِ فِي الْهِدَايَةِ فَالْعِلْمُ مُشَبَّهٌ وَالنُّوْرُ مُشَبَّهٌ بِهِ وَالْهِدَايَةُ وَجْهُ الشِّبْهِ وَالْكَافُ أَدَاةُ التَّشْبِيْهِ وَيَتَعَلَّقُ بِالتَّشْبِيْهِ ثَلَاثَةُ مَبَاحِثَ الْأَوَّلُ فِيْ أَرْكَانِهِ وَالثَّانِي فِيْ أَقْسَامِهِ وَالثَّالِثُ فِي الْغَرَضِ مِنْهُ...

تشبیہ

ترجمہ: ایک امر کو دوسرے امر کے ساتھ کسی وصف میں اداۃ کے ذریعے کسی غرض سے لاحق کرنا تشبیہ ہے اور پہلے امر کو مشبّہ، دوسرے کو مشبّہ بہ اور وصف کو وجہ شبہ کہتے ہیں اور اداۃ کاف یا اس کی مثل ہے، جیسے: علم ہدایت دینے میں نور کی طرح ہے۔ پس علم مشبّہ اور نور مشبّہ بہ اور ہدایت وجہ شبہ ہے اور کاف اداۃ تشبیہ ہے۔ تشبیہ سے تین ابحاث تعلق رکھتی ہیں: پہلی بحث ارکانِ تشبیہ کے بارے میں، دوسری اقسامِ تشبیہ جبکہ تیسری اغراضِ تشبیہ کے بارے میں ہے۔

تشریح: تشبیہ کو ذہن نشین رکھنے کے لیے مندرجہ ذیل اصطلاحات کی جانکاری ضروری ہے:

تشبیہ: حرفِ تشبیہ کے ذریعے کسی صفت میں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا۔

مشبّہ: وہ چیز جس کو مشابہت دی جائے یا جس کو ملایا جائے۔

مشبّہ بہ: وہ چیز جس کے ساتھ مشابہت دی جائے یا جس کے ساتھ ملایا جائے۔

اداۃِ تشبیہ: وہ لفظ جس کے ذریعے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ مشابہت دی جائے اس کو اردو میں حرفِ تشبیہ بھی کہا جاتا ہے، تاہم ضروری نہیں کہ یہ حرف ہی ہو بلکہ ہر وہ لفظ ہو سکتا ہے جو مشابہت کے معنیٰ رکھتا ہے، جیسے: "مثل"، "كأنّ" اور "نحو" وغیرہ مثلاً: "العلم مثل النور في الهداية."۔

وجہِ تشبیہ: ایسی صفت جس میں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملایا جائے۔

مثال:"العلم كالنور في الهداية."یعنی علم ہدایت دینے میں نور کی طرح ہے:اس مثال میں "العلم" مشبّہ ہے کہ اس کو مشابہت دی گئی ہے اور"النور"مشبّہ بہ ہے کہ اس کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے اور"الهداية"وجہِ شبہ ہے کہ اس صفت میں علم کو نور کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے اور"ك" اداۃ یعنی حرف ہے جس کے ذریعے علم کو نور کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔

فائدہ: بابِ تشبیہ میں تین طرح کی ابحاث ذکر کی جاتی ہیں جو کہ آئندہ صفحات میں بالترتیب ذکر کی جائیں گی ارکانِ تشبیہ پر بحث،اقسامِ تشبیہ پر بحث اور اغراضِ تشبیہ پر بحث۔

اَلْمَبْحَثُ الْأَوَّلُ فِيْ أَرْكَانِ التَّشْبِيْهِ

أَرْكَانُ التَّشْبِيْهِ أَرْبَعَةٌ الْمُشَبَّهُ وَالْمُشَبَّهُ بِهِ وَيُسَمَّيَانِ "طَرَفِي التَّشْبِيْهِ" وَوَجْهُ الشِّبْهِ وَالْأَدَاةُ وَالطَّرَفَانِ إِمَّا حِسِّيَانِ نَحْوُ الْوَرَقُ كَالْحَرِيْرِ فِي النُّعُوْمَةِ وَإِمَّا عَقْلِيَّانِ نَحْوُ الْجَهْلُ كَالْمَوْتِ وَإِمَّا مُخْتَلِفَانِ نَحْوُ خُلُقُهُ كَالْعِطْرِ وَوَجْهُ الشِّبْهِ هُوَ الْوَصْفُ الْخَاصُّ الَّذِيْ قُصِدَ اشْتِرَاكُ الطَّرَفَيْنِ فِيْهِ كَالْهِدَايَةِ فِي الْعِلْمِ وَالنُّوْرِ وَأَدَاةُ التَّشْبِيْهِ هِيَ اللَّفْظُ الَّذِيْ يَدُلُّ عَلَى مَعْنَى الْمُشَابَهَةِ كَالْكَافِ وَكَأَنَّ وَمَا فِيْ مَعْنَاهُمَا وَالْكَافُ يَلِيْهَا الْمُشَبَّهُ بِهِ بِخِلَافِ كَأَنَّ فَيَلِيْهَا الْمُشَبَّهُ نَحْوُ

كَأَنَّ الثُّرَيَّا رَاحَةٌ تَشْبِرُ الدُّجَى : لِتَنْظُرَ طَالَ اللَّيْلُ أَمْ قَدْ تَعَرَّضَا

وَ"كَأَنَّ" تُفِيْدُ التَّشْبِيْهَ إِذَا كَانَ خَبَرُهَا جَامِدًا وَالشَّكَّ إِذَا كَانَ خَبَرُهَا مُشْتَقًّا نَحْوُ كَأَنَّكَ فَاهِمٌ وَقَدْ يُذْكَرُ فِعْلٌ يُنْبِئُ عَنِ التَّشْبِيْهِ نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا[122] وَإِذَا حُذِفَتْ أَدَاةُ التَّشْبِيْهِ وَوَجْهُهُ يُسَمَّى تَشْبِيْهًا بَلِيْغًا نَحْوُ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا[123] أَيْ كَاللِّبَاسِ فِي السَّتْرِ...

پہلی بحث ارکانِ تشبیہ کے بارے میں ہے۔

ترجمہ: ارکانِ تشبیہ چار ہیں:۔ مشبّہ، مشبّہ بہ اور ان دونوں کو طرفین تشبیہ کا نام دیا جاتا ہے، وجہِ تشبیہ اور اداۃِ تشبیہ پھر طرفین یا تو حسی ہونگے، جیسے: پتہ ملائم ہونے میں ریشم کی طرح ہے۔ یا دونوں عقلی ہونگے، جیسے: جہالت موت کی طرح ہے۔ یا دونوں مختلف ہونگے، جیسے: اس کے اخلاق عطر کی طرح ہیں۔ اور وجہِ شبہ وہ خاص وصف ہے جس میں طرفین کی شرکت کا ارادہ کیا گیا ہو، جیسے ہدایۃ علم اور نور میں اور اداۃِ تشبیہ وہ لفظ ہے جو مشابہت کے معنی پر دلالت کرے، جیسے: "ك"، "كأنّ"، اور جو ان دونوں کے معنی میں ہیں اور "ك" کے ساتھ مشبّہ بہ ملا ہوتا ہے بخلاف "كأنّ" کے؛ کیونکہ اس کے ساتھ مشبّہ ملا ہوتا ہے، جیسے: ثریا گویا ہتھیلی کی طرح ہے جو

[122] سورة الإنسان: الآية: 19.

[123] سورة النبأ: الآية: 10.

رات کی تاریکیاں ناپتی رہتی ہے تا کہ دیکھے رات دراز ہوئی یا مختصر۔ اور "كأنّ" تشبیہ کا فائدہ دیتا ہے جبکہ اس کی خبر اسم جامد ہو اور شک کا فائدہ دیتا ہے جبکہ اس کی خبر اسم مشتق ہو، جیسے: شاید کہ تو سمجھدار ہے۔ اور کبھی کبھار ایسا فعل ذکر کیا جاتا ہے جس میں تشبیہ کے معنی ہوں، جیسے اللہ تعالی کا فرمان: جب تو انہیں دیکھے گا تو تو انہیں بکھرے ہوئے موتی سمجھے گا۔ اور جب اداۃِ تشبیہ اور وجہِ تشبیہ کو حذف کر دیا جائے تو یہ تشبیہِ بلیغ کہلاتی ہے، جیسے: ہم نے رات کو لباس بنایا یعنی چھپانے میں لباس کی طرح بنایا۔

تشریح: اس بحث میں ارکانِ تشبیہ پر یکے بعد دیگرے تفصیلا گفتگو ہے۔

مشبّہ اور مشبہ بہ:

ان دو ارکان کو طرفینِ تشبیہ کا نام دیا جاتا ہے، طرفین تشبیہ کے لحاظ سے تشبیہ کی چار صورتیں ہیں:

1. مشبّہ اور مشبّہ بہ دونوں حسی ہوں یعنی ان دونوں کا حس (Five Senses) کے ذریعے ادراک کیا جاسکتا ہو، جیسے: "**الورق كالحرير في النعومة**." یعنی پتہ ملائم ہونے میں ریشم کی طرح ہے۔ اس مثال میں مشبہ یعنی "**الورق**" حسی ہے کہ اس کو دیکھ کر، چھو کر، سونگھ کر بلکہ کھا کر بھی جانا جاسکتا ہے ایسے ہی مشبہ بہ یعنی "**الحرير**" بھی حسی ہے کہ اس کو دیکھ کر اور چھو کر جانا جاسکتا ہے۔
2. مشبّہ اور مشبّہ بہ دونوں عقلی ہوں یعنی ان دونوں کا حس کے ذریعے ادراک ناممکن ہو، جیسے: "**الجهل كالموت**." یعنی جہالت موت کی طرح ہے۔ اس مثال میں مشبہ اور مشبہ بہ یعنی "**الجهل**" اور "**الموت**" دونوں عقلی ہیں کہ دونوں کا ادراک صرف عقل سے کیا جاسکتا ہے۔
3. مشبہ عقلی ہو اور مشبہ بہ حسّی ہو، جیسے: "**خلقه كالعطر**." یعنی اس کے اخلاق عطر کی طرح ہیں۔ اس مثال میں مشبہ یعنی "**خلق**" عقلی ہے جبکہ مشبہ بہ یعنی "**عطر**" حسی ہے۔
4. مشبہ حسی ہو اور مشبہ بہ عقلی ہو، جیسے: "**العطر كالخلق**." یعنی عطر اخلاق کی طرح ہے، اس مثال میں مشبہ یعنی "**العطر**" حسی ہے جبکہ مشبہ بہ یعنی "**الخلق**" عقلی ہے۔

وجہِ شبہ: یہ ایسی صفت کا نام ہے جس کی بدولت مشبہ کو مشبہ بہ کے ساتھ ملایا جاتا ہے، جیسے علم (Knowledge) کو نور (Light) کے ساتھ ملایا گیا ہے اور ان دونوں کے بیچ جو صفت ہے وہ ہدایت (Guidence) ہے کہ دونوں کا کام رہنمائی ہے۔

اداۃِ تشبیه: اس سے مراد ہر وہ لفظ ہے جس میں مشابہت کے معنی پائے جائیں برابر ہے وہ اسم ہو، فعل ہو یا پھر حرف ہو، جیسے: "**أنت مثل أخي في العطف.** "یعنی آپ شفقت کرنے میں میرے بھائی کی مثل ہیں۔ اس مثال میں "**مثل**" اداۃ ہے جو کہ اسم ہے۔ اور "**إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا.**": اس مثال میں "**حسبت**" اداۃ ہے جس میں مشابہت کے معنی پائے جارہے ہیں اور یہ فعل ہے۔ اور "**كأنّ**" حرف ہے، اس کے بارے میں قانون ہے کہ اگر اس کی خبر اسم جامد ہو تو تشبیہ کے معنی دیتا ہے، جیسے: "**كأنّ الثريّا إلخ**" شعر میں "**كأنّ**" کی خبر اسم جامد یعنی "**راحة**" ہے اور اگر اس کی خبر اسم مشتق ہو تو شک کا معنی دیتا ہے، جیسے: "**كأنّك فاهم.** "یعنی شاید کے تو سمجھدار ہے۔ اس میں "**كأنّ**" کی خبر اسم مشتق یعنی "**فاهم**" ہے۔

فائدہ: "**كأنّ**" مشبہ کے ساتھ متصل ہوتا ہے جبکہ "**ك**" وغیرہ مشبہ بہ کے ساتھ متصل ہوتے ہیں البتہ مذکور آیت میں فعل (**حسبت**) جو کہ اداۃ ہے مشبہ کے ساتھ متصل ہے۔

فائدہ: اگر اداۃِ تشبیہ اور وجہِ شبہ دونوں حذف کر دیئے جائیں تو یہ تشبیہ، تشبیہ بلیغ کہلاتی ہے، جیسے: "**وجعلنا الليل لباسا.** "مثال میں تشبیہ بلیغ ہے؛ کیونکہ اس میں سے اداۃِ تشبیہ اور وجہِ تشبیہ دونوں کو حذف کیا گیا ہے ؛کیونکہ اصل میں یہ آیت "**وجعلنا الليل كاللباس في الستر.**" تھی۔

اَلْمَبْحَثُ الثَّانِي فِيْ أَقْسَامِ التَّشْبِيْهِ

يَنْقَسِمُ التَّشْبِيْهُ بِاعْتِبَارِ طَرَفَيْهِ إِلَى أَرْبَعَةِ أَقْسَامٍ تَشْبِيْه مُفْرَدٍ بِمُفْرَدٍ نَحْوُ هٰذَا الشَّيْءُ كَالْمِسْكِ فِي الرَّائِحَةِ وَتَشْبِيْه مُرَكَّبٍ بِمُرَكَّبٍ بِأَنْ يَكُوْنَ كُلٌّ مِنَ الْمُشَبَّهِ وَالْمُشَبَّهِ بِهِ هَيْئَةً حَاصِلَةً مِنْ عِدَّةِ أُمُوْرٍ كَقَوْلِ بشار:

كَأَنَّ مُثَارَ النَّقْعِ فَوْقَ رُؤُوْسِنَا : وَأَسْيَافَنَا لَيْلٌ تَهَاوَى كَوَاكِبُهُ

فَإِنَّهُ شبّهَ هَيْئَةَ الْغُبَارِ وَفِيْهِ السُّيُوْفُ مُضْطَرِبَةٌ بِهَيْئَةِ اللَّيْلِ وَفِيْهِ الْكَوَاكِبُ تَتَسَاقَطُ فِيْ جِهَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ وَتَشْبِيْه مُفْرَدٍ بِمُرَكَّبٍ كَتَشْبِيْهِ الشَّقِيْقِ بِهَيْئَةِ أَعْلَامٍ يَاقُوْتِيَّةٍ مَنْشُوْرَةٍ عَلَى رِمَاحٍ زَبَرْجَدِيَّةٍ وَتَشْبِيْه مُرَكَّبٍ بِمُفْرَدٍ نَحْوُ قَوْلِهِ:

يَا صَاحِبَيَّ تَقَصَّيَا نَظَرَيْكُمَا : تَرَيَا وُجُوْهَ الْأَرْضِ كَيْفَ تَصَوَّرُ

تَرَيَا نَهَارًا مُشْمِسًا قَدْ شَابَهُ : زَهْرُ الرُّبَا فَكَأَنَّمَا هُوَ مُقْمِرُ

فَإِنَّهُ شبّهَ هَيْئَةَ النَّهَارِ الْمُشْمِسِ الَّذِيْ اخْتَلَطَتْ بِهِ أَزْهَارُ الرَّبْوَاتِ بِاللَّيْلِ الْمُقْمِرِ...

دوسری بحث تشبیہ کی قسموں کے بارے میں ہے۔

ترجمہ: تشبیہ کی طرفین کے لحاظ سے چار قسمیں ہیں:۔ مفرد کو مفرد کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: یہ شے خوشبو میں مشک کی طرح ہے۔اور مرکب کو مرکب کے ساتھ تشبیہ دینا بایں صورت کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں سے ہر ایک ایسی ہیئت ہو جو متعدد امور سے حاصل ہو، جیسے بشار کا قول: ہمارے سروں پر اڑنے والا غبار ہماری تلواروں کے ساتھ گویا اس رات کی طرح ہے جس کے تارے ٹوٹ کر گر رہے ہوں، کیونکہ چلتی ہوئی تلواروں میں غبار کی ہیئت کو مختلف سمتوں میں ٹوٹتے تاروں والی رات کی ہیئت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور مفرد کو مرکب کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے سرخ رنگ کے پھول کو زبر جدی نیزوں پر لہراتے یاقوتی جھنڈوں کے ساتھ تشبیہ دینا اور مرکب کو مفرد کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے اس کا قول: اے میرے دونوں رفیقو! تم غور سے دیکھو کہ مقاماتِ جنگل

کیسا منظر پیش کر رہے ہیں اور سورج سے روشن دن کے ساتھ ٹیلوں کے سبزہ کی آمیزش گویا چاندنی رات کی طرح ہے۔ پس سورج سے روشن دن جس کے ساتھ ٹیلوں کے سبزہ کی آمیزش ہو، اس دن کی حالت کو چاندنی رات کے ساتھ تشبیہ دی۔

تشریح: مشبہ اور مشبہ بہ کے لحاظ سے تشبیہ کی چار قسمیں ہیں:

1. مفرد کو مفرد کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: "**هذا الشيء كالمسك في الرائحة.**"۔ اس میں مشبہ یعنی "**هذا الشيء**" اور مشبہ بہ یعنی "**المسك**" دونوں مفرد ہیں۔
2. مرکب کو مرکب کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: "**كأن مثار النقع إلخ**"۔ اس شعر میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مرکب ہیں یعنی چلتی ہوئی تلواروں میں سروں پر اڑتے ہوئے غبار کی حالت کو اس رات کی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہوں۔
3. مفرد کو مرکب کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے سرخ رنگ کے پھول کو تشبیہ دینا یاقوتی جھنڈوں کی حالت کے ساتھ جو زبرجدی نیزوں پر لہرا رہے ہوں۔
4. مرکب کو مفرد کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: "**يا صاحبيّ تقصّيا نظريكما إلخ**"۔ اس شعر میں مشبہ مرکب ہے جبکہ مشبہ بہ مفرد یعنی سورج سے روشن اور ٹیلوں کی جڑی بوٹیوں سے مخلوط دن کو چاندنی رات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

وَيَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ الطَّرَفَيْنِ أَيْضًا إِلَى مَلْفُوْفٍ وَمَفْرُوْقٍ فَالْمَلْفُوْفُ أَنْ يُؤْتَى بِمُشَبَّهَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ ثُمَّ بِالْمُشَبَّهِ بِهَا نَحْوُ

كَأَنَّ قُلُوْبَ الطَّيْرِ رَطْبًا وَيَابِسًا: لَدَى وَكْرِهَا الْعُنَّابُ وَالحَشَفُ البَالِيُ

فَإِنَّهُ شبّه الرَّطب الطَّرِيّ مِنْ قُلُوْبِ الطَّيْرِ بِالْعُنَّابِ وَالْيَابِس الْعَتِيْق مِنْهَا بِالتَّمْرِ الرَّدِيِّ وَالْمَفْرُوْقُ أَنْ يُؤْتَى بِمُشَبَّهٍ وَمُشَبَّهٍ بِهِ ثُمَّ آخَرَ وَآخَرَ نَحْوُ

اَلنَّشْرُ مِسْكٌ وَالْوُجُوْهُ دَنَا: نِيْرُ وَأَطْرَافُ الْأَكُفِّ عَنَمُ

وَإِنْ تَعَدَّدَ الْمُشَبَّهُ دُوْنَ الْمُشَبَّهِ بِهِ سُمِّيَ تَشْبِيْهَ التَّسْوِيَةِ نَحْوُ

صُدْغُ الْحَبِيْبِ وَحَالِيْ: كِلَاهُمَا كَاللَّيَالِيْ

وَإِنْ تَعَدَّدَ الْمُشَبَّهُ بِهِ دُوْنَ الْمُشَبَّهِ سُمِّيَ تَشْبِيْهَ الْجَمْعِ نَحْوُ

كَأَنَّمَا يَبْسِمُ عَنْ لُؤْلُؤٍ: مُنَضَّدٍ أَوْ بَرَدٍ أَوْ أَقَاحٍ

...

ترجمہ: طرفین کے لحاظ سے تشبیہ، ملفوف اور مفروق کی طرف تقسیم ہوتی ہے پس ملفوف یہ کہ دو یا دو سے زیادہ مشبہ ذکر کیے جائیں پھر مشبہ بہا ذکر کیے جائیں، جیسے: اس کے گھونسلے کے پاس پرندوں کے تازہ اور خشک دل گرے گویا وہ عناب اور ردی چھوہاروں کی طرح ہوں۔ پس پرندوں کے تازہ دلوں کو عناب اور خشک دلوں کو ردی چھوہاروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور مفروق یہ کہ مشبہ اور مشبہ بہ ذکر کیا جائے پھر ایک اور مشبہ اور مشبہ بہ ذکر کیا جائے، جیسے: عورتوں سے اٹھنے والی خوشبو مشک کی مانند ہے اور انکے چہرے دیناروں کی مانند ہیں اور ہتھیلیوں کی انگلیاں عنم نامی درخت کی شاخوں کی مانند ہیں۔ اور اگر مشبہ متعدد ہوں نہ کہ مشبہ بہ تو اس تشبیہ کو تشبیہ تسویہ کہا جاتا ہے، جیسے: محبوبہ کے گیسو اور میرا حال دونوں سیاہ رات کی مانند ہیں۔ اور اگر مشبہ بہ متعدد ہوں نہ کہ مشبہ تو اس تشبیہ کو تشبیہ جمع کہا جاتا ہے، جیسے: وہ گویا ترتیب دیے موتیوں یا اولوں یا گل بابونہ سے ہنستا ہے۔

تشریح: مشبہ اور مشبہ بہ کے لحاظ سے تشبیہ کی مزید دو قسمیں ہیں:

1. **ملفوف:** اس تشبیہ میں ایک یا ایک سے زاید مشبہ ذکر کرنے کے بعد بالترتیب مشبہ بہا ذکر کیے جاتے ہیں، جیسے: "**كأنّ قلوب الطير إلخ**" شعر میں شاعر نے تازہ دلوں کو سرخی اور تازگی میں عنّاب یعنی ولایتی سرخ بیر کے ساتھ اور پرانے دلوں کو پرانے چھوہاروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور ایسا کرنے کے لیے شعر میں دو مشبہ ذکر کیے گئے پھر دونوں کے لیے بالترتیب دو مشبہ بہ ذکر کیے گئے۔
2. **مفروق:** اس میں ایک سے زیادہ تشبیہات ترتیب کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں، جیسے: "**النشر مسك إلخ**" شعر میں تین تشبیہات ذکر کی گئیں یعنی خوشبو کو پھیلنے والی مہک میں مشک کے ساتھ، چہروں کو گولائی اور چمک دمک میں دیناروں کے ساتھ اور انگلیوں کو نرمی اور سرخی میں عنم درخت کی شاخوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔

فائدہ: اس صفحہ پر تشبیہ کی مزید دو قسمیں ذکر کی گئی ہیں یعنی تشبیہ تسویہ اور تشبیہ جمع جن کی تعریفات بمع امثلہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. **تشبيه تسويه:** مشبہ بہ صرف ایک ہو اور مشبہ ایک سے زیادہ ہوں، جیسے: "**صدغ الحبيب إلخ**" شعر میں مشبہ بہ صرف ایک ہے یعنی "**ليالي**" جبکہ مشبہ ایک سے زاید ہیں یعنی "**صدغ الحبيب**" اور "**حالي**"۔
2. **تشبيه جمع:** مشبہ صرف ایک ہوں اور مشبہ بہ ایک سے زائد ہوں، جیسے: "**كأنما يبسم إلخ**" شعر میں مشبہ ایک ہے یعنی "محبوب کے دانت" اور مشبہ بہ ایک سے زاید ہیں یعنی "**لؤلؤ**"، "**برد**" اور "**أقاح**"۔

وَيَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ وَجْهِ الشِّبْهِ إِلَى تَمْثِيْلٍ وَغَيْرِ تَمْثِيْلٍ فَالتَّمْثِيْلُ مَا كَانَ وَجْهُهُ مُنْتَزِعًا مِنْ مُتَعَدِّدٍ كَتَشْبِيْهِ الثُّرَيَّا بِعُنْقُوْدِ الْعِنَبِ الْمُنَوَّرِ وَغَيْرُ التَّمْثِيْلِ مَا لَيْسَ كَذٰلِكَ كَتَشْبِيْهِ النَّجْمِ بِالدِّرْهَمِ وَيَنْقَسِمُ بِهٰذَا الْإِعْتِبَارِ أَيْضًا إِلَى مُفَصَّلٍ وَمُجْمَلٍ فَالْأَوَّلُ مَا ذُكِرَ فِيْهِ وَجْهُ الشِّبْهِ نَحْوُ

وَثَغْرُهُ فِيْ صَفَاءٍ : وَأَدْمُعِيْ كَاللَّآلِيْ

وَالثَّانِيْ مَا لَيْسَ كَذٰلِكَ نَحْوُ اَلنَّحْوُ فِيْ اَلْكَلَامِ كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ ...

ترجمہ: اور تشبیہ وجہِ شبہ کے لحاظ سے تمثیل اور غیر تمثیل کی طرف تقسیم ہوتی ہے پس تمثیل وہ جس کی وجہِ شبہ متعدد امور سے ماخوذ ہو، جیسے ثریا کو انگور کے روشن خوشے سے تشبیہ دینااور غیر تمثیل وہ جو ایسے نہ ہو، جیسے تارے کو تشبیہ دینا درہم کے ساتھ۔ اور تشبیہ اس لحاظ سے مفصل اور غیر مفصل کی طرف بھی تقسیم ہوتی ہے پس اول وہ جس میں وجہِ شبہ ذکر کی گئی ہو، جیسے: اور اس کے مسوڑے اور میرے آنسو صفائی میں موتیوں کی طرح ہیں۔ اور ثانی وہ جو ایسے نہ ہو، جیسے: نحو کلام میں ایسے ہے جیسے نمک کھانے میں۔

تشریح: وجہِ شبہ کے لحاظ سے تشبیہ کی چار قسمیں ہیں:

1. **تمثیل:** یہ وہ تشبیہ ہے جس میں وجہِ شبہ چند چیزوں سے ماخوذ ہو، جیسے ثریا کو انگور کے روشن خوشے سے تشبیہ دی جائے تو یہاں وجہِ شبہ (روشنی) متعدد انگوروں کے اجتماع سے ماخوذ ہوئی۔
2. **غیر تمثیل:** یہ وہ تشبیہ ہے جس میں وجہِ شبہ چند چیزوں سے ماخوذ نہ ہو، جیسے تارے کو بیاض اور صفا میں درہم کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو یہاں وجہِ شبہ متعدد چیزوں کے اجتماع سے ماخوذ نہیں ہوئی۔
3. **مفصّل:** ایسی تشبیہ جس میں وجہِ شبہ مذکور ہو، جیسے: "وثغره في صفاء إلخ" میں وجہِ شبہ "في صفاء" لفظوں میں مذکور ہے۔
4. **مجمل:** ایسی تشبیہ جس میں وجہِ شبہ مذکور نہ ہو، جیسے: "النحو في الكلام إلخ" مثال میں وجہِ شبہ لفظوں میں مذکور نہیں ہے اور وجہِ شبہ ہے "الصلاح بالإعمال والفساد بالإهمال"۔

وَيَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ أَدَاتِهِ إِلَى مُؤَكَّدٍ وَهُوَ مَا حُذِفَتْ أَدَاتُهُ نَحْوُهُوَ بَحْرٌ فِي الْجُوْدِ وَمُرْسَلٌ وَهُوَ مَا لَيْسَ كَذٰلِكَ نَحْوُهُوَ كَالْبَحْرِ كَرَمًا وَمِنَ الْمُؤَكَّدِ مَا أُضِيْفَ فِيهِ الْمُشَبَّهُ بِهِ إِلَى الْمُشَبَّهِ نَحْوُ

وَالرِيْحُ تَعْبَثُ بِالْغُصُوْنِ وَقَدْ جَرَى

ذَهَبُ الْأَصِيْلِ عَلَى لُجَيْنِ الْمَاءِ

...

ترجمہ: اور تشبیہاداۃِ شبہ کے لحاظ سے تقسیم ہوتی ہے مؤکد کی طرف اور مؤکد وہ جس میں اداۃِ شبہ حذف کیا گیا ہو، جیسے: وہ سخاوت میں دریا ہے۔ اور مرسل کی طرف اور مرسل وہ جو مؤکد کی طرح نہ ہو، جیسے: وہ سخاوت میں دریا کی طرح ہے۔ اور مؤکد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مشبہ بہ کی مشبہ کی طرف اضافت کر دی جائے، جیسے: اور ہوا ٹہنیوں کے ساتھ کھیلتی ہے حالانکہ شام کا سونا پانی کی چاندی پر بہہ چکا ہوتا ہے۔

تشریح: تشبیہ کی اداۃِ تشبیہ کے لحاظ سے دو قسمیں ہیں:

1. **مؤکد:** اس میں اداۃِ تشبیہ لفظوں میں مذکور نہیں ہوتا، جیسے: "**هو بحر في الجود.**" مثال میں اداۃِ تشبیہ مذکور نہیں ہوا۔
2. **مرسل:** اس میں اداۃِ تشبیہ لفظوں میں مذکور ہوتا ہے، جیسے: "**هو كالبحر كرما.**" مثال میں "ك" اداۃِ تشبیہ لفظوں میں مذکور ہے۔

فائدہ: مؤکد تشبیہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مشبہ بہ مشبہ کی طرف مضاف ہو، جیسے: "**والريح تعبث إلخ**" شعر میں "**ذهب**" اور "**لجين**" مشبہ بہ ہیں اور "**الأصيل**" اور "**الماء**" مشبہ ہیں بہرحال شاعر نے غروبِ آفتاب کے وقت کی زردی کو سونے (Gold) اور بہنے والے چمکدار پانی کو چاندی (Silver) کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

اَلْمَبْحَثُ الثَّالِثُ فِيْ أَغْرَاضِ التَّشْبِيْهِ

اَلْغَرَضُ مِنَ التَّشْبِيْهِ إِمَّا بَيَانُ إِمْكَانِ الْمُشَبَّهِ نَحْوُ

فَإِنْ تَفُقِ الأَنَامَ وَأَنْتَ مِنْهُمْ : فَإِنَّ الْمِسْكَ بَعْضُ دَمِ الْغَزَالِ

فَإِنَّهُ لَمَّا ادَّعَى أَنَّ الْمَمْدُوْحَ مُبَائِنٌ لِأَصْلِهِ بِخَصَائِصَ جَعَلَتْهُ حَقِيقَةً مُنْفَرِدَةً احْتَجَّ عَلَى إِمْكَانِ دَعْوَاهُ بِتَشْبِيْهِهِ بِالْمِسْكِ الَّذِيْ أَصْلُهُ دَمُ الْغَزَالِ.

وَإِمَّا بَيَانُ حَالِهِ كَمَا فِيْ قَوْلِهِ:

كَأَنَّكَ شَمْسٌ وَالْمُلُوْكَ كَوَاكِبُ : إِذَا طَلَعَتْ لَمْ يَبْدُ مِنْهِنَّ كَوْكَبُ

وَإِمَّا بَيَانُ مِقْدَارِ حَالِهِ كَقَوْلِهِ:

فِيْهَا اثْنَتَانِ وَأَرْبَعُوْنَ حَلُوْبَةً : سُوْدًا كَخَافِيَةِ الْغُرَابِ الأَسْحَمِ

شَبَّهَ النُّوْقَ السُّوْدَ بِخَافِيَةِ الْغُرَابِ بَيَانًا لِمِقْدَارِ سِوَادِهَا ...

تیسری بحث تشبیہ کی اغراض کے بارے میں ہے۔

ترجمہ: تشبیہ سے مقصد یا تو مشبہ کے امکان کو بیان کرنا ہے، جیسے: اگر تم لوگوں پر فوقیت حاصل کرلو تو تب بھی تم ان ہی میں سے ایک ہو؛ کیونکہ مشک ہرن کے خون کا جزو ہوتا ہے۔ پس شاعر نے دعوی کیا کہ ممدوح اپنی اصل سے ان خصوصیات کی وجہ سے جدا ہے جنہوں نے اسے ایک منفرد حقیقت بنادیا تو اس نے اپنے دعوی کے امکان پر ممدوح کو مشک کے ساتھ تشبیہ دے کر دلیل پکڑی وہ مشک جس کی حقیقت ہرن کا خون ہے۔ یا مشبہ کے حال کو بیان کرنا ہے جیسا کہ شاعر کے قول میں ہے: گویا تم سورج ہو اور بادشاہ لوگ تارے ہیں جب تم طلوع ہوتے ہو تو ان میں سے کوئی تارا ظاہر نہیں ہوتا۔ یا مشبہ کے حال کی مقدار بیان کرنا ہے، جیسے شاعر کا قول: ان اونٹنیوں میں سے بیالیس دودھ دینے والی اونٹنیاں کالے کوے کے سیاہ پر کی طرح کالی ہیں۔ پس شاعر نے سیاہ اونٹنیوں کو کوے کے پر کے ساتھ ان کی سیاہی کی مقدار بیان کرنے کے لیے تشبیہ دی۔

تشریح: تشبیہ کے مقاصد درج ذیل ہیں:

1. امکانِ مشبہ کا بیان یعنی مشبہ کے ممکن ہونے کو بیان کرنا، جیسے: "**فإن تفق الأنام إلخ**" شعر میں ممدوح کو مشک کے ساتھ تشبیہ دے کر بتایا کہ جیسے مشک اپنی خاص مہک کی وجہ سے ممکن ہے کہ ایک منفرد جنس ہو اگرچہ یہ ہرن کے خون کا ہی حصہ ہے ایسے ہی ممکن ہے کہ ممدوح بھی اپنی خصوصیات کی بدولت تمام مخلوق میں ایک منفرد جنس ہو اگرچہ یہ ان ہی میں سے ایک ہے۔
2. مشبہ کی حالت کو بیان کرنا، جیسے: "**كأنك شمس والملوك إلخ**" شعر میں ممدوح کو سورج اور ملوک کو ستاروں کے ساتھ تشبیہ دے کر مشبہ کی حالت کو بیان کیا کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ستارے ماند پڑ جاتے ہیں۔
3. مشبہ کے حال کی مقدار بیان کرنا، جیسے: "**فيها إثنتان وأربعون إلخ**" شعر میں اونٹنیوں کو سیاہی میں کوے کے پر کے ساتھ تشبیہ دے کر مشبہ کے حال یعنی سیاہی کی مقدار کو بیان کیا ہے۔

وَإِمَّا تَقْرِيْرُ حَالِهِ نَحْوُ

إِنَّ الْقُلُوْبَ إِذَا تَنَافَرَ وُدُّهَا : مِثْلُ الزُّجَاجَةِ كَسْرُهَا لَا يُجْبَرُ

شَبَّهَ تَنَافُرَ الْقُلُوْبِ بِكَسْرِ الزُّجَاجَةِ تَثْبِيْتًا لِتَعَذُّرِ عَوْدَتِهَا إِلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْمُوَدَّةِ وَإِمَّا تَزْيِيْنُهُ نَحْوُ

سَوْدَاءُ وَاضِحَةُ الْجَبِيْنِ : كَمُقْلَةِ الظَّبْيِ الْغَرِيْرِ

شَبَّهَ سِوَادَهَا بِسِوَادِ مُقْلَةِ الظَّبْيِ تَحْسِيْنًا لَهَا.

وَإِمَّا تَقْبِيْحُهُ نَحْوُ

وَإِذَا أَشَارَ مُحَدِّثًا فَكَأَنَّهُ : قِرْدٌ يُقَهْقِهُ أَوْ عَجُوْزٌ تَلْطِمُ

وَقَدْ يَعُوْدُ الْغَرَضُ إِلَى الْمُشَبَّهِ بِهِ إِذَا عُكِسَ طَرَفَا التَّشْبِيْهِ نَحْوُ

وَبَدَا الصَّبَاحُ كَأَنَّ غُرَّتَهُ : وَجْهُ الْخَلِيْفَةِ حِيْنَ يُمْتَدَحُ

وَمِثْلُ هٰذَا يُسَمَّى بِالتَّشْبِيْهِ الْمَقْلُوْبِ ...

ترجمہ: یا مشبہ کے حال کو ثابت کرنا ہے، جیسے: دلوں سے محبت جب نکلتی ہے تو وہ شیشے کی مانند ہوتے ہیں جس کے ٹکڑے جڑتے نہیں۔ شاعر نے تنافرِ قلوب کو کسر زجاجہ کے ساتھ تشبیہ دی یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ایسے دلوں کا پہلی حالت یعنی مودت کی طرف لوٹنا متعذر ہوتا ہے۔ یا مشبہ کو مزین کرنا ہے، جیسے: میری محبوبہ سیاہ رنگت والی کشادہ پیشانی والی گویا خوبصورت ہرنی کی آنکھ کا ڈھیلا ہو۔ شاعر نے اس کی سیاہی کو حسین ثابت کرنے کے لیے ہرنی کے ڈھیلے کی سیاہی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ یا مشبہ کی تقبیح کرنا ہے، جیسے: جب وہ گفتگو کرتے ہوئے اشارہ کرتا ہے تو ایسے لگتا ہے جیسے کوئی بندر قہقہ لگا رہا ہو یا کوئی بڑھیا اپنے منہ پر طمانچہ مار رہی ہو۔ اور بعض دفعہ غرض مشبہ بہ کی طرف لوٹتی ہے جبکہ طرفین تشبیہ کا عکس کر دیا جائے، جیسے: اور صبح ظاہر ہوئی گویا اس کی چمک بوقت مدح خلیفہ کے چہرہ کی چمک جیسی ہو اور اس قسم کی تشبیہ تشبیہ مقلوب کہلاتی ہے۔

تشریح: تشبیہ کی مزید اغراض درج ذیل ہیں:

4. مشبہ کی حالت کو ثابت کرنا، جیسے: "إنّ القلوب إذا تنافر ودّها إلخ" شعر میں ٹوٹے دلوں کو ٹوٹے شیشہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی یعنی دلوں کی محبت والی حالت جب نفرت میں بدل جائے تو دوبارہ دل پہلی حالت پر نہیں لوٹتے جیسے شیشہ ٹوٹ جائے تو دوبارہ پہلے کی طرح نہیں جڑتا۔

5. مشبہ کی تزیین یعنی مشبہ کو بنا سنوار کر پیش کرنا، جیسے: "سوداء واضحة الجبين إلخ" شعر میں شاعر نے محبوبہ کی سیاہی کو بنا سنوار کر پیش کرتے ہوئے کہا کہ محبوبہ کا سیاہ رنگ ایسا دل کش ہے جیسے ہرنی کے ڈھیلے کا سیاہ رنگ۔

6. مشبہ کی تقبیح یعنی مشبہ کو بد نما اور بد صورت بنا کر پیش کرنا، جیسے: "إذا أشار محدّثا إلخ" شعر میں مشبہ کو بد صورت و بد نما بنا کر پیش کیا گیا یعنی جب وہ (مشبہ) کلام کرتے ہوئے اشارہ کرتا ہے تو قہقہہ لگاتا بندر معلوم ہوتا ہے یا طمانچے مارتی بڑھیا۔

فائدہ: طرفین تشبیہ کا عکس کرنے یعنی مشبہ کو مشبہ بہ اور مشبہ بہ کو مشبہ بنانے کی صورت میں بعض اوقات غرض مشبہ بہ کی طرف لوٹتی ہے اور ایسی تشبیہ قلب طرفین کی وجہ سے **تشبیہ مقلوب** کہلاتی ہے، جیسے: "بدا الصباح إلخ"۔ حقیقت میں روشن چہرہ کو روشن صبح کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے لیکن اس شعر میں قلب ہے یعنی روشن صبح کو روشن چہرہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ایک غرض کی خاطر اور وہ یہ کہ مشبہ بہ یعنی وجہِ خلیفہ چمک دمک میں مشبہ یعنی روشن صبح سے اکمل اور اقوی ہے۔

اَلْمَجَازُ

هُوَ اللَّفْظُ الْمُسْتَعْمَلُ فِيْ غَيْرِ مَا وُضِعَ لَهُ لِعَلَاقَةٍ مَعَ قَرِيْنَةٍ مَانِعَةٍمِنْ إِرَادَةِ الْمَعْنَى السَّابِقِ كَالدُّرَرِ الْمُسْتَعْمَلَةِ فِي الْكَلِمَاتِ الْفَصِيْحَةِ فِيْ قَوْلِكَ: فُلَانٌ يَتَكَلَّمُ بِالدُّرَرِ فَإِنَّهَامُسْتَعْمَلَةٌ فِيْ غَيْرِ مَا وُضِعَتْ لَهُ إِذْ قَدْ وُضِعَتْ فِي الْأَصْلِ لِلَّآلِي الْحَقِيْقِيَّةِ ثُمَّ نُقِلَتْ إِلَى الْكَلِمَاتِ الْفَصِيْحَةِ لِعَلَاقَةِ الْمُشَابَهَةِ بَيْنَهُمَا فِي الْحُسْنِ وَالَّذِيْ يَمْنَعُ مِنْ إِرَادَةِ الْمَعْنَى الْحَقِيْقِيِّ قَرِيْنَةُ "يَتَكَلَّمُ" وَكَالْأَصَابِعِ الْمُسْتَعْمَلَةِ فِي الْأَنَامِلِ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالَى: يَجْعَلُوْنَ أَصَابِعَهُمْ فِيْ آذَانِهِمْ[124] فَإِنَّهَا مُسْتَعْمَلَةٌ فِيْ غَيْرِ مَا وُضِعَتْ لَهُ لِعَلَاقَةِ أَنَّ الْأَنْمُلَةَ جُزْءٌ مِنَ الْإِصْبَعِ فَاسْتُعْمِلَ الْكُلُّ فِي الْجُزْءِ وَقَرِيْنَةُ ذٰلِكَ أَنَّهُ لَا يُمْكِنُ جَعْلُ الْأَصَابِعِ بِتَمَامِهَا فِي الْآذَانِ وَالْمَجَازُ إِنْ كَانَتْ عَلَاقَتُهُ الْمُشَابَهَةَ بَيْنَ الْمَعْنَى الْمَجَازِيِّ وَالْمَعْنَى الْحَقِيْقِيِّ كَمَا فِي الْمِثَالِ الْأَوَّلِ يُسَمَّى اسْتِعَارَةً وَإِلَّا فَمَجَازٌ مُرْسَلٌ كَمَا فِي الْمِثَالِ الثَّانِي...

مجاز

ترجمہ: مجاز ایسا لفظ ہے جس کو غیر موضوع لہ میں کسی علاقہ سے استعمال کیا گیا ایسے قرینہ کے سے جو پہلا معنی مراد لینے سے روکنے والا ہو، جیسے "درر" تیرے قول میں فصیح کلمات کے لیے استعمال ہوا: فلاں گفتگو میں موتی بکھیرتا ہے۔ پس اس لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کیا گیا؛ کیونکہ اس کی اصل وضع حقیقی موتیوں کے لیے تھی پھر اس کو کلماتِ فصیحہ کی طرف نقل کیا ان دونوں میں مشابہتِ حسن کا علاقہ پائے جانے کی وجہ سے، اور جو معنی حقیقی مراد لینے سے روکنے والا قرینہ ہے وہ "**یتکلم**" ہے اور انگلیاں جن کو پوروں کے معنی میں استعمال کیا گیا اللہ تعالی کے فرمان میں: وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں۔ پس "**أصابع**" غیر موضوع لہ معنی میں استعمال ہوا اس علاقہ کی بدولت کہ "**أنملة**" (پورے) انگلیوں کے اجزاء ہیں پس کل جزو کے معنی

[124] سورة البقرة: الآية: 19.

میں استعمال کیا گیا اوراس پر قرینہ یہ کہ مکمل انگلیاں کانوں میں ڈالنا ممکن نہیں۔اور مجازاگر معنی مجازی اور معنی حقیقی کے درمیان مشابہت کا علاقہ ہو جیسے پہلی مثال میں تواستعارہ کہلاتا ہے ورنہ مجاز مرسل جیسے دوسری مثال میں۔

تشریح: مجاز سے مراد یہ کہ لفظ کو جس معنی کے لیے وضع (Devise) کیا گیا تھا اس معنی میں استعمال نہ ہو بلکہ کسی دوسرے معنی میں استعمال ہو پہلے معنی کو حقیقی معنی یا معنی موضوع لہ کہتے ہیں جبکہ دوسرے معنی کو مجازی معنی یا معنی غیر موضوع لہ کہتے ہیں تاہم دونوں معانی کے درمیان علاقہ (مناسبت) کا ہوناضروری ہے اور ساتھ میں قرینہ بھی جو یہ بتائے کہ لفظ یہاں دوسرے معنی میں استعمال ہو رہا ہے، جیسے: "**فلان يتكلم بالدرر.**" مثال میں "الدرر" اپنے پہلے معنی یعنی موتیوں (Pearls) میں استعمال نہیں ہو رہا بلکہ دوسرے معنی میں استعمال ہو رہا ہے اور علاقہ حسن ہے یعنی جس طرح موتی حسین ہوتے ہیں کہ ان کو سمیٹنے کو دل کرتا ہے ایسے ہی فلاں بندے کی گفتگو حسین ہے کہ سننے کو دل کرتا ہے، اور قرینہ "**يتكلم**" فعل ہے جو بتا رہا ہے کہ "درر" کا حقیقی معنی مراد نہیں لیا جاسکتا؛ کیونکہ کوئی بھی آدمی گفتگو کرتے ہوئے حقیقی موتی نہیں بکھیرتا۔
اور "**يجعلون أصابعهم في آذانهم.**" مثال میں "**إصبع**" کو اس کے حقیقی معنی یعنی انگلی (Finger) میں استعمال نہیں کیا گیا بلکہ مجازی معنی یعنی پورہ (Fingertip) میں استعمال کیا گیا ہے اور علاقہ کل بول کر جزو مراد لینا ہے جیسے یہاں پر انگلی بول کر پورہ مراد لیا ہے، اور قرینہ "**يجعلون**" فعل ہے جو بتا رہا ہے کہ کل یعنی پوری انگلی کان میں ڈالنا ممکن نہیں ہاں جزو یعنی انگلی کا سرا کان میں ڈالنا ممکن ہے؛ کیونکہ ناپسندیدہ آواز سے بچنے کے لیے بعض دفعہ کانوں میں انگلیوں کے سرے ڈالے جاتے ہیں۔
فائدہ: اگر حقیقی معنی اور مجازی معنی کے درمیان مشابہت کا علاقہ ہو، جیسے: "درر" کے حقیقی معنی یعنی موتی اور مجازی معنی یعنی باتیں دونوں کے درمیان حسن میں مشابہت ہے ایسا مجاز استعارہ کہلاتا ہے، اور اگر دونوں معانی کے درمیان مشابہت کا علاقہ نہ ہو، جیسے "**إصبع**" کے حقیقی معنی یعنی پوری انگلی اور مجازی معنی یعنی انگلی کا سرا ان دونوں معانی کے درمیان کوئی مشابہت نہیں ایسا مجاز مجازِ مرسل کہلاتا ہے۔

فائدہ: حقیقت کا معنی ثابت ہونا جبکہ مجاز کا معنی تجاوز کرنا ہے چونکہ حقیقت میں لفظ کو جس معنی کے لیے شروع میں وضع کیا تھا وہ لفظ اسی معنی میں ثابت رہتا ہے اس لیے اسکو حقیقت کہا جاتا ہے اور مجاز میں لفظ اپنے اصلی معنی سے تجاوز کر جاتا ہے اور کسی دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس لیے اسکو مجاز کہا جاتا ہے۔

اَلْاِسْتِعَارَةُ

اَلْاِسْتِعَارَةُهِيَ مَجَازٌ عَلَاقَتُهُ الْمُشَابَهَةُ كَقَوْلِهٖ تَعَالَى: كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ[125] أَيْ مِنَ الضَّلَالِ إِلَى الْهُدَى فَقَدِ اسْتُعْمِلَتِ الظُّلُمَاتُ وَالنُّوْرُ فِي غَيْرِ مَعْنَاهُمَا الْحَقِيْقِيِّ وَالْعَلَاقَةُ الْمُشَابَهَةُ بَيْنَ الضَّلَالِ وَالظَّلَامِ وَالْهُدَى وَالنُّوْرِ وَالْقَرِيْنَةُ مَا قَبْلَ ذٰلِكَ وَأَصْلُ الْاِسْتِعَارَةِ تَشْبِيْهٌ حُذِفَ أَحَدُ طَرَفَيْهِ وَوَجْهُ شِبْهِهٖ وَأَدَاتُهُ وَالْمُشَبَّهُ يُسَمَّى مُسْتَعَارًا لَهُ وَالْمُشَبَّهُ بِهٖ مُسْتَعَارًا مِنْهُ فَفِيْ هٰذَا الْمِثَالِ الْمُسْتَعَارُ لَهُ هُوَ الضَّلَالُ وَالْهُدَى وَالْمُسْتَعَارُ مِنْهُ هُوَ مَعْنَى الظَّلَامِ وَالنُّوْرِ وَلَفْظُ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرِ يُسَمَّى مُسْتَعَارًا ...

استعارہ

ترجمہ: استعارہ ایسا مجاز ہے جس میں مشابہت کا علاقہ ہو، جیسے اللہ تعالی کا فرمان: ایسی کتاب جو ہم نے آپ کی طرف اتاری تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالیں۔ یعنی گمراہی سے ہدایت کی طرف پس "الظلمات" اور "النور" اپنے حقیقی معنی کے غیر میں استعمال ہوئے ہیں اور علاقہ گمراہی، تاریکی، ہدایت اور نور کے درمیان مشابہت کا ہے اور قرینہ اس کا ما قبل ہے اور اصل میں استعارہ ایسی تشبیہ ہے جس کی دونوں طرفوں میں سے ایک طرف کو، وجہِ شبہ کو اور اداۃِ شبہ کو حذف کر دیا گیا ہو اور مشبہ کو مستعار لہ کہا جاتا ہے اور مشبہ بہ کو مستعار منہ کہا جاتا ہے پس اس مثال میں مستعار لہ ضلال اور ھدی ہے اور مستعار منہ ظلام اور نور کا معنی ہے اور ظلمات اور نور کے الفاظ مستعار کہلاتے ہیں۔

تشریح: استعارہ حقیقت میں تشبیہ ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس میں طرفین تشبیہ، وجہ تشبیہ اور اداۃِ تشبیہ سب ہوتا ہے بس فرق اتنا ہے کہ تشبیہ میں تشبیہ کی دونوں طرفوں کو لازمی ذکر کیا جاتا ہے جبکہ وجہ تشبیہ اور اداۃ تشبیہ کا ذکر ضروری نہیں ہوتا لیکن استعارہ میں دونوں طرفوں میں سے ایک کا حذف ضروری ہے اور ساتھ میں

[125] سورة إبراهيم: الآية: 1.

وجہِ تشبیہ اور اداۃِ تشبیہ کو بھی ذکر نہیں کیا جاتا۔ چونکہ استعارہ بھی تشبیہ ہی ہے لہذا تشبیہ کی طرح اس کے طرفین میں بھی مشابہت کا ہونا ضروری ہے۔ استعارہ میں مشبہ کو مستعار لہ جبکہ مشبہ بہ کو مستعار منہ کہا جاتا ہے، مثلا: "كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ." میں پہلی بات تو یہ کہ اس مثال میں "الظلمات" اور "النور" کو ان کے حقیقی معنی یعنی تاریکی اور روشنی میں استعمال نہیں کیا گیا بلکہ مجازی معنی یعنی گمراہی اور ایمان میں استعمال کیا گیا ہے اور یقینا تاریکی و گمراہی اور ایسے ہی روشنی وایمان کے درمیان مشابہت ہے یعنی جیسے تاریکی میں بندہ بھٹکتا ہے ایسے ہی گمراہی میں بھی بھٹکتا ہے اور جیسے روشنی کے ذریعے راہ ملتی ہے ایسے ہی ایمان کے ذریعے بھی راہ ملتی ہے لہذا حقیقی معنی اور مجازی معنی کے درمیان مشابہت پائی گئی۔ اور دوسری بات یہ کہ اس مثال میں نہ تو وجہِ تشبیہ مذکور ہوئی اور نہ ہی اداۃِ تشبیہ پھر طرفین تشبیہ میں سے یہاں مشبہ بہ یعنی "الظلمات" اور "النور" مذکور ہوئے جبکہ مشبہ یعنی "ضلال" اور "ھدی" حذف کر دیے گئے۔ اور تیسری بات یہ کہ اس استعارہ پر یہاں قرینہ بھی موجود ہے اور وہ لفظِ کتاب ہے یعنی کتاب کوئی سورج، چاند یا چراغ نہیں کہ یہ حسی روشنی فراہم کرنے کا کوئی آلہ ہو حتی کہ ظلام اور نور کا حقیقی معنی مراد لینا درست ہو بلکہ کتاب یہاں ایک روحانی معنی رکھتی ہے جو متلاشی کو کفر سے نکال کر ایمان کی طرف لے جاتی ہے اور چوتھی بات یہ کہ اس مثال میں مستعار لہ "ضلال" اور "ھدی" ہے اور مستعار منہ "ظلام" اور "نور" کا معنی ہے اور لفظِ ظلمات اور نور مستعار ہیں۔

اصطلاحات:

مستعار لہ: وہ معنی جس کے لیے ایسا لفظ ادھار لیا گیا جو حقیقت میں موضوع للغیر ہو۔

مستعار منہ: وہ معنی جس کی خاطر لفظ ادھار لیا گیا ہو۔

مستعار: وہ لفظ جس کو ادھار لیا گیا ہو۔

وَتَنْقَسِمُ الْإِسْتِعَارَةُ إِلَى مُصَرَّحَةٍ وَهِيَ مَا صُرِّحَ بِلَفْظِ الْمُشَبَّهِ بِهِ كَمَا فِيْ قَوْلِهِ:

فَأَمْطَرَتْ لُؤْلُؤًا مِنْ نَرْجِسٍ وَسَقَتْ : وَرْدًا وَعَضَّتْ عَلَى الْعُنَّابِ بِالْبَرَدِ

فَقَدِ اسْتَعَارَ اللُّؤْلُؤَ وَالنَّرْجِسَ وَالْوَرْدَ وَالْعُنَّابَ وَالْبَرَدَ لِلدُّمُوْعِ وَالْعُيُوْنِ وَالْخُدُوْدِ وَالْأَنَامِلِ وَالْأَسْنَانِ وَإِلَى مَكْنِيَّةٍ وَهِيَ مَا حُذِفَ فِيْهَا الْمُشَبَّهُ بِهِ وَرُمِزَ إِلَيْهِ بِشَيْءٍ مِنْ لَوَازِمِهِ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ[126] فَقَدِ اسْتَعَارَ الطَّائِرَ لِلذُّلِّ ثُمَّ حَذَفَهُ وَدَلَّ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ مِنْ لَوَازِمِهِ وَهُوَ الْجَنَاحُ وَإِثْبَاتُ الْجَنَاحِ لِلذُّلِّ يُسَمُّوْنَهَا اسْتِعَارَةً تَخْيِيْلِيَّةً ...

ترجمہ: اور استعارہ منقسم ہوتا ہے مصرحہ کی طرف اور وہ یہ کہ جس میں مشبہ بہ کو لفظوں میں واضح طور پر ذکر کیا گیا ہو جیسا کہ اس کے قول میں ہے: پس اس نے نرجس سے موتی برسائے اور ورد کو سیراب کیا اور برد کے ساتھ عناب کو دبایا۔ تحقیق شاعر نے "لؤلؤ، نرجس، ورد، عناب اور برد" کو آنسوؤں، آنکھوں، رخساروں، پوروں اور دانتوں کے لیے استعارہ لیا اور مکنیہ کی طرف اور وہ یہ کہ جس میں مشبہ بہ کو حذف کیا گیا ہو اور مشبہ بہ کے لوازم میں سے کسی لازم کے ذریعے مشبہ بہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو، جیسے اللہ تعالی کا فرمان: اور تو ان دونوں کے لیے نرم دلی سے عاجزی کا بازو جھکا کر رکھ۔ پس اللہ تعالی نے "طائر" کو "ذل" کے لیے استعارہ لیا پھر اس کو حذف کر دیا اور اس پر اس کے لوازم میں سے لازم کے ذریعے رہنمائی فرمائی اور وہ "جناح" ہے اور "جناح" کا "ذل" کے لیے اثبات اسکو اہل فن نے استعارہ تخییلیہ کا نام دیا ہے۔

تشریح: یہاں پر استعارہ کی دو قسموں کا ذکر ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

1. **مصرحہ:** ایسا استعارہ جس میں مشبہ بہ کو ذکر کیا گیا ہو، جیسے پہلے شعر میں شاعر نے محبوبہ کے آنسوؤں کو موتیوں کے ساتھ، آنکھوں کو نرگسی پھول کے ساتھ، رخساروں کو گلاب کے پھول کے

[126] سورة بني إسرائيل: الآية: 24.

ساتھ، انگلیوں کے سروں کو ایک طرح کے سرخ پھل کے ساتھ اور دانتوں کو سفید اولوں کے ساتھ تشبیہ دے کر مشبہ بہ ذکر کیا ہے۔

2. **مکنیہ:** ایسا استعارہ جس میں مشبہ بہ کو حذف کیا گیا ہو، جیسے اللہ تعالی نے "**ذل**" یعنی عاجزی وانکساری کو" **طائر** "یعنی پرندے کے ساتھ تشبیہ دے کر "**طائر** " کو حذف کر دیا پھر "**طائر** " کے لازم یعنی "**جناح**" کو ذکر فرمادیا۔

فائدہ: اہل فن کے ہاں مشبہ بہ کے لازم کو مشبہ کے لیے خیال میں ثابت کرنا استعارہ تخییلیہ ہے، جیسے آیت میں "**جناح**" کو" **ذل**" کے لیے ثابت کیا۔

فائدہ: آیت کریمہ میں اولاد کو والدین کے لیے عاجزی اور انکساری کا حکم دیتے ہوئے مثال پیش کی کہ جیسے پرندہ حملہ اور خوف کے وقت اپنے بازو سمیٹ لیتا ہے تا کہ کوئی آنچ نہ آئے ایسے ہی اولاد کو چاہیے کہ ضرورت اور پریشانی کے وقت اپنے والدین پر نرمی کے بازوں پھیلادیں تا کہ ان کو راحت اور سکون ملے۔

وَيَنْقَسِمُ الْإِسْتِعَارَةُ إِلَى أَصْلِيَّةٍ وَهِيَ مَا كَانَ فِيْهَا الْمُسْتَعَارُاسْمًا غَيْرَ مُشْتَقٍّ كَاسْتِعَارَةِ الظَّلَامِ لِلضَّلَالِ وَالنُّوْرِ لِلْهُدَى وَإِلَى تَبْعِيَّةٍ وَهِيَ مَا كَانَ فِيْهَا الْمُسْتَعَارُفِعْلًا أَوْحَرْفًا أَوِاسْمًا مُشْتَقًّا نَحْوُفُلَانٌ رَكِبَ كَتِفَيْ غَرِيْمِهِ أَيْ لَازَمَهُ مُلَازَمَةً شَدِيْدَةً وَقَوْلِهِ تَعَالَى:أُوْلٰئِكَ عَلَى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ[127] أَيْ تَمَكَّنُوْا مِنَ الْحُصُوْلِ عَلَى الْهِدَايَةِ التَّامَّةِ.

وَنَحْوُ قَوْلِهِ:

وَلَئِنْ نَطَقْتُ بِشُكْرِ بِرِّكَ مُفْصِحًا : فَلِسَانُ حَالِيْ بِالشِّكَايَةِ أَنْطَقُ

وَنَحْوُأَذَقْتُهُ لِبَاسَ الْمَوْتِ أَيْ أَلْبَسْتُهُ إِيَّاهُ...

ترجمہ: اور استعارہ منقسم ہوتا ہے اصلیہ کی طرف اور وہ یہ جس میں مستعار اسم غیر مشتق ہو، جیسے "ظلام" کو "ضلال" کے لیے اور "نور" کو "ھدی" کے لیے مستعار بنایا۔اور تبعیہ کی طرف اور وہ یہ جس میں مستعار فعل، حرف یا اسم مشتق ہو، جیسے: فلاں مقروض کے کندھوں پر سوار ہو گیا یعنی اس نے اس کو سختی سے لازم پکڑ لیا۔اور اللہ تعالی کا فرمان: یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔یعنی کامل ہدایت کے حصول پر قادر ہو گئے اور، جیسے اس کا قول: اگر میں فصیح انداز میں تیری نیکی اور احسان کے شکریہ پر بولوں تو کیا حاصل؛ کیونکہ میری زبانِ حال تیری طرف سے ملنے والی تکالیف پر شکوہ و شکایت زیادہ کرے گی اور، جیسے: میں نے اس کو موت کے لباس کا ذائقہ چکھایا یعنی میں نے اس کو موت کا لباس پہنایا۔

تشریح: استعارہ کی یہاں پر مزید دو قسمیں مذکور ہوئیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1. **اصلیہ:** وہ استعارہ جس میں مستعار لفظ اسم غیر مشتق ہو یعنی اسم جامد ہو، جیسے اللہ تعالی نے "ظلام" (جو کہ اسم جامد ہے) کو "ضلال" کے لیے مستعار بنایا اور "نور" (جو کہ اسم جامد ہے) کو "ھدی" کے لیے۔

[127] سورة البقرة: الآية: 5.

2. **تبعیہ**: وہ استعارہ جس میں مستعار فعل، حرف یا اسم مشتق ہو، جیسے پہلی مثال میں "رکب" (جو کہ فعل ہے) کو "لازم" کے لیے مستعار بنایا۔ اور دوسری مثال میں "علی" بمعنی استعلائے کلی (جو کہ حرف ہے) کو مخصوص جزئی یعنی "**تمکّن من الحصول علی الهدایة.**" کے لیے مستعار بنایا۔ اور تیسری مثال میں "**أنطق**" لفظ (جو کہ اسم مشتق ہے) کو "**أدلّ**" کے لیے استعارہ لیا۔ اور چوتھی مثال میں "**أذقت**" لفظ (جو کہ فعل ہے) کو "**ألبست**" کے لیے مستعار بنایا۔

وَتَنْقَسِمُ الْاِسْتِعَارَةُ إِلَى مُرَشَّحَةٍ وَهِيَ مَا ذُكِرَ فِيهَا مُلَائِمُ الْمُشَبَّهِ بِهِ نَحْوُ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ[128] فَالْاِشْتِرَاءُ مُسْتَعَارٌ لِلْاِسْتِبْدَالِ وَذِكْرُ الرِّبْحِ وَالتِّجَارَةِ تَرْشِيْحٌ وَإِلَى مُجَرَّدَةٍ وَهِيَ الَّتِيْ ذُكِرَ فِيْهَا مُلَائِمُ الْمُشَبَّهِ نَحْوُ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ[129] وَالْإِذَاقَةُ تَجْرِيْدٌ لِذٰلِكَ وَإِلَى مُطْلَقَةٍ وَهِيَ الَّتِيْ لَمْ يُذْكَرْ مَعَهَا مُلَائِمٌ نَحْوُ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ[130] وَلَا يُعْتَبَرُ التَّرْشِيْحُ وَالتَّجْرِيْدُ إِلَّا بَعْدَ تَمَامِ الْاِسْتِعَارَةِ بِالْقَرِيْنَةِ...

ترجمہ: اور استعارہ منقسم ہوتا ہے مرشحہ کی طرف اوروہ یہکہ جس میں مشبہ بہ کا ملائم مذکور ہو، جیسے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خریدا پس ان کی تجارت نے نفع نہ دیا۔ پس اشتراء استبدال کے لیے مستعار ہے"ربح"اور"تجارۃ"کا ذکر ترشیح ہے۔ اور مجردہ کی طرف اوروہ یہ کہ جس میں مشبہ کا ملائم مذکور ہو، جیسے: پس اللہ نے ان کو قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔ اور"إذاقة"اس استعارہ کے لے تجرید ہے۔ اور مطلقہ کی طرف اور وہ یہ کہ جس کے ساتھ کوئی ملائم مذکور نہ ہو، جیسے: وہ اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں۔ اور ترشیح اور تجرید کا تمامِ استعارہ کے بعد قرینہ کے وقت اعتبار ہوتا ہے۔

تشریح: اس صفحہ پر استعارہ کی مزید تین قسمیں مذکور ہوئیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

اگر استعارہ میں مشبہ بہ کا مناسب مذکور ہو تو **استعارہ مرشّحہ**، جیسے پہلی آیت میں "استبدال الحق بالباطل" کو "استبدال المال بالمال" کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور "اشتراء" کو "استبدال" کے لیے مستعار بنایا پھر مشبہ بہ یعنی "اشتراء" کے مناسب یعنی "ربح" (Profit) کا ذکر ہوا۔ اس استعارہ کو مرشحہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مرشحہ ترشیح سے نکلا ہے جس کا معنی تقویت ہے چونکہ استعارہ کی بنیاد تشبیہ کی تناسی یعنی بھلانا

---

[128] سورۃ البقرۃ: الآیۃ: 16.

[129] سورۃ النحل: الآیۃ: 112.

[130] سورۃ البقرۃ: الآیۃ: 27.

ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ مشبہ کو نفس مشبہ بہ سمجھ لیا جاتا ہے اور مشبہ کو بھلا دیا جاتا ہے اور پھر جب مشبہ بہ کے مناسب کو ذکر کیا جاتا ہے تو استعارہ کو مزید تقویت مل جاتی ہے۔اور اگر استعارہ میں مشبہ کا مناسب مذکور ہو تو **استعارہ مجرّدہ**، جیسے دوسری آیت میں "لباس" کو تکلیف کے لیے استعارہ کیا گیا جو انسان پر بھوک اور خوف کے وقت طاری ہوتی ہے پھر مشبہ کے مناسب کو ذکر کیااور وہ "**إذاقة**" یعنی مزہ چکھانا ہے۔اوراس استعارہ کو مجردہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں استعارہ کے لیے کوئی ترشیح نہیں ہوتی۔اور اگر کسی کا کوئی مناسب مذکور نہ ہو تو **استعارہ مطلقہ**، جیسے تیسری آیت میں "نقض" کو "إبطالِ عهد" کے لیے استعارہ کیااور ساتھ میں نہ تو مشبہ بہ یعنی "نقض" کا کوئی مناسب ذکر کیا گیا اور نہ ہی مشبہ یعنی "إبطالِ عهد" کا کوئی مناسب،اسی لیے اس کو استعارہ مطلقہ یعنی مناسب کی قید سے خالی کہا جاتا ہے۔

فائدہ: ترشیح اور تجرید استعارہ کے تابع ہیں اور استعارہ متبوع ہے یعنی پہلے استعارہ کا تحقق ہو گا پھر ترشیح اور تجرید کا لحاظ ہو گا،بغیر تحقّق استعارہ، ترشیح اور تجرید کا اعتبار نہیں ہو گا۔

اَلْمَجَازُ الْمُرْسَلُ

هُوَ مَجَازٌ عَلَاقَتُهُ غَيْرُ الْمُشَابَهَةِ كَالسَّبَبِيَّةِ فِي قَوْلِكَ: عَظُمَتْ يَدُ فُلَانٍ أَيْ نِعْمَتُهُ الَّتِي سَبَبُهَا الْيَدُ وَالْمُسَبَّبِيَّةِ فِيْ قَوْلِكَ: أَمْطَرَتِ السَّمَاءُ نَبَاتًا أَيْ مَطَرًا يَتَسَبَّبُ عَنْهُ النَّبَاتُ وَالْجُزْئِيَّةِ فِيْ قَوْلِكَ: أُرْسِلَتِ الْعُيُوْنُ لِتَطَّلِعَ عَلَى أَحْوَالِ الْعَدُوِّ أَيِ الْجَوَاسِيْسُ وَالْكُلِّيَّةِ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالَى: يَجْعَلُوْنَ أَصَابِعَهُمْ فِيْ آذَانِهِمْ[131] أَيْ أَنَامِلَهُمْ وَاعْتِبَارِ مَا كَانَ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالَى: وَآتُوْا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ[132] أَيِ الْبَالِغِيْنَ وَاعْتِبَارِ مَا يَكُوْنُ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالَى: إِنِّيْ أَرَانِيْ أَعْصِرُ خَمْرًا[133] أَيْ عِنَبًا وَالْمَحَلِّيَّةِ نَحْوُ قَرَّرَ الْمَجْلِسُ ذٰلِكَ أَيْ أَهْلُهُ وَالْحَالِّيَّةِ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالَى: فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ[134] أَيْ جَنَّتِهِ ...

مجاز مرسل

ترجمہ: مجازِ مرسل ایسا مجاز ہے جس میں مشابہت کے علاوہ کوئی اور علاقہ ہو، جیسے سببیت تیرے قول میں: فلاں کا ہاتھ عظیم ہوا یعنی اس کی نعمت جس کا سبب ہاتھ ہے۔ اور مسببیت تیرے قول میں: آسمان نے سبزہ برسایا یعنی بارش جس کی بدولت سبزہ ہے۔ اور جزئیت تیرے قول میں: آنکھیں چھوڑی گئیں تاکہ وہ دشمن کے حالات پر اطلاع پائیں یعنی جاسوس۔ اور کلیت اللہ تعالی کے فرمان میں: وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں یعنی انگلیوں کے سرے۔ اور جو تھا اس کا لحاظ کرنا اللہ تعالی کے فرمان میں: اور یتیموں کو ان کا مال دو یعنی بالغین کو۔ اور جو ہوگا اس کا لحاظ کرنا اللہ تعالی کے فرمان میں: میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتا پاتا ہوں یعنی انگور۔ اور

[131] سورۃ البقرۃ: الآیۃ: 19.

[132] سورۃ النساء: الآیۃ: 2.

[133] سورۃ یوسف: الآیۃ: 36.

[134] سورۃ آل عمران: الآیۃ: 107.

محلیت، جیسے: مجلس نے یہ فیصلہ کیا تھا یعنی مجلس والوں نے۔ اور حالیت اللہ تعالی کے فرمان میں: پس اللہ ہی کی رحمت میں وہ ہمیشہ رہیں گے یعنی اس کی جنت میں۔

تشریح: مجازِ مرسل میں لفظ کا حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد لیا جاتا ہے اوران دونوں معانی کے درمیان کوئی مشابہت نہیں ہوتی بلکہ دیگر علاقہ جات میں سے کوئی ایک علاقہ ہوتا ہے اور وہ علاقہ جات درج ذیل ہیں:

1. **سببیّت:** یعنی عبارت میں سبب ذکر کرنا اورمسبب مرادلینا، جیسے: "**عظمت ید فلان.**" میں "ید" کا حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی معنی یعنی "**نعمة**" مراد ہے اوریقینا نعمت دینے کا ذریعہ ہاتھ ہے لہذا عبارت میں سبب ذکر کرکے مسبب مراد لیا گیا ہے۔
2. **مسبّبیّت:** یعنی عبار ت میں مسبّب ذکر کرنااور سبب مرادلینا، جیسے: "**أمطرت السماء نباتا.**" میں "**نبات**" کا حقیقی معنی یعنی سبزہ مراد نہیں بلکہ مجازی معنی یعنی بارش مراد ہے اور بارش سبزہ اگانے کا سبب ہے لہذا عبارت میں مسبّب ذکر کرکے سبب مراد لیا گیا ہے۔
3. **جزئیّت:** یعنی عبارت میں جزو ذکر کرکے کل مراد لینا، جیسے: "**أرسلت العیون لتطّلع علی أحوال العدوّ.**" میں "**عیون**" ذکر کیا اور مراد جاسوس لوگ لیے؛ کیونکہ جاسوسی آنکھوں سے ہوتی ہے۔
4. **کلّیّت:** یعنی عبارت میں کل ذکر کرکے جزو مراد لینا، جیسے: "**یجعلون أصابعهم في آذانهم.**" میں کل یعنی انگلیاں ذکر کرکے جزو یعنی پورے مراد لیے گئے؛ کیونکہ پوری انگلی کان میں داخل کرنا ناممکن ہے۔
5. **ما کان کا اعتبار:** یعنی جو زمانہ ماضی میں تھا اس کا زمانہ حال میں لحاظ رکھتے ہوئے گفتگو کرنا، جیسے: "**وآتوا الیتامی أموالهم.**" میں بالغ بچوں کو مال واپس کرنے کا حکم ہے جبکہ عبارت میں نابالغ بچوں کا ذکر ہوا ہے؛ کیونکہ "**یتامی**" نابالغ بچوں کو کہا جاتا ہے تو پتہ چلا کہ بالغ بچوں کو "**یتامی**" زمانہ ماضی کا لحاظ رکھتے ہوئے کہا گیا ہے۔

6. **ما يكون کا اعتبار**: یعنی جو زمانہ مستقبل میں ہو گا اس کا زمانہ حال میں لحاظ کرتے ہوئے گفتگو کرنا، جیسے: "إني أراني أعصر خمرا." میں "عنب" کو "خمر" سے زمانہ مستقبل کا لحاظ کرتے ہوئے تعبیر کیا گیا؛ کیونکہ شراب انگوروں سے نچوڑی جاتی ہے۔
7. **محلّیّت**: یعنی محل بول کر اہل محل مراد لینا، جیسے: "قرّر المجلس ذلك." میں مجلس سے مراد اہل مجلس ہیں؛ کیونکہ انہوں نے ہی کوئی بات پاس کرنی ہے نہ کہ نفس مجلس یعنی محل نے۔
8. **حالّیّت**: یعنی حال بول کر محل مراد لینا، جیسے: "ففي رحمة الله إلخ" میں "رحمة" بول کر جو کہ حال ہے "جنة" مراد لی ہے جو کہ محل ہے۔

اَلْمَجَازُ الْمُرَكَّبُ

اَلْمُرَكَّبُ إِنِ اسْتُعْمِلَ فِي غَيْرِ مَا وُضِعَ لَهُ فَإِنْ كَانَ لِعَلَاقَةٍ غَيْرِ الْمُشَابَهَةِ سُمِّيَ مَجَازًا مُرَكَّبًا كَالْجُمَلِ الْخَبَرِيَّةِ إِذَا اسْتُعْمِلَتْ فِي الْإِنْشَاءِ نَحْوُ قَوْلِهِ:

هَوَايَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِيْنَ مُصْعِدٌ : جَنِيْبٌ وَجُثْمَانِيْ بِمَكَّةَ مُوْثَقُ

فَلَيْسَ الْغَرَضُ مِنْ هٰذَا الْبَيْتِ الْإِخْبَارَ بَلْ إِظْهَارَ التَّحَزُّنِ وَالتَّحَسُّرِ وَإِنْ كَانَتْ عَلَاقَتُهُ الْمُشَابَهَةَ سُمِّيَ اسْتِعَارَةً تَمْثِيْلِيَّةً كَمَا يُقَالُ لِلْمُتَرَدِّدِ فِيْ أَمْرٍ: أَرَاكَ تُقَدِّمُ رِجْلًا وَتُؤَخِّرُ أُخْرَى ...

مجاز مرکب

ترجمہ: اگر مرکب کو معنی موضوع لہ کے غیر میں استعمال کیا جائے اور یہ استعمال مشابہت کے علاوہ کسی اور علاقہ سے ہو تو اسے مجاز مرکب کہا جاتا ہے، جیسے خبریہ جملے جب ان کو انشاء کے طور پر استعمال کیا جائے، جیسے اس کا قول: میری محبوبہ یمنی سواروں کے ساتھ سفر کی منازل چڑھ رہی ہے جبکہ میں تنہا ہوں اور میرا جسم مکہ میں قید ہے۔ پس اس شعر سے غرض خبر دینا نہیں بلکہ غم اور حسرت کا اظہار ہے۔ اور اگر اس کا علاقہ مشابہت ہو تو استعارہ تمثیلیہ کہا جاتا ہے، جیسے کسی امر میں متردد آدمی کو کہا جائے: میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہو اور دوسرا پیچھے ہٹا لیتے ہو۔

تشریح: مصنّف رحمہ اللہ اس صفحہ پر مجاز مرکب اور استعارہ تمثیلیہ کی تعریفات ذکر فرما رہے ہیں:

مجاز مرکّب: ایسا مجاز ہے جس کے حقیقی معنی اور مجازی معنی کے درمیان مشابہت کا علاقہ نہ ہو، جیسے ذکر کردہ شعر جو کہ مرکب ہے یہ جملہ خبریہ ہے لیکن مقصود شاعر کا سامعین کو یہ خبر دینا نہیں کہ وہ مکہ میں تنہا اور قید ہے ؛ کیونکہ سامعین کو اس بات کا پہلے سے علم ہے بلکہ اس کا مقصود سامعین کے سامنے فراق پر غم کا اظہار اور بے بسی پر حسرت کا اظہار ہے۔ بس حاصل یہ ہے کہ شاعر نے جملہ خبریہ کو مجازی معنی میں استعمال کیا ہے اور ان دونوں معانی کے درمیان مشابہت نہیں۔

استعارہ تمثیلیہ: ایسا مجاز جس کے حقیقی معنی اور مجازی معنی کے درمیان مشابہت کا علاقہ ہو، جیسے: "أراك تقدّم رجلا وتؤخّر أخرى."۔ یہ ضرب المثل ایسے شخص کے لیے ہے جو اپنے سفر میں متردّد یعنی کچا پکا ہو کہ سفر کے لیے ایک لمحہ قدم بڑھاتا ہے اور دوسرے لمحہ قدم پیچھے ہٹالیتا ہے بس کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے میں تردد والی حالت کو سفر میں تردد والی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور مشابہت کا علاقہ تردد اور حیرت ہے۔

فائدہ: خبریہ جملے جب اخبار کے علاوہ کسی دوسرے مقصد یا انشاء کے طور پر استعمال کیے جائیں تو یہ بھی مجاز مرکب کے قبیل سے ہوں گے۔

اَلْمَجَازُ الْعَقْلِيُّ

هُوَ إِسْنَادُ الْفِعْلِ أَوْ مَا فِي مَعْنَاهُ إِلَى غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ عِنْدَ الْمُتَكَلِّمِ فِي الظَّاهِرِ لِعَلَاقَةٍ نَحْوُ قَوْلِهِ:

أَشَابَ الصَّغِيْرَ وَأَفْنَى الْكَبِيْـ ـرَ كَرُّ الْغَدَاةِ وَمَرُّ الْعَشِيِّ

فَإِنَّ إِسْنَادَ الْإِشَابَةِ وَالْإِفْنَاءِ إِلَى كَرِّ الْغَدَاةِ وَمُرُوْرِ الْعَشِيِّ إِسْنَادٌ إِلَى غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ إِذِ الْمُشِيْبُ والْمُفْنِي فِي الْحَقِيْقَةِ هُوَ اللهُ تَعَالَى...

مجاز عقلی

ترجمہ: مجازِ عقلی سے مراد فعل یا جو فعل کے معنی میں ہے اس کا اسناد کسی علاقہ سے اس کے غیر کی طرف کرنا جس کی طرف متکلم کے ہاں ظاہر میں اسناد ہے، جیسے اس کا قول: صبح و شام کے آنے جانے نے بچے کو بوڑھا اور بوڑھے کو فنا کر دیا۔ پس "إشابة" اور "إفناء" کا "کر الغداة" اور "مرور العشي" کی طرف اسناد "ما هو له" کے غیر کی طرف ہے؛ کیونکہ بوڑھا کرنے اور فنا کرنے والا حقیقت میں اللہ تعالی ہے۔

تشریح: مجاز عقلی کی وضاحت اگر بہت ہی سادہ اور آسان لفظوں میں کی جائے تو کہنا ہو گا کہ مجاز عقلی میں فعل یا شبہ فعل کا اسناد متکلم کے ہاں ظاہر میں جس کی طرف ہونا چاہیے تھا اس سے پھیر کر کسی اور کی طرف کر دینا لیکن ایسا کرنے کے لیے کسی علاقہ یا قرینہ کا ہونا ضروری ہے اور چونکہ اسناد اپنی اصل جگہ سے تجاوز کر چکا ہوتا ہے اسی لیے اس کو مجاز کہتے ہیں پھر اس کا فیصلہ عقل کرتی ہے اسی لیے اس کو عقلی کہتے ہیں، جیسے شعر میں "إشابة" اور "إفناء" کا اسناد مومن متکلم کے ہاں ظاہر میں اللہ تعالی کی طرف ہونا چاہیے لیکن شاعر نے اللہ تعالی سے پھیر کر "کر الغداة" اور "مر العشي" یعنی صبح و شام کے آنے جانے کی طرف کر دیا۔

فائدہ: فعل یا شبہ فعل کا اسناد جس کی طرف ہونا چاہیے "ما هو له" کہلاتا ہے۔ اور جس کی طرف اسناد نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن کر دیا گیا "غیر ما هو له" کہلاتا ہے۔ اور فعل سے مراد فعل معروف اور فعل مجہول دونوں ہیں۔ اور جو فعل کے معنی میں ہو اس سے مراد شبہ فعل ہے، جیسے مصدر اور اسمائے مشتقات۔

وَمِنَ الْمَجَازِ الْعَقْلِيِّ إِسْنَادُ مَا بُنِيَ لِلْفَاعِلِ إِلَى الْمَفْعُوْلِ نَحْوُ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ[135] وَعَكْسُهُ نَحْوُ سَيْلٌ مُفْعَمٌ وَالْإِسْنَادُ إِلَى الْمَصْدَرِ نَحْوُ جَدَّ جِدُّهُ وَإِلَى الزَّمَانِ نَحْوُ نَهَارُهُ صَائِمٌ وَإِلَى الْمَكَانِ نَحْوُ نَهْرٌ جَارٍ وَإِلَى السَّبَبِ نَحْوُ بَنَى أَمِيْرُ الْمَدِيْنَةَ وَيُعْلَمُ مِمَّا سَبَقَ أَنَّ الْمَجَازَ اللُّغَوِيَّ يَكُوْنُ فِي اللَّفْظِ وَالْمَجَازَ الْعَقْلِيَّ يَكُوْنُ فِي الْإِسْنَادِ...

ترجمہ: اور مجاز عقلی کی صورتوں میں سے فعل معروف کا مفعول کی طرف اسناد کرنا ہے، جیسے: راضی ہونے والی زندگی۔ اور اس کا عکس ہے، جیسے: بھرا ہوا سیلاب۔ اور مصدر کی طرف اسناد کرنا ہے، جیسے: محنت نے محنت کی۔ اور زمانہ کی طرف اسناد کرنا ہے، جیسے: اس کا دن روزہ دار ہے۔ اور مکان کی طرف اسناد کرنا ہے، جیسے: جاری ہونے والی نہر۔ اور سبب کی طرف اسناد کرنا ہے، جیسے: امیر نے شہر تعمیر کیا۔ اور سابقہ گفتگو سے معلوم ہوا کہ مجاز لغوی کا تعلق لفظ سے ہے جبکہ مجاز عقلی کا تعلق اسناد سے ہے۔

تشریح: مجازِ عقلی کی مختلف صورتیں ہیں:

1. فعل معروف کا اسناد فاعل سے پھیر کر مفعول کی طرف کرنا، جیسے: "عیشة راضیة" میں "راضیة" اسم فاعل ہے جو کہ فعل معروف کے حکم میں ہے۔ اس کا اسناد فاعل یعنی "صاحب عیشة" کی طرف ہونا چاہیے تھا لیکن اس سے پھیر کر مفعول یعنی "عیشة" کی طرف کیا گیا اور یہ بات واضح ہے کہ زندگی فاعل یعنی "راضیة" نہیں بلکہ "مرضیة" ہوتی ہے یعنی زندگی پر راضی ہوا جاتا ہے۔
2. فعل مجہول کا اسناد مفعول سے پھیر کر فاعل کی طرف کرنا، جیسے: "**سیل مفعم**" میں "**مفعم**" اسم مفعول ہے جو کہ فعل مجہول کے حکم میں ہے اس کا اسناد مفعول یعنی جگہ کی طرف ہونا چاہیے تھا لیکن اس سے پھیر کر فاعل یعنی سیلاب کی طرف کیا گیا اور یقینا سیلاب فاعل یعنی کسی جگہ یا شے کو بھرنے والا ہوتا ہے نہ کہ مفعول یعنی خود بھرا ہوا ہوتا ہے۔

---

[135] سورة الحاقة: الآية: 21.

3. فعل کا اسناد فاعل یا نائب الفاعل کی بجائے مصدر کی طرف کرنا ،جیسے :"جدّ جدّہ." میں "جِدٌّ"مصدر ہے اور "جَدَّ" فعل کا اسناد اس کی طرف کیا گیا ہے۔
4. فعل کا اسناد فاعل یا نائب الفاعل کی بجائے زمان کی طرف کرنا ،جیسے :"نهاره صائم." میں "صائم "فعل معروف کے حکم میں ہے بجائے یہ کہ اس کا اسناد صاحبِ صوم کی طرف کیا جاتا ،"نهار "یعنی زمانہ کی طرف کر دیا۔
5. فعل کا اسناد فاعل یا نائب الفاعل کی بجائے مکان(جگہ) کی طرف کرنا، جیسے :"نهر جار" میں "جار "فعل معروف کے حکم میں ہے، بجائے یہ کہ اس کا اسناد فاعل یعنی پانی کی طرف کیا جاتا، مکان یعنی نہر کی طرف کیا گیا۔
6. فعل کا اسناد فاعل یا نائب الفاعل کی بجائے فعل کے سبب کی طرف کرنا، جیسے :"بنی أمیر المدینة."میں "بنی"فعل کا اسناد "أمیر "کی طرف کیا گیا جو کہ تعمیر کا سبب ہے حالانکہ اس کا اسناد عملہ کی طرف ہونا چاہیے تھا؛ کیونکہ تعمیراتی کام مستری اور مزدور کرتے ہیں نہ کہ حاکم۔

فائدہ: "ما بني للفاعل" سے مراد فعل معروف جبکہ "ما بني للمفعول" سے مراد فعل مجہول ہے۔

فائدہ: مجاز لغوی اور مجاز عقلی میں فرق ہے کیونکہ مجاز لغوی کا تعلق لفظ سے ہے یعنی مجاز لغوی میں لفظ کا جو لغوی معنی موضوع لہ ہے یعنی اہل لغت نے اس لفظ کو جس معنی کے لیے وضع کیا، اسے چھوڑ کر کوئی دوسرا معنی مراد لیا جاتا ہے، جیسے صلوۃ کا لغوی معنی دعا تھا لیکن اس سے عموما نماز مراد ہوتی ہے اور مجاز عقلی کا تعلق اسناد سے ہے یعنی فعل یا معنائے فعل کا اسناد غیر موضوع لہ کی طرف کرنا اس کی امثلہ ابھی گزریں۔

اَلْكِنَايَةُ

هِيَ لَفْظٌ أُرِيْدَ بِهِ لَازِمُ مَعْنَاهُ مَعَ جَوَازِ إِرَادَةِ ذٰلِكَ الْمَعْنَى نَحْوُ طَوِيْلُ النِّجَادِ أَيْ طَوِيْلُ الْقَامَةِ وَتَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ الْمَكْنِيِّ عَنْهُ إِلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ. الْأَوَّلُ: كِنَايَةٌ يَكُوْنُ الْمَكْنِيُّ عَنْهُ فِيْهَا صِفَةً كَقَوْلِ الْخَنْسَاءِ:

طَوِيْلُ النِّجَادِ رَفِيْعُ الْعِمَادِ : كَثِيْرُ الرَّمَادِ إِذَا مَا شَتَا

تُرِيْدُ أَنَّهُ طَوِيْلُ الْقَامَةِ سَيِّدٌ كَرِيمٌ...

کنایہ

ترجمہ: کنایہ ایسا لفظ ہے جس کے معنی کا لازم مراد لیا جائے اگرچہ اس لفظ کا اصلی معنی مراد لینا بھی جائز ہو، جیسے: "طویل النجاد" یعنی لمبے قد والا۔ اور مکنی عنہ کے لحاظ سے کنایہ کی تین قسمیں ہیں:۔ پہلی قسم یہ کہ کنایہ ایسا ہو جس میں مکنی عنہ صفت ہو، جیسے خنساء کا قول: وہ لمبے پر تلے والا، بلند ستونوں والا اور بہت راکھ والا جبکہ سردی کا موسم ہو۔ اس حال میں کہ تیری مراد ہو کہ وہ لمبے قد والا، شریف اور کریم ہے۔

تشریح: کنایہ میں لفظ کے اصلی معنی چھوڑ کر اصلی معنی کا لازم مراد لیا جاتا ہے اگرچہ اصلی معنی بھی مراد لینا درست ہوتا ہے، جیسے: "طویل النجاد." کا اصلی معنی "لمبی تلوار والا" ہے اور اس معنی کو لازم دراز قد ہے؛ کیونکہ عرف میں لمبی تلوار لمبے قد والا چلاتا ہے۔ کنایہ کی مکنی عنہ کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں:۔ پہلی قسم میں مکنی عنہ صفت یعنی ایسا معنی ہو جو غیر کے ساتھ قائم ہو یا غیر کی صفت بنے، جیسے ذکر کردہ شعر میں "طویل النجاد."، "رفیع العماد." اور "کثیر الرماد." تینوں مکنی عنہ ہیں یعنی ان کے اصلی معانی (لمبی تلوار والا، بلند ستونوں والا اور زیادہ راکھ والا) سے مقصودی معانی (دراز قد، شریف اور مہمان نواز) کی طرف انتقال کیا گیا ہے اور ذکر کردہ تینوں صفات یعنی ایسے معانی ہیں جو غیر (موصوف) کے ساتھ قائم ہیں بہر حال مکنی عنہ سے مراد وہ لفظ ہے جس کے اصلی معنی سے مقصودی معنی کی طرف انتقال ہو پھر مکنی عنہ کے اصلی معنی سے مقصودی

معنی کی طرف پہنچنے میں کوئی واسطہ نہ ہو تو مکنی عنہ قریب، جیسے: "**طویل النجاد**." کہنے سے دراز قد کی طرف انتقال اور اگر واسطہ یا واسطے ہوں تو مکنی عنہ بعید، جیسے: "**کثیر الرماد**." سے انتقال مہمان نواز کی طرف۔

فائدہ: "**کثیر الرماد**" کو "**إذا ما شتا**" کے ساتھ مقید کر کے مہمان نوازی میں مبالغہ مقصود ہے یعنی ممدوح سردیوں میں دن چھوٹے ہونے کے باوجود مہمان نوازی میں کوئی کمی نہیں چھوڑتا یعنی یہ عذر نہیں کرتا کہ سردیوں کا موسم ہے اور دن چھوٹے ہیں لہذا سب کے لیے کھانا نہیں بن سکے گا یا کھانا پورا نہیں بن سکے گا۔

وَالثَّانِي كِنَايَةٌ يَكُوْنُ الْمَكْنِيُّ عَنْهُ فِيْهَا نِسْبَةً نَحْوُ
الْمَجْدُ بَيْنَ ثَوْبَيْهِ وَالْكَرَمُ تَحْتَ رِدَائِهِ
تُرِيْدُ نِسْبَةَ الْمَجْدِ وَالْكَرَمِ إِلَيْهِ.
وَالثَّالِثُ كِنَايَةٌ يَكُوْنُ الْمَكْنِيُّ عَنْهُ فِيْهَا غَيْرَ صِفَةٍ وَلَا نِسْبَةٍ كَقَوْلِهِ:
اَلضَّارِبِيْنَ بِكُلِّ أَبْيَضَ مُخْذِمٍ : وَالطَّاعِنِيْنَ مَجَامِعَ الأَضْغَانِ
فَإِنَّهُ كَنَى بِمَجَامِعِ الْأَضْغَانِ عَنِ الْقُلُوْبِ وَالْكِنَايَةُ إِنْ كَثُرَتْ فِيْهَا الْوَسَائِطُ سُمِّيَتْ تَلْوِيْحًا نَحْوُ هُوَ كَثِيْرُ الرَّمَادِ أَيْ كَرِيْمٌ فَإِنَّ كَثْرَةَ الرَّمَادِ تَسْتَلْزِمُ كَثْرَةَ الْإِحْرَاقِ وَكَثْرَةَ الْإِحْرَاقِ تَسْتَلْزِمُ كَثْرَةَ الطَّبْخِ وَالْخُبْزِ وَكَثْرَتَهُمَا تَسْتَلْزِمُ كَثْرَةَ الْآكِلِيْنَ وَهِيَ تَسْتَلْزِمُ كَثْرَةَ الضِّيْفَانِ وَكَثْرَةُ الضِّيْفَانِ تَسْتَلْزِمُ الْكَرَمَ...

ترجمہ: اور دوسری قسم یہ کہ کنایہ ایسا ہو جس میں مکنی عنہ نسبت ہو، جیسے: بزرگی اس کے دونوں کپڑوں کے درمیان اور سخاوت اس کی چادر کے نیچے ہے، اس حال میں کہ تیری مراد بزرگی اور سخاوت کی نسبت اس کی طرف ہو۔ اور تیسری قسم یہ کہ کنایہ ایسا ہو جس میں مکنی عنہ نہ صفت ہو اور نہ ہی نسبت، جیسے اس کا قول: سفید تیز تلوار چلانے والے اور کینوں کی جگہ پر نیزہ مارنے والے۔ پس اس نے "مجامع الأضغان" کو "قلوب" سے کنایہ کیا۔ اور کنایہ میں اگر واسطے کثیر ہوں تو تلویح کہلاتا ہے، جیسے: وہ کثیر راکھ والا ہے یعنی سخی ہے۔ پس راکھ کی کثرت کو احراق کی کثرت اور احراق کی کثرت کو کھانا پکانے کی کثرت اور ان دونوں کی کثرت کو کھانے والوں کی کثرت اور کھانے والوں کی کثرت کو مہمانوں کی کثرت اور مہمانوں کی کثرت کو سخاوت کی کثرت لازم ہے۔

تشریح: کنایہ کی دوسری قسم میں مکنی عنہ نسبت بنتی ہے، جیسے: "المجد بین ثوبیه إلخ" میں بزرگی کی نسبت دو کپڑوں کی طرف اور سخاوت کی نسبت چادر کی طرف کی گئی ہے اور یہ نسبت ہی مکنی عنہ ہے اور یقینا کپڑے اور چادر موصوف (ممدوح) کو لازم ہیں لہذا ان کی طرف بزرگی اور سخاوت کی نسبت حقیقت میں موصوف

ہی کی طرف نسبت ہے۔ پھر کنایہ کی تیسری قسم میں مکنی عنہ نہ صفت ہوتا ہے اور نہ ہی نسبت بلکہ اسم جامد ہوتا ہے، جیسے: "الطاعنين بمجامع الأضغان" میں "مجامع الأضغان" کو "قلوب" سے کنایہ کیا گیا ہے اور "مجامع الأضغان" نہ ہی صفت ہے اور نہ ہی نسبت۔ یاد رہے اگر کنایہ میں مقصودی معنی تک پہنچنے کے لیے کثیر واسطوں کا سامنا ہو تو اس کو **تلویح** کا نام دیا جاتا ہے، جیسے: "كثير الرماد" سے "كريم" تک پہنچنے کے لیے کثیر وسائط ہیں یعنی جہاں کثیر راکھ ہو وہاں زیادہ آگ جلتی ہے اور جہاں زیادہ آگ جلے وہاں زیادہ کھانا پکتا ہے اور جہاں زیادہ کھانا بنے وہاں زیادہ کھانے والے ہوتے ہیں اور یقیناً کھانے والے مہمان ہوتے ہیں اور مہمان نوازی کی کثرت سخاوت کہلاتی ہے۔

وَإِنْ قَلَّتْ وَخَفِيَتْ سُمِّيَتْ رَمْزًا نَحْوُهُوَ سَمِيْنٌ رِخْوٌ أَيْ غَبِيٌّ بَلِيْدٌ وَإِنْ قَلَّتْ فِيْهَا الْوَسَائِطُ أَوْ لَمْ تَكُنْ وَوَضَحَتْ سُمِّيَتْ إِيْمَاءً وَإِشَارَةً نَحْوُ

أَوَمَا رَأَيْتَ الْمَجْدَ أَلْقَى رَحْلَهُ: فِيْ آلِ طَلْحَةَ ثُمَّ لَمْ يَتَحَوَّلِ

كِنَايَةً عَنْ كَوْنِهِمْ أَمْجَادًا وَهُنَاكَ نَوْعٌ مِنَ الْكِنَايَةِ يُعْتَمَدُ فِيْ فَهْمِهِ عَلَى السِّيَاقِ يُسَمَّى تَعْرِيْضًا وَهُوَ إِمَالَةُ الْكَلَامِ إِلَى عُرْضٍ أَيْ نَاحِيَةٍ كَقَوْلِكَ لِشَخْصٍ يَضُرُّ النَّاسَ: خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُهُمْ ...

ترجمہ: اور اگر کنایہ میں واسطے کم اور مخفی ہوں تو رمز کہلاتا ہے، جیسے: وہ موٹا مالدار ہے یعنی وہ کند ذہن ہے۔اور اگر کنایہ میں واسطے کم اور واضح ہوں یا واسطے بالکل ہی نہ ہوں تو اسے ایماء اور اشارہ کا نام دیا جاتا ہے، جیسے: کیا تونے نہ دیکھا کہ بزرگی نے طلحہ کے اہل خانہ میں اپنا خیمہ نصب کر لیا پھر یہاں سے رخصت نہیں ہوئی، ان لوگوں کے بزرگ اور شریف ہونے سے کنایہ کرتے ہوئے۔اور یہاں کنایہ کی ایک اور نوع ہے جس کو سمجھنے کے لیے کلام کے سیاق پر اعتماد کرنا پڑتا ہے اس نوع کو تعریض کا نام دیا جاتا ہے اور تعریض سے مراد کلام کو ایک کنارہ یعنی پہلو کی طرف پھیرنا ہے، جیسے تیرا کسی ایسے آدمی کو کہنا جو لوگوں کو تکلیف دیتا ہو: لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہو۔

تشریح: اگر کنایہ میں لفظ کے مقصودی معنیٰ تک پہنچنے کے لیے کم واسطوں کا سہارا ہو اور وہ مخفی یعنی پوشیدہ ہوں کہ فوراً سمجھ میں نہ آتے ہوں بلکہ غور وفکر کی ضرورت پڑتی ہو تو اس قسم کو **رمز** کا نام دیا جاتا ہے، جیسے کسی کو موٹا اور مالدار کہہ کر کند ذہن اور سست کہا جائے تو یہاں پر ایک واسطہ ہے جو پوشیدہ ہے یعنی جو آدمی مالدار ہو وہ زیادہ کھاتا ہے اور زیادہ کھانا بندے کو کند ذہن اور سست بنا دیتا ہے۔اگر کنایہ میں واسطے نہ ہوں یا پھر ہوں لیکن کم اور واضح ہوں تو اس قسم کو **ایماء** اور **اشارہ** کہا جاتا ہے، جیسے شعر میں کہا گیا کہ بزرگی آل طلحہ میں خیمہ زن ہوئی تو یہ کہہ کر آل طلحہ کے بزرگ ہونے کا اقرار اور اظہار کیا گیا، یہاں پر ایک واسطہ ہے اور وہ بھی واضح ہے یعنی بزرگی ایک ایسی صفت ہے جس کا موصوف آدمی بنتا ہے نہ کہ مکان۔اگر کنایہ میں مقصودی معنیٰ سمجھنے کے لیے کلام کے سیاق کی محتاج ہو تو اس نوع کو **تعریض** کہا جاتا ہے اور تعریض سے مراد کلام کا دوسرا پہلو یا کلام سے

دوسرا شخص مراد لینا، جیسے موذی شخص کو کہا جائے کہ لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع دے، یہ کلام تعریض ہے؛ کیونکہ مخاطب کو نام لیے بغیر بطور کنایہ اذیت سے دور رہنے کا کہا گیا ہے اور یہ کلام کا دوسرا پہلو ہے۔

عِلْمُ الْبَدِيْعِ(Semantics)

اَلْبَدِيْعُ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهٖ وُجُوْهُ تَحْسِيْنِ الْكَلَامِ الْمُطَابِقِ لِمُقْتَضَى الْحَالِ وَهٰذِهٖ الْوُجُوْهُ مَا يَرْجِعُ مِنْهَا إِلَى تَحْسِيْنِ الْمَعْنَى يُسَمَّى بِالْمُحَسِّنَاتِ الْمَعْنَوِيَّةِ وَمَا يَرْجِعُ مِنْهَا إِلَى تَحْسِيْنِ اللَّفْظِ يُسَمَّى بِالْمُحَسِّنَاتِ اللَّفْظِيَّةِ...

علم بدیع

ترجمہ: بدیع ایسا علم ہے جس کے ذریعے کلام بلیغ کو خوبصورت بنانے کے طریقے جانے جاتے ہیں۔اوران طریقوں میں سے جو معنی کو خوبصورت بنائیں ان کو محسنات معنویہ کانام دیاجاتاہے اور جو لفظ کو خوبصورت بنائیں انہیں محسنات لفظیہ کانام دیاجاتاہے۔

تشریح: علم بلاغت کے فنون ثلاثہ میں سے فن ثالث علم البدیع ہے اوراسمیں کلام کو زینت دینے اور خوبصورت بنانے کی صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔اگر کلام کے لفظوں کو خوبصورت بناناہو تو محسنات لفظیہ کا سہارا لیناپڑتاہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کو محسنات لفظیہ کہاجاتاہے اور اگر معنی کو خوبصورت بناناہو تو محسنات معنویہ کا سہارالیناپڑتاہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کو محسنات معنویہ کہاجاتاہے۔

مُحَسِّنَاتٌ مَعْنَوِيَّةٌ

(1) : اَلتَّوْرِيَةُ أَنْ يُذْكَرَ لَفْظٌ لَهُ مَعْنَيَانِ قَرِيْبٌ يَتَبَادَرُ فَهْمُهُ مِنَ الْكَلَامِ وَبَعِيْدٌ هُوَ الْمُرَادُ بِالْإِفَادَةِ لِقَرِيْنَةٍ خَفِيَّةٍ نَحْوُ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ[136] أَرَادَ بِقَوْلِهِ جَرَحْتُمْ مَعْنَاهُ الْبَعِيْدَ وَهُوَ ارْتِكَابُ الذُّنُوْبِ وَكَقَوْلِهِ:

يَا سَيِّدُ أَحَازَ لُطْفًا : لَهُ الْبَرَايَا عَبِيْدُ
أَنْتَ الْحُسَيْنُ وَلٰكِنْ : جَفَاكَ فِيْنَا يَزِيْدُ

مَعْنَى "يَزِيْدُ" الْقَرِيْبُ أَنَّهُ عَلَمٌ وَمَعْنَاهُ الْبَعِيْدُ الْمَقْصُوْدُ أَنَّهُ فِعْلٌ مُضَارِعٌ مِنْ "زَادَ" ...

محسنات معنویہ

ترجمہ: (1)**توریہ** یہ کہ ایسا لفظ ذکر کیا جائے جس کے دو معنی ہوں: قریبی جو کلام سے فوراً سمجھ آئے اور بعیدی جس کا افادہ مقصود ہو کسی قرینہ خفیہ سے، جیسے: اور وہی ہے جو تم کو رات میں سلاتا ہے اور جو تم نے دن میں کیا ہوتا ہے اس کی خبر رکھتا ہے۔ اس نے اپنے فرمان "**جرحتم**" سے اس کا بعیدی معنی مراد لیا ہے اور وہ گناہوں کا ارتکاب کرنا ہے اور، جیسے اس کا قول: اے وہ سردار جس نے تمام الطاف وکرم جمع کر لیے جس کی تمام مخلوق غلام ہے آپ کا نام حسین ہے لیکن آپ کا ظلم ہم پر بڑھتا جارہا ہے۔ "یزید" کا قریبی معنی یہ کہ یہ علم ہے اور بعیدی معنی جو یہاں مقصود ہے وہ "زاد" سے فعل مضارع ہے۔

تشریح: یہاں سے محسنات معنویہ کی صورتوں کا بیان شروع ہوتا ہے، پہلی صورت توریہ ہے جس کی تعریف ہے کلام میں ایسا لفظ ذکر کرنا جس کے دو معنی ہوں ایک قریبی معنی جو بغیر کسی قرینہ کے لفظ بولتے ہی سمجھ

[136] سورة الأنعام: الآية: 60.

آئے اور دوسرا بعیدی معنی جس پر دلالت کسی خفی قرینہ کے ذریعے ہو، جیسے قرآنی آیت میں "**جرحتم**" کا قریبی معنی زخم لگانا ہے جبکہ بعیدی معنی گناہوں کا ارتکاب ہے اور یہاں پر چونکہ قریبی معنی کا کوئی ملائم (مناسب) ذکر نہیں کیا گیا اس لیے یہ توریہ مجردہ ہے۔ اور دوسری مثال میں "**یزید**" کا قریبی معنی علمیت کا ہے کیونکہ یہ یزید پلید کا نام تھا جبکہ بعیدی معنی جو یہاں مراد ہے وہ فعل مضارع ہے "**زاد**" فعل ماضی کا اور چونکہ قریبی معنی کا مناسب یعنی حسین ذکر کیا گیا ہے جس سے ذہن فورا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور یزید بدبخت کے درمیان جو معرکہ وقوع پذیر ہوا اس کی طرف جاتا ہے لہذا یہ توریہ مرشحہ ہے۔ یاد رہے دونوں مثالوں میں چونکہ قریبی معنی مراد لینے کی صورت میں مرادی ومقصودی معنی فوت ہو جاتا ہے اس لیے بعیدی معنی مراد لیا گیا اور یہی بعیدی معنی مراد لینے پر قرینہ ہے۔

وجہ تسمیہ: توریہ کا لغوی معنی ہے چھپانا۔ چونکہ قریبی معنی بعیدی معنی کو چھپائے ہوتا ہے اس لیے اس صورت کو توریہ کا نام دیا جاتا ہے۔

(2) : اَلْإِبْهَامُ إِيْرَادُ الْكَلَامِ مُحْتَمِلًا لِوَجْهَيْنِ مُتَضَادَّيْنِ نَحْوُ

بَارَكَ اللهُ لِلْحَسَنِ: وَلِبَوْرَانَ فِيْ الْخَتَنِ

يَا إِمَامَ الْهُدَى ظَفَرْ : تَ وَلٰكِنْ بِبِنْتِ مَنْ؟

فَإِنَّ قَوْلَهُ "بِبِنْتِ مَنْ" يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ مَدْحًا لِعَظَمَةٍ وَأَنْ يَكُوْنَ ذَمًّا لِدَنَاءَةٍ ...

ترجمہ: (2) **ابہام** سے مراد ایسا کلام لانا جو دو متضاد وجہوں کا احتمال رکھتا ہو، جیسے: اللہ دامادی کے رشتہ میں حسن اور اس کی بیٹی بوران کو برکت دے۔اے ہدایت کے پیشوا! تو کامیاب ہو گیا لیکن کس کی بیٹی کے ساتھ؟ پس اس کا قول "ببنت من" بیانِ عظمت کی وجہ سے مدح کا اور بیانِ حقارت کی وجہ سے مذمت کا احتمال رکھتا ہے۔

تشریح: ابہام محسنات معنویہ کی دوسری صورت ہے اور ابہام میں ایسا کلام ذکر کیا جاتا ہے جو ایک ہی وقت میں دو مخالف باتوں کا احتمال رکھتا ہو، جیسے شعر میں "ببنت من" سوالیہ انداز مدح اور ذم دونوں کا احتمال رکھتا ہے یعنی شاعر یا تو یہ کہنا چاہ رہا ہے کہ اے امام المسلمین! آپ نے کس قدر عظیم شخص کی بیٹی سے شادی کی ہے یا پھر آپ نے کس قدر حقیر شخص کی بیٹی سے شادی کی ہے۔

(3) : اَلتَّوْجِيْهُ إِفَادَةُ مَعْنًى بِأَلْفَاظٍ مَوْضُوْعَةٍ لَهُ وَلٰكِنَّهَا أَسْمَاءٌ لِنَاسٍ أَوْ غَيْرِهِمْ كَقَوْلِ بَعْضِهِمْ يَصِفُ نَهْرًا:

إِذَا فَاخَرَتْهُ الرِّيْحُ وَلَّتْ عَلِيْلَةً: بِأَذْيَالِ كُثْبَانِ الثَّرَى تَتَعَسَّرُ

بِهِ الْفَضْلُ يَبْدُوْا وَالرَّبِيْعُ وَكَمْ غَدَا: بِهِ الرَّوْضُ يَحْيَى وَهُوَلَا شَكَّ جَعْفَرُ

فَالْفَضْلُ وَالرَّبِيعُ وَيَحْيَى وَجَعْفَرُ أَسْمَاءُ نَاسٍ وَكَقَوْلِهِ:

مَا حُسْنُ بَيْتٍ لَهُ زُخْرُفٌ : تَرَاهُ إِذَا زُلْزِلَتْ لَمْ يَكُنْ

فَإِنَّ "زُخْرُفًا" وَ"إِذَا زُلْزِلَتْ" وَ"لَمْ يَكُنْ" أَسْمَاءُ سُوَرٍ مِنَ الْقُرْآنِ ...

ترجمہ:(3)**توجیہ** سے مراد کسی معنی کا فائدہ ایسے الفاظ سے دینا جو اس معنی کے لیے موضوع ہوں لیکن ساتھ میں لوگوں یا ان کے علاوہ کسی اور کے نام ہوں، جیسے اس کا قول جس نے نہر کی صفت بیان کی: جب ہوا ممدوح کے سامنے نازو نخرے دکھاتے چلتی ہے تو ریتلے تودوں کے دامن میں دل بہلاتے پھنس کے رہ جاتی ہے پس ممدوح کے توسل سے ہی "فضل"(فضیلت) اور "ربیع"(موسم بہار) کا ظہور ہے اور اسی کے توسل سے سرسبز وشاداب زندگی کے لمحات کا گزر ہے اور وہ (ممدوح) بلاشبہ سخاوت کا سرچشمہ ہے۔ پس "فضل"، "ربیع"، "یحیی" اور "جعفر" لوگوں کے نام ہیں۔ اوراس کا قول: ظاہری چمکتے مکان کی حقیقت میں کوئی خوبصورتی نہیں۔ تو ایسے مکان کو زلزلہ کے وقت ناثابت رہتا پائے گا۔ پس "زخرف"، "إذا زلزلت" اور "لم یکن" قرآن کی سورتوں کے نام ہیں۔

تشریح: توجیہ محسنات معنویہ کی تیسری صورت ہے اور اس سے مراد کچھ بتانے کے لیے ایسے الفاظ ذکر کرنا جو مقصد پورا کرنے کے ساتھ ساتھ انسانوں یا قرآنی سورتوں کے نام ہوں، جیسے پہلے شعر میں "**فضل، ربیع، یحیی** اور **جعفر**" الفاظ جس مقصد کی خاطر ذکر کیے گئے اس مقصد کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ انسانوں کے نام ہیں اور دوسرے شعر میں "**زخرف، إذا زلزلت** اور **لم یکن**" سورتوں کے نام ہیں۔

(4): اَلطِّبَاقُ هُوَ الْجَمْعُ بَيْنَ مَعْنَيَيْنِ مُتَقَابِلَيْنِ نَحْوُ قَوْلِهٖ تَعَالَى:وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ[137]،وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ o يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[138].مِنَ الطِّبَاقِ الْمُقَابَلَةُ وَهُوَ أَنْ يُؤْتَى بِمَعْنَيَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ ثُمَّ يُؤْتَى بِمَا يُقَابِلُ ذٰلِكَ عَلَى التَّرْتِيْبِ نَحْوُ قَوْلِهٖ تَعَالَى:فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا[139]. وَمِنْهُ التَّدْبِيْجُ وَهُوَ التَّقَابُلُ بَيْنَ أَلْفَاظِ الْأَلْوَانِ كَقَوْلِهٖ:

تَرَدّٰى ثِيَابَ الْمَوْتِ حُمْرًا فَمَا أَتٰى : لَهَا اللَّيْلُ إِلَّا وَهِيَ مِنْ سُنْدُسٍ خُضْرٖ

...

ترجمہ:(4)**طباق** سے مراد ہے دو مد مقابل معانی کو آپس میں جمع کرنا، جیسے اللہ تعالی کا فرمان:اور تم ان کو جاگتے گمان کرو گے جبکہ وہ سوئے ہیں۔،لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے وہ بس ظاہری دنیاوی زندگی کو جانتے ہیں۔طباق کی ایک صورت مقابلہ ہے اور وہ یہ کہ دو معانی ذکر کیے جائیں پھر ترتیب کے ساتھ ان معانی کے مد مقابل معانی لائے جائیں، جیسے اللہ تعالی کا فرمان:پس چاہیے کہ وہ کم ہنسے اور زیادہ روئیں۔اور طباق کی ایک صورت تدبیج ہے اور وہ ہے رنگوں میں تقابل کرنا، جیسے اس کا قول:اس نے خون آلودہ کپڑے پہن لیے پس ان پر ایک رات نہ گزری مگر وہ سبز ریشمی کپڑوں میں تبدیل ہو گئے۔

تشریح: محسنات معنویہ کی چوتھی صورت **طباق** ہے اس میں مخالف معانی رکھنے والے اسماء یا افعال کلام میں اکٹھے کیے جاتے ہیں، جیسے اللہ تعالی کے فرمان میں"**أیقاظا**"اور"**رقود**"دو اسموں کو جمع کیا گیا اور ان دونوں کے معانی ایک دوسرے کے مخالف ہیں یعنی"**أیقاظا**" کے معنی جاگنے والے جبکہ "**رقود**" کے معنی سونے والے۔اسی طرح دوسری آیت میں"**لا یعلمون**"اور"**یعلمون**"دو فعلوں کو جمع کیا گیا جن کے معانی ایک

---

[137] سورۃ الکھف: الآیۃ: 18.

[138] سورۃ الروم: الآیتان: 6،7.

[139] سورۃ التوبۃ: الآیۃ: 82.

دوسرے کے مخالف ہیں یعنی "**لا یعلمون**" کا معنی وہ نہیں جانتے ہیں جبکہ "**یعلمون**" کا معنی وہ جانتے ہیں۔ طباق کی ایک صورت **مقابلہ** ہے اور اس میں پہلے دو معانی ذکر کیے جاتے ہیں پھر ان دو معانی کے مد مقابل معانی بالترتیب ذکر کیے جاتے ہیں، جیسے آیت پاک میں پہلے "**فلیضحکوا قلیلا**." دو معانی ذکر کیے گئے پھر ان کا تقابل بالترتیب "**ولیبکوا کثیرا**." کے ساتھ کیا گیا۔ اور طباق کی ایک اور صورت **تدبیج** ہے اور اس میں الفاظِ الوان بر سبیل مقابلہ ذکر کیے جاتے ہیں، جیسے شعر میں پہلے "**حمر**" ذکر کیا گیا پھر اس کے مقابلہ پر "**خضر**" ذکر کیا گیا۔

وجوہ تسمیہ: طباق کا معنی جمع کرنا ہے چونکہ اس میں دو مد مقابل معانی کو ایک جگہ پر جمع کیا جاتا ہے، اسی لیے اس صورت کو طباق کہتے ہیں اور اس کے بعد والی صورت کو مقابلہ نام دینے کی وجہ واضح ہے اور پھر آخری صورت کو تدبیج کا نام دیا کیونکہ تدبیج کا معنی زینت دینا ہے اور اس میں کلام کو بر سبیل تقابل، رنگوں والے الفاظ جمع کر کے زینت دی جاتی ہے۔

(5):اَلْإِدْمَاجُ أَنْ يُضَمَّنَ كَلَامٌ سِيْقَ لِمَعْنًى مَعْنًى آخَرَ نَحْوُ قَوْلِ أَبِي الطَّيِّبِ: "أُقَلِّبُ فِيْهِ أَجْفَانِيْ كَأَنِّيْ : أَعُدُّ بِهَا عَلَى الدَّهْرِ الذُّنُوْبَا"فَإِنَّهُ ضَمَّنَ وَصْفَ اللَّيْلِ بِالطُّوْلِ الشِّكَايَةَ مِنَ الدَّهْرِ .وَمِنَ الْإِدْمَاجِ مَا يُسَمّٰى بِالْاِسْتِتْبَاعِ وَهُوَ الْمَدْحُ بِشَيْءٍ عَلَى وَجْهٍ يَسْتَتْبِعُ الْمَدْحَ بِشَيْءٍ آخَرَ كَقَوْلِ الْخَوَارِزِمِيِّ: سَمَحَ الْبَدَاهَةَ لَيْسَ يُمْسِكُ لَفْظَهُ: فَكَأَنَّمَا أَلْفَاظُهُ مِنْ مَالِهِ ...

ترجمہ:(5)**ادماج** یہ کہ کلام جس معنی کے لیے چلایا گیا اس معنی کے ساتھ کسی دوسرے معنی کو شامل کیا جائے، جیسے ابو طیب کا قول: میں رات بھر اپنی پلکیں جھپکتا رہا گویا میں زمانے کے ظلم و ستم گردان رہا ہوں۔ پس اس نے رات کی طوالت کے ساتھ زمانے کی شکایت ملا دی۔ اور ادماج کی ایک صورت استتباع ہے اور اس سے مراد کسی شے کی تعریف یوں کرنا کہ ساتھ میں کسی دوسری شے کی بھی تعریف ہو جائے، جیسے خوارزمی کا قول :وہ بداہۃ گفتگو کرتا ہے، الفاظ میں بخل نہیں کرتا گویا اس کی لفظی سخاوت اس کی مالی سخاوت کی مانند ہے۔

تشریح: محسنات معنویہ کی پانچویں صورت **ادماج** ہے۔ اس میں کلام جس معنی کے لیے لایا جاتا ہے اس معنی کے ساتھ ضمناً کسی اور معنی کا بھی فائدہ ہوتا ہے، جیسے شاعر نے رات کی طوالت بتانے کے لیے اپنا شعر پیش کیا لیکن ساتھ میں ضمناً زمانے کے ظلم و ستم یعنی محب اور محبوب کے درمیان تفریق کا بھی ذکر کر دیا۔ ادماج کی ایک صورت **استتباع** ہے، اس میں مدح تو ایک شے کی مقصود ہوتی ہے لیکن مدح کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اس طریقہ میں خود بخود دوسری شے کی بھی مدح ہو جاتی ہے، جیسے شعر میں ممدوح کی کلام پر مہارت اور گفتگو میں سلاست اس طور پر ذکر کی کہ ساتھ میں ممدوح کی مالی سخاوت کا بھی ذکر ہو گیا۔

وجوہ تسمیہ: ادماج کا لغوی معنی داخل کرنا ہے چونکہ مقصودی معنی کے ساتھ غیر مقصودی معنی کو داخل کیا جاتا ہے اس لیے اس صورت کو ادماج کہتے ہیں۔ اور استتباع کا معنی تابع بنانا ہے چونکہ دوسری مدح کو پہلی مدح کے تابع بنایا جاتا ہے اس لیے اس صورت کو استتباع کا نام دیا جاتا ہے اور یاد رہے کہ استتباع مدح کے ساتھ خاص ہے جبکہ ادماج مدح اور غیر مدح دونوں کو عام ہے۔

(6): مُرَاعَاةُ النَّظِيْرِ هِيَ جَمْعُ أَمْرٍ وَمَا يُنَاسِبُهُ لَا بِالتَّضَادِّ كَقَوْلِهِ:

إِذَا صَدَقَ الْجَدُّ افْتَرَى الْعَمُّ لِلْفَتَى : مَكَارِمُ لَا تَخْفَى وَإِنْ كَذَبَ الخَالُ

فَقَدْ جَمَعَ بَيْنَ الْجَدِّ وَالْعَمِّ وَالْخَالِ وَالْمُرَادُ بِالْأَوَّلِ الْحَظُّ وَبِالثَّانِي عَامَّةُ النَّاسِ وَبِالثَّالِثِ الظَّنُّ ...

(7): اَلْاِسْتِخْدَامُ هُوَ ذِكْرُ اللَّفْظِ بِمَعْنًى وَإِعَادَةُ ضَمِيْرٍ عَلَيْهِ بِمَعْنًى آخَرَ أَوْ إِعَادَةُ ضَمِيْرَيْنِ تُرِيْدُ بِثَانِيْهِمَا غَيْرَ مَا أَرَدْتَهُ بِأَوَّلِهِمَا فَالْأَوَّلُ نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ[140] أَرَادَ بِالشَّهْرِ الْهِلَالَ وَبِضَمِيْرِهِ الزَّمَانَ الْمَعْلُوْمَ وَالثَّانِي كَقَوْلِهِ:

فَسَقَى الْغَضَاءَ وَالسَّاكِنِيْهِ وَإِنْ هُمْ : شَبُّوْهُ بَيْنَ جَوَانِحِيْ وَضُلُوْعِيْ

اَلْغَضَاءُ شَجَرٌ بِالْبَادِيَةِ وَضَمِيْرُ "سَاكِنِيْهِ" يَعُوْدُ إِلَيْهِ بِمَعْنَى مَكَانِهِ وَضَمِيْرُ "شَبُّوْهُ" يَعُوْدُ إِلَيْهِ بِمَعْنَى نَارِهِ ...

ترجمہ: (6)**مراعاۃ النظیر** سے مراد ایسے امور کو جمع کرنا جن کے درمیان مناسبت ہو تضاد نہ ہو، جیسے اس کا قول: جب قسمت ساتھ دیتی ہے تو لوگ ایسے نوجوان پر تہمت لگانے سے باز نہیں آتے جس کے عمدہ اخلاق کسی سے پوشیدہ نہیں اگرچہ خیال جھٹلائے۔ پس شاعر نے "جد، عم، خال" کو جمع کیا۔ اور پہلے سے مراد نصیبہ اور دوسرے سے مراد عوام الناس جبکہ تیسرے سے مراد گمان ہے۔ (7)**استخدام** سے مراد لفظ کو ایک معنی کے لیے ذکر کرنا اور ضمیر اس کی طرف کسی دوسرے معنی کے لحاظ سے لوٹانا یا دو ضمیریں ذکر کرنا کہ دوسری ضمیر سے تیری مراد پہلی ضمیر کا غیر ہو پس پہلی صورت، جیسے اللہ تعالی کا فرمان: پس جو تم میں سے مہینہ کا مشاہدہ کرلے چاہیے کہ وہ روزے رکھے۔ اس نے "شھر" سے مراد چاند لیا اور اس کی ضمیر سے معلوم زمانہ مراد لیا۔ اور دوسری صورت، جیسے اس کا قول: اللہ سیراب کرے عضا نامی درختوں اور اس کے باشندوں کو

---

[140] سورۃ البقرۃ: الآیۃ: 185.

اگرچہ انہوں نے میری اطراف اور پسلیوں کے درمیان آگ بھڑکائی۔"**الغضا**"ایک جنگلی درخت کو کہا جاتا ہے اور"**ساکنیہ**"کی ضمیر اس کی طرف مکان کے معنی میں جبکہ "**شبّوہ**"کی ضمیر آگ کے معنی میں لوٹ رہی ہے۔

تشریح: محسنات معنویہ کی چھٹی صورت **مراعاۃ النظیر** ہےاوراس سے مراد امور مناسبہ کو کلام میں اکٹھا کرنا اور یہ مناسبت تضاد کے اعتبار سے نہ ہو،جیسے شعر میں"**جد، عم** اور **خال**" کو جمع کیا گیااور ان کے درمیان رشتو ں کے لحاظ سے مناسبت ہے تاہم رشتہ داری والے معانی یہاں مقصود نہیں بایں طور کہ "**جد**"سے مراد دادا،"**عم** "سے مراد چچااور"**خال**"سے مراد خالو یاماموہو بلکہ "**جد**"سے مراد حصہ، "**عم** "سے مراد عوام الناس اور "**خال**"سے مراد ظن ہے۔

محسنات معنویہ کی ساتویں صورت **استخدام** ہے اور اس سے مراد یہ کہ لفظ ذکر کرکے کوئی معنی مراد لیا جائے اور پھر اس کی طرف ضمیر کسی دوسرے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے لوٹائی جائے، جیسے :"**فمن شهد منكم الشهر فليصمه**."میں"الشھر "ذکر کرکے "ھلال"مراد لیا گیا پھر اس کی طرف"**فليصمه**"میں ضمیر منصوب لوٹائی گئی اور اس سے معین زمانہ یعنی انیتس یا تیس دن مراد لیے گئے۔یااس کی طرف دوضمیریں لوٹائی جائیں اور دونوں ضمیروں سے مختلف معانی مراد ہوں، جیسے شعر میں"**الغضا**"ذکر کرکے جنگلی درخت مراد لیا گیا پھر اس کی طرف دوضمیریں لوٹائی گئیں پہلی ضمیر جو کہ "**ساکنیہ**"میں ہے،سے اس درخت کی جگہ جبکہ دوسری ضمیر منصوب جو کہ "**شبّوہ**"میں ہے،سے مراد آگ لی گئی۔

فائدہ: چھٹی صورت کو مراعاۃ النظیر کہنے کی شاید وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں ملتے جلتے لفظوں کا لحاظ کیا جاتا ہے اور مراعاۃ النظیر کالغوی معنی بھی نظیر کالحاظ رکھنا ہے اور ساتویں صورت کو استخدام کہنے کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ اس صورت میں لفظ کو ضمائر کے ساتھ ذکر کرکے اور مختلف معانی مراد لے کر لفظ سے خدمت چاہی جاتی ہے اوراستخدام کالغوی معنی بھی خدمت چاہنا ہے۔

(8): اَلْاِسْتِطْرَادُ هُوَ أَنْ يَخْرُجَ الْمُتَكَلِّمُ مِنَ الْغَرَضِ الَّذِيْ هُوَ فِيْهِ إِلَى آخَرَ لِمُنَاسَبَةٍ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى تَتْمِيْمِ الْأَوَّلِ كَقَوْلِ السَّمَوْؤَلِ:

وَإِنَّا أُنَاسٌ لاَ نَرَى الْقَتْلَ سُبَّةً: إِذَا مَا رَأَتْهُ عَامِرٌ وَسَلُوْلُ

يُقَرِّبُ حُبُّ الْمَوْتِ آجَالَنَا لَنَا: وَتَكْرَهُهُ آجَالُهُمْ فَتَطُوْلُ

وَمَا مَاتَ مِنَّا سَيِّدٌ حَتْفَ أَنْفِهِ: وَلَا طُلَّ مِنَّا حَيْثُ كَانَ قَتِيْلُ

فَسِيَاقُ الْقَصِيْدَةِ لِلْفَخْرِ وَاسْتَطْرَدَ مِنْهُ إِلَى هِجَاءِ عَامِرٍ وَسَلُوْلٍ ثُمَّ عَادَ إِلَيْهِ ...

ترجمہ:(8)**استطراد** سے مراد یہ کہ متکلم اس غرض کو چھوڑ کر جس میں وہ ہے مناسبت کی وجہ سے کسی دوسری غرض کی طرف نکل جائے پھر پہلی غرض کی طرف تکمیل کی خاطر لوٹے، جیسے سموئل کا قول: ہم لوگ قتل کو عار نہیں سمجھتے جبکہ قبیلہ عامر اور سلول کے لوگ اس کو عار سمجھتے ہیں، موت کی محبت ہماری موت ہمارے قریب کرتی ہے جبکہ انہیں موت ناپسند ہے اسی لیے ان کی موت دراز ہو جاتی ہے اور ہمارا کوئی بھی بہادر اپنی طبعی موت نہیں مرتا اور ہمارے کسی مقتول کا خون رائیگاں نہیں جاتا۔ پس سیاقِ قصیدہ فخر تھا اور شاعر اسے چھوڑ کر عامر اور سلول کی مذمت کی طرف نکل گیا پھر فخر کی طرف لوٹ آیا۔

تشریح: محسنات معنویہ کی آٹھویں صورت **استطراد** ہے اور اس میں متکلم اپنے مقصد کو مکمل کیے بغیر ادھورا چھوڑ کر کسی دوسرے مقصد کی طرف نکل جاتا ہے؛ کیونکہ ان دونوں مقصدوں کے درمیان کوئی مناسبت ہوتی ہے لیکن آخر میں پھر اپنے مقصدِ اول کی طرف لوٹ آتا ہے، جیسے شعر میں شاعر نے اپنے قبیلہ کی شجاعت پر فخر کی غرض سے شعر کہا ابھی یہ غرض پوری نہیں ہوئی تھی کہ قبیلہ عامر اور سلول کی بزدلی پر مذمت کی طرف نکل گیا اور پھر اپنی پہلی غرض کو مکمل کرنے کے لیے دوبارہ اپنے قبیلہ کی شجاعت پر فخریہ اشعار کہہ دیئے؛ کیونکہ دونوں مقصدوں یعنی شجاعت اور بزدلی یا فخر بمعنی مدح اور ہجو بمعنی ذم کے درمیان مناسبت تضاد ہے۔

وجہ تسمیہ: استطراد کا لغوی معنی انتقال ہے چونکہ اس صورت میں ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال ہوتا ہے اسی بنیاد پر اس کو استطراد کا نام دیا گیا ہے۔

(9):اَلْاِفْتِنَانُ هُوَ الْجَمْعُ بَيْنَ فَنَّيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ كَالْغَزَلِ وَالْحَمَاسَةِ وَالْمَدْحِ وَالْهِجَاءِوَالتَّعْزِيَةِ وَالتَّهْنِيَةِ كَقَوْلِ عَبْدِ اللهِ بْنِ هَمَّامِ السَّلُوْلِيِّ حِيْنَ دَخَلَ عَلَى يَزِيْدَ وَقَدْ مَاتَ أَبُوْهُ مُعَاوِيَةُ وَخَلَفُهُ هُوَ فِي الْمُلْكِ: آجَرَكَ اللهُ عَلَى الرَّزِيَّةِ وَبَارَكَ لَكَ فِي الْعَطِيَّةِ وَأَعَانَكَ عَلَى الرَّعِيَّةِ فَقَدْ رُزِئْتَ عَظِيْمًا وَأُعْطِيْتَ جَسِيْمًا فَاشْكُرِ اللهَ عَلَى مَا أُعْطِيْتَ وَاصْبِرْ عَلَى مَا رُزِئْتَ فَقَدْ فَقَدْتَ الْخَلِيْفَةَ وَأُعْطِيْتَ الْخِلَافَةَ فَفَارَقْتَ خَلِيْلًا وَوُهِبْتَ جَلِيْلًا

اِصْبِرْ يَزِيْدُ فَقَدْ فَارَقْتَ ذَا ثِقَةٍ : وَاشْكُرْ حِبَاءَ الَّذِيْ بِالْمُلْكِ أَصْفَاكَ

لَا رُزْءَ أَصْبَحَ فِي الْأَقْوَامِ نَعْلَمُهُ : كَمَا رُزِئْتَ وَلَا عُقْبَى كَعُقْبَاكَ

...

ترجمہ:(9)**افتنان** یہ کہ دو مختلف فنوں کو جمع کرنا، جیسے: غزل اور حماسہ، مدح اور ہجو یا تعزیت اور تہنیت، جیسے عبد اللہ بن ہمام سلولی کا قول جب یہ یزید کے پاس آیا حالانکہ اس کے باپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وصال فرما چکے تھے اور یہ برا خلیفہ تختِ سلطنت پر براجمان ہو چکا تھا: اللہ تجھے بڑی مصیبت پر اجر دے اور تیری بادشاہت میں برکت رکھے اور سلطنت پر تیری معاونت کرے تحقیق تجھے بڑی مصیبت سے آزمایا گیا اور بڑا انعام دیا گیا لہذا تو اللہ کا شکر ادا کر اس انعام پر جو تجھے دیا گیا اور صبر کر اس مصیبت پر جس میں تجھے مبتلا کیا گیا۔ تحقیق تو نے خلیفہ کھو دیا اور تجھے خلافت مل گئی تو خلیل سے مفارق ہوا اور تجھے امر جلیل سے نوازا گیا۔ اے یزید! تو صبر کر؛ کیونکہ تو نے ثقہ آدمی کو الوداع کیا اور اس کے انعام پر شکر کر جس نے تجھے بادشاہت کے لیے چنا۔ اقوامِ عالم میں ہمارے علم کے مطابق کسی کو بھی تیرے جیسی تکلیف نہ پہنچی اور نہ ہی اس کا انجام تیرے جیسا ہوا۔

تشریح: محسنات معنویہ کی نویں صورت صنعتِ افتنان ہے اور اس سے مراد عبارت میں دو مختلف فنون کو جمع کرنا جو کہ آپس میں مقابل اور متضاد ہوں، جیسے غزل اور حماسہ کو جمع کرنا یا مدح اور ہجو کو جمع کرنا یا تعزیت

اور تہنیت کو جمع کرنا۔ ذکر کردہ مثال میں تعزیت اور تہنیت کو جمع کیا گیا ہے یعنی عبد اللہ بن ہمام سلولی نے یزید سے اس کے باپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال پر تعزیت کرتے ہوئے پر درد الفاظ ذکر کئے اور ساتھ میں خلافت جیسا انعام ملنے پر مبارک باد دیتے ہوئے پر مسرت الفاظ اور دعائیہ جملے ذکر کئے۔

وجہ تسمیہ: افتنان کا لغوی معنیٰ گفتگو کو حسن دینے کے لیے گفتگو میں مختلف اسلوب اپنانا اور چونکہ اس صنف میں ایسا ہی ہوتا ہے اس لئے اس قسم کا نام افتنان رکھا، جیسے ذکر کردہ شعر میں دو اسلوب تعزیت اور تہنیت اپنائے گئے۔

فائدہ: غزل ایک ایسی صنف ہے جس میں اظہارِ محبت کی خاطر محبت اور عشق بھرے الفاظ شعروں کی صورت میں اپنے محبوب کی نذر کیے جاتے ہیں جبکہ **حماسہ** میں شعروں کی صورت میں ایسے الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں جو مخاطب کی بہادری، دلیری اور غیرت کو جوش دیتے ہیں اور **مدح** میں تعریف بھرے جبکہ **ہجو** میں مذمت بھرے الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں۔

(10): اَلْجَمْعُ هُوَ أَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ مُتَعَدِّدٍ فِيْ حُكْمٍ وَاحِدٍ كَقَوْلِهِ:

إِنَّ الشَّبَابَ وَالفَرَاغَ وَالْجِدَّةَ : مُفْسِدَةٌ لِلْمَرْءِ أَيَّ مُفْسِدَةٍ

(11): اَلتَّفْرِيْقُ هُوَ أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَ شَيْئَيْنِ مِنْ نَوْعٍ وَاحِدٍ كَقَوْلِهِ:

مَا نَوَالُ الغَمَامِ وَقْتَ رَبِيْعٍ : كَنَوَالِ الأَمِيْرِ يَوْمَ سَخَاءٍ

فَنَوَالُ الأَمِيْرِ بَدْرَةُ عَيْنٍ : وَنَوَالُ الغَمَامِ قَطْرَةُ مَاءٍ

...

ترجمہ:(10)**جمع** یہ کہ ایک حکم میں متعدد چیزوں کو جمع کرنا، جیسے اس کا قول: بے شک جوانی، فرصت اور مالداری انسان کو تباہ وبرباد کر دیتے ہیں۔ (11)**تفریق** یہ کہ ایک ہی نوع کی دو چیزوں میں فرق کرنا، جیسے اس کا قول: موسم بہار میں بادلوں کا عطیہ سخاوت کے دن امیر کے عطیہ جیسا نہیں؛ کیونکہ امیر کا عطیہ دس ہزار دراہم ہیں اور بادلوں کا عطیہ محض پانی کا ایک قطرہ ہے۔

تشریح: محسنات معنویہ کی دسویں قسم **جمع** ہے اور جمع میں ایک سے زائد چیزوں کو حکم واحد میں اکٹھا کیا جاتا ہے، جیسے ذکر کردہ شعر میں جوانی، فرصت اور مالداری تینوں کو حکم واحد یعنی افساد میں اکٹھا کیا گیا۔

محسنات معنویہ کی گیارہویں قسم **تفریق** ہے جس میں ایک ہی نوع کی دو چیزوں کے درمیان فرق کیا جاتا ہے، جیسے ذکر کردہ شعر میں نوالِ غمام اور نوالِ امیر کے درمیان فرق کیا گیا اور یہ دونوں ایک ہی نوع یعنی مطلق نوال سے ہیں۔

(12): اَلتَّقْسِيْمُ هُوَ إِمَّا اسْتِيْفَاءُ أَقْسَامِ الشَّيْءِ نَحْوُ قَوْلِهِ: وَأَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ وَالأَمْسِ قَبْلَه: وَلٰكِنَّنِيْ عَنْ عِلْمِ مَا فِيْ غَدٍ عَمَى وَإِمَّا ذِكْرُ مُتَعَدِّدٍ وَإِرْجَاعُ مَا لِكُلٍّ إِلَيْهِ عَلَى التَّعْيِيْنِ كَقَوْلِهِ:

وَلَا يُقِيْمُ عَلَى ضَيْمٍ يُرَادُ بِهِ: إِلَّا الأَذَلَّانِ عَيْرُ الْحَيِّ وَالوَتَدُ

هٰذَا عَلَى الْخَسْفِ مَرْبُوْطٌ بِرُمَّتِهِ: وَذَا يُشَجُّ فَلَا يَرْثِيْ لَهُ أَحَدٌ

وَإِمَّا ذِكْرُ أَحْوَالِ الشَّيْءِ مُضَافًا إِلَى كُلٍّ مِّنْهَا مَا يَلِيْقُ بِهِ كَقَوْلِهِ:

سَأَطْلُبُ حَقِّيْ بِالْقَنَاءِ وَمَشَايِخَ: كَأَنَّهُمْ مِنْ طُوْلِ مَا الْتَثَمُوْا مُرْدُ

ثِقَالٌ إِذَا لَاقُوْا خِفَافٌ إِذَا دُعُوْا: كَثِيْرٌ إِذَا شَدُّوْا قَلِيْلٌ إِذَا عُدُّوْا

...

ترجمہ: (12)**تقسیم** میں یا تو کسی شے کی تمام اقسام کا احاطہ کیا جاتا ہے، جیسے اس کا قول: اور مجھے آج اور گذشتہ کل کا علم ہے لیکن آئندہ کل کے علم سے میں ناواقف ہوں۔ یا متعدد چیزوں کا ذکر کر کے ساتھ میں ان کے احکام معین طور پر ذکر کیے جاتے ہیں، جیسے اس کا قول: ظلم پر صرف دو ذلیل چیزیں صبر کر سکتی ہیں محلے کا گدھا اور میخ یہ اپنی پرانی رسی کے ساتھ ذلت سے بندھا ہوا ہے اور اس کے سر پر مسلسل چوٹ لگا کر زخمی کیا جاتا ہے پر کسی کو اس پر ترس نہیں آتا۔ یا کسی شے کے تمام احوال ذکر کر کے ان احوال میں سے ہر ایک کے لائق اور مناسب امر کی اضافت کی جاتی ہے، جیسے اس کا قول: میں اپنا حق عنقریب نیزوں اور ایسے تجربہ کار جنگجو لوگوں کے ذریعے طلب کروں گا جو طویل مدت تک نقاب پوش رہنے کی وجہ سے امرد معلوم ہوتے ہیں، دورانِ جنگ بھاری، جنگ کے بلاوا پر ہلکے، شدتِ جنگ میں زیادہ اور شمار میں کم معلوم ہوتے ہیں۔

تشریح: محسنات معنویہ کی بارہویں صورت تقسیم ہے اور اس کی تین صورتیں ہیں:

1. عبارت میں کسی چیز کی تمام قسموں کا اس طرح ذکر کرنا کہ کوئی بھی قسم باقی نہ رہے، جیسے مثال میں زمانہ کی تینوں قسموں یعنی گذشتہ کل(Past)، آج (Today)اورآئندہ کل (Tomorrow) کا ذکر ہوا۔
2. عبارت میں متعدد چیزیں ذکر کرنے کے بعد ان میں سے ہر ایک کو معین کر کے مناسب حکم ذکر کرنا، جیسے مثال میں دو چیزوں یعنی گدھے اور میخ کا ذکر کر کے دونوں میں سے ہر ایک کو معین کر کے مناسب حکم مذکور ہوا یعنی گدھے کو رسی سے باندھنا اور میخ کو دیوار میں ٹھونکنا۔
3. عبارت میں کسی شے کو ذکر کرنے کے بعد اس کے احوال اس طور پر ذکر کرنا کہ احوال کے مناسب احکام کا بھی ذکر ہو جائے، جیسے مثال میں مشائخ کے بعد ان کے احوال یعنی ثقل، خفت، کثرت اور قلت ذکر کر کے ان میں سے ہر ایک کا مناسب ذکر کیا ہے یعنی ثقل کے لیے ملاقات اور محاربت، خفت کے لیے دعوت اور اجابت، کثرت کے لیے دشمنوں پر شدت، اور قلت کے لیے شمار۔

وجہ تسمیہ: اس قسم کا نام تقسیم رکھنے کی وجہ نام سے واضح ہے کہ شے کو اقسام کی طرف تقسیم کرتے ہوئے اقسام کا احاطہ کیا جاتا ہے یا شے کے احوال کو جب ذکر کیا جاتا ہے تو گویا شے کی اقسام کی طرف تقسیم کاری کی جاتی ہے یا پھر احوال ذکر کر کے ان کے مناسبات کا ذکر بطور تقسیم کاری کیا جاتا ہے۔

(13): اَلطَّيُّ وَالنَّشْرُ هُوَ ذِكْرُ مُتَعَدِّدٍ عَلَى التَّفْصِيْلِ أَوِ الْإِجْمَالِ ثُمَّ ذِكْرُ مَا لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُتَعَدِّدِ مِنْ غَيْرِ تَعْيِيْنٍ اعْتِمَادًا عَلَى فَهْمِ السَّامِعِ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِن فَضْلِهِ[141] فَالسُّكُوْنُ رَاجِعٌ إِلَى اللَّيْلِ وَالْإِبْتِغَاءُ رَاجِعٌ إِلَى النَّهَارِ وَكَقَوْلِ الشَّاعِرِ:

ثَلَاثَةٌ تُشْرِقُ الدُّنْيَا بِبَهْجَتِهَا : شَمْسُ الضُّحَى وَأَبُوْ إِسْحَاقَ وَالْقَمَرُ

...

ترجمہ: (13) **طی ونشر** یہ کہ متعدد چیزوں کو تفصیلا یا اجمالا ذکر کرنا پھر بغیر معین کیے ان میں سے ہر ایک کا مناسب ذکر کرنا سامع کے فہم پر اعتماد کرتے ہوئے، جیسے اللہ تعالی کا فرمان: اس نے تمہارے نفع کو رات اور دن بنایا تاکہ تم اس میں سکون کر سکو اور اس کا فضل تلاش کر سکو۔ پس سکون کا تعلق رات کے ساتھ ہے اور ابتغاء کا دن سے۔ اور شاعر کا قول: تین چیزیں ایسی ہیں جن کی روشنی سے دنیا روشن ہے صبح کا سورج، میرا ممدوح ابو اسحاق اور چاند۔

تشریح: محسنات معنویہ کی تیرہویں صورت طی ونشر ہے۔ اس صورت میں اولا ایک سے زائد چیزوں کو تفصیلا یا اجمالا ذکر کیا جاتا ہے پھر ثانیا ان میں سے کسی کو بھی معین کیے بغیر مناسبات ذکر کیے جاتے ہیں، جیسے پہلی مثال یعنی قرآنی آیت میں اللہ تعالی نے دو چیزوں کا تفصیلا ذکر کرنے کے بعد ان کے مناسبات کا ذکر فرمایا یعنی پہلے رات اور دن کا تفصیلا ذکر کیا پھر رات کا مناسب سکون اور دن کا مناسب ابتغاء ذکر فرمایا۔ اور دوسری مثال میں شاعر نے پہلے تین چیزوں کا اجمالا بطور اسم عدد ذکر کیا پھر تفصیلا تینوں کا ذکر کیا اور حکم لگایا کہ ان کی روشنی سے دنیا روشن ہے۔

وجہ تسمیہ: طی کا مطلب لپیٹنا اور نشر کا مطلب پھیلانا یا کھولنا ہے چونکہ اس قسم میں متعدد چیزوں کو پہلے اجمالا یا تفصیلا لپیٹا جاتا ہے اور پھر ان کے مناسبات ذکر کر کے ان کو کھول دیا جاتا ہے۔

---

[141] سورۃ القصص: الآیۃ: 73.

(14): إِرْسَالُ الْمِثْلِ وَالْكَلَامُ الْجَامِعُ هُوَ أَنْ يُؤْتَى بِكَلَامٍ صَالِحٍ لِأَنْ يُتَمَثَّلَ بِهِ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَالْفَرْقُ بَيْنَهُمَا أَنَّ الْأَوَّلَ يَكُوْنُ بَعْضَ بَيْتٍ كَقَوْلِهِ: لَيْسَ التَّكَحُّلُ فِي الْعَيْنَيْنِ كَالْكُحْلِ وَالثَّانِي يَكُوْنُ بَيْتًا كَامِلًا كَقَوْلِهِ:

إِذَا جَاءَ مُوْسَى وَأَلْقَى العَصَا : فَقَدْ بَطَلَ السَّحَرُ وَالسَّاحِرُ

...

ترجمہ: (14) **ارسالِ مثل و کلام جامع** یہ کہ ایسا کلام پیش کیا جائے جو کثیر جگہوں پر بطور مثال یا کہاوت ذکر کیا جا سکتا ہو۔ اور ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلا بیت کا بعض حصہ ہو گا، جیسے اس کا قول: آنکھوں میں سرمہ ڈالنے سے آنکھیں سرمگی نہیں بن جاتیں۔ اور دوسرا مکمل بیت ہو گا، جیسے اس کا قول: جب موسی علیہ السلام آئیں گے اور عصا ڈالیں گے تو جادو اور جادو گر دونوں کی چھٹی ہو جائے گی۔

تشریح: محسنات معنویہ کی چودھویں قسم ارسال مثل اور کلام جامع ہے اور ان سے مراد یہ کہ ایسا کلام لایا جائے جو ضرب المثل کے طور پر استعمال ہو سکتا ہو البتہ ارسال مثل میں کلام شعر کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے، جیسے: "**ليس التكحل إلخ**" جبکہ کلام جامع میں پورا شعر ہوتا ہے، جیسے: "**إذا جاء موسى إلخ**"۔

وجہ تسمیہ: ارسال مثل کا معنی کہاوت چھوڑنا اور کلام جامع کا معنی مکمل کلام چونکہ اس قسم میں کہاوت ذکر کی جاتی ہے یا مکمل کلام اس لیے اس قسم کا نام ارسال مثل اور کلام جامع ہے۔

(15): اَلْمُبَالَغَةُ هِيَ ادِّعَاءُ بُلُوْغِ وَصْفٍ فِي الشِّدَّةِ أَوِ الضُّعْفِ حَدًّا يَبْعُدُ أَوْ يَسْتَحِيْلُ وَتَنْقَسِمُ إِلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ:

(i) تَبْلِيْغٌ إِنْ كَانَ ذٰلِكَ مُمْكِنًا عَقْلًا وَعَادَةً كَقَوْلِهِ فِيْ وَصْفِ فَرَسٍ:

إِذَا مَا سَابَقَتْهَا الرِّيْحُ فَرَّتْ : وَأَلْقَتْ فِيْ يَدِ الرِّيْحِ التُّرَابَا

(ii) وَإِغْرَاقٌ إِنْ كَانَ مُمْكِنًا عَقْلًا لَا عَادَةً كَقَوْلِهِ:

وَنُكْرِمُ جَارَنَا مَا دَامَ فِيْنَا : وَنُتْبِعُهُ الْكَرَامَةَ حَيْثُ مَالَا

(iii) وَغُلُوٌّ إِنِ اسْتَحَالَ عَقْلًا وَعَادَةً كَقَوْلِهِ:

تَكَادُ قِسِيُّه مِنْ غَيْرِ رَامٍ : تُمَكِّنُ فِيْ قُلُوْبِهِم النِّبَالَا

...

ترجمہ:(15)**مبالغہ** سے مراد کسی وصف کا شدت اور ضعف میں اس حد تک پہنچنے کا دعوی کرنا جو عقل سے بعید ہو یا محال ہو اور مبالغہ کی تین قسمیں ہیں:۔**تبلیغ** اگر مبالغہ عقل اور عادت کے لحاظ سے ممکن ہو، جیسے اس کا گھوڑے کی صفت میں قول: جب ہوا کا اس کے ساتھ مقابلہ ہوتا ہے تو وہ آگے نکل جاتا ہے اور ہوا کے ہاتھوں میں دھول چھوڑ دیتا ہے۔اور **اغراق** اگر مبالغہ عقل کے لحاظ سے ممکن ہو نہ کہ عادت کے لحاظ سے، جیسے اس کا قول: اور ہم اپنے پڑوسی کو اکرام دیتے ہیں جب تک وہ ہم میں رہے اور ہم اکرام کو اس کے ساتھ وہاں رخصت کر دیتے ہیں جہاں وہ جائے۔اور **غلو** اگر مبالغہ عقل اور عادت دونوں کے لحاظ سے ناممکن ہو، جیسے اس کا قول: قریب ہے اس کی کمان بغیر رامی کے ان کے دلوں میں تیر پیوست کر دے۔

تشریح: محسنات معنویہ کی پندرہویں قسم **مبالغہ** ہے اور اس میں کسی شے کی صفت کو اس قدر بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی زیادتی یا تو بعید از عقل یا پھر محال۔اس کی تین قسمیں ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1. **تبلیغ:** یعنی صفت میں مبالغہ ایسا ہو جس کو عقل اور عادت دونوں ممکن کہیں، جیسے تیز رفتار گھوڑے کا ہوا سے آگے نکل جانا ایسا مبالغہ ہے جسے عقل اور عادت دونوں ممکن جانتے ہیں۔

2. **اغراق:** یعنی صفت میں ایسا مبالغہ جس کو صرف عقل ممکن جانے، جیسے کرامت یعنی احسان کو پڑوسی کے پیچھے رخصت کر دینا ایسا مبالغہ ہے جسے عقل ممکن مانتی ہے لیکن عادت اسے ناممکن جانتی ہے؛ کیونکہ رخصتی مجسّم چیز کی ہوتی ہے۔
3. **غلو:** یعنی صفت میں ایسا مبالغہ جو عقل اور عادت دونوں کے نزدیک ناممکن ہو، جیسے کمان کا بغیر رامی کے تیر چھوڑنا ایسا مبالغہ ہے جسے عقل اور عادت دونوں ناممکن کہتے ہیں؛ کیونکہ بلاشبہ تیر کمان سے اسی وقت نکلتا ہے جب کوئی چھوڑنے والا ہو۔

(16): اَلْمُغَايَرَةُ هُوَ مَدْحُ الشَّيْءِ بَعْدَ ذَمِّهِ أَوْ عَكْسُهُ كَقَوْلِهِ فِيْ مَدْحِ الدِّيْنَارِ:
أَكْرِمْ بِهِ أَصْفَرَ رَاقَتْ صُفْرَتُهُ بَعْدَ ذَمِّهِ فِيْ قَوْلِهِ: تَبًّا لَهُ مِنْ خَادِعٍ مُمَاذِقٍ ...
(17): تَأْكِيْدُ الْمَدْحِ بِمَا يَشْبَهُ الذَّمَّ ضَرْبَانِ أَحَدُهُمَا أَنْ يُسْتَثْنَى مِنْ صِفَةِ ذَمٍّ مَنْفِيَّةٍ صِفَةُ مَدْحٍ عَلَى تَقْدِيْرِ دُخُوْلِهَا فِيْهَا كَقَوْلِهِ:

وَلاَ عَيْبَ فِيْهِمْ غَيْرَ أَنَّ سُيُوْفَهُمْ: بِهِنَّ فُلُوْلٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ

وَثَانِيْهِمَا أَنْ يُثْبَتَ لِشَيْءٍ صِفَةُ مَدْحٍ وَيُؤْتَى بَعْدَهَا بِأَدَاةِ اسْتِثْنَاءٍ تَلِيْهَا صِفَةُ مَدْحٍ أُخْرَى كَقَوْلِهِ:

فَتًى كَمُلَتْ أَوْصَافُهُ غَيْرَ أَنَّهُ: جَوَادٌ فَمَا يُبْقِي عَلَى الْمَالِ بَاقِيَا

...

ترجمہ: (16) شے کی مذمت کے بعد تعریف کرنا یا اس کا عکس **مغایرت** کہلاتا ہے، جیسے دینار کی تعریف میں اس کا قول: کتنا ہی مکرم ہے دینار! جس کی زردی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی مذمت کے بعد: ہلاکت ہو دھوکے باز ہاتھوں سے نکلنے والے پر۔ (17) **مدح کو مؤکد کرنا ایسے امر کے ساتھ جو ذم کے مشابہ ہو** دو قسموں پر ہے: ۔ان میں سے ایک یہ کہ ذم کی منفی صفت سے صفتِ مدح کا استثناء کیا جائے اس تقدیر پر کہ یہ اس میں داخل ہے، جیسے اس کا قول: ان میں کوئی عیب نہیں سوا اس کے کہ لشکروں پر مسلسل وار کی وجہ سے ان کی تلواروں میں دندانے پڑ چکے ہیں۔ اور دوسری یہ کہ کسی شے کے لیے صفتِ مدح ثابت کی جائے اور اس کے بعد اداۃِ استثناء اس طور پر ذکر کیا جائے کہ اس کے ساتھ دوسری صفتِ مدح ملی ہو، جیسے اس کا قول: ایسا جوان ہے کہ اس کے تمام اوصاف کامل ہیں سوا اس کے کہ وہ سخی ہے؛ کیونکہ تھوڑا مال بھی نہیں چھوڑتا۔

تشریح: محسنات معنویہ کی سولہویں قسم **مغایرت** ہے اس میں اولا کسی شے کی مذمت کی جاتی ہے پھر اس کی تعریف یا اولا تعریف اور پھر مذمت بس تعریف سے واضح ہوا کہ اس قسم کو مغایرت کا نام اسی لیے دیا جاتا ہے کہ اس میں اولا مذمت پھر مدح یا اولا مدح اور پھر مذمت ہوتی ہے اور یقینا مذمت اور مدح میں سے ہر ایک

دوسرے کا مغایر ہے، جیسے شاعر نے اپنے شعر میں پہلے دینار کی مذمت کی کہ یہ دھوکے باز منافق ہے اور بعد میں تعریف کی کہ یہ قابلِ عزت اور قابلِ دید ہے؛ کیونکہ اس کی زردی بھلی لگتی ہے۔

محسنات معنویہ کی سترہویں صورت "تأكيد المدح بما يشبه الذم "یعنی مدح کی تاکید ایسی مدح کے ساتھ لانا جو ذم کے مشابہ ہو اور اس کی مزید دو صورتیں ہیں:

1. مذمت پر مبنی منفی صفت ذکر کرنے کے بعد اس سے صفتِ مدح بذریعہ استثناء نکال کر تاثر دیا جائے کہ یہ صفتِ مدح منفی صفتِ ذم میں داخل تھی، جیسے شاعر نے اپنی قوم سے عیب (جو سببِ ذم ہے) کی نفی کرنے کے لیے منفی صفت ذکر کرتے ہوئے کہا: "لا عيب فيهم "اور پھر اداۃِ استثناء یعنی" غير "کے ذریعے صفتِ مدح ذکر کی جو بظاہر صفتِ ذم معلوم ہوتی ہے اور تاثر دیا کہ صفتِ مدح صفتِ ذم میں داخل ہے اور وہ صفتِ مدح "بهن فلول من قراع الكتائب" ہے یعنی تلواروں کو دندانے پڑنا بظاہر عیب معلوم ہو رہا ہے جبکہ حقیقت میں تعریف ہے بایں صورت کہ یہ ایسی قوم ہے جن کی تلواریں نمائش کے لیے نہیں بلکہ لڑنے کے لیے ہیں یہی وجہ ہے کہ دشمن پر مسلسل وار کی وجہ سے ان میں دندانے پڑ چکے ہیں۔
2. کسی شے کے لیے صفتِ مدح ذکر کرنے کے بعد اداۃِ استثناء کے فوراً بعد ایک اور صفتِ مدح ذکر کی جائے جبکہ بظاہر صفتِ مذمت ہونی چاہیے تھی، جیسے: "فتى" کی صفتِ مدح "كملت أوصافه" ذکر کی پھر غیر ذکر کرنے سے خیال گزرا کہ کوئی صفتِ ذم ذکر کی جائے گی؛ کیونکہ استثناء کی اصل ما قبل کی مخالفت ہے لہذا پہلے مدح ہوئی تو اب مذمت ہونی چاہیے لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ ایک اور صفتِ مدح یعنی "أنه جواد إلخ "ذکر کی گئی۔

(18): تَأْكِيْدُ الذَمِّ بِمَا يَشْبَهُ الْمَدْحَ ضَرْبَانِ أَيْضًا: الْأَوَّلُ أَنْ يُسْتَثْنَى مِنْ صِفَةِ مَدْحٍ مَنْفِيَّةٍ صِفَةُ ذَمٍّ عَلَى تَقْدِيْرِ دُخُوْلِهَا فِيْهَا نَحْوُ فُلَانٌ لَا خَيْرَ فِيْهِ إِلَّا أَنَّهُ يَتَصَدَّقُ بِمَا يَسْرِقُ وَالثَّانِي أَنْ يُثْبَتَ لِشَيْءٍ صِفَةُ ذَمٍّ وَيُؤْتَى بَعْدَهَا بِأَدَاةِ اسْتِثْنَاءٍ تَلِيْهَا صِفَةُ ذَمٍّ أُخْرَى كَقَوْلِهِ:

هُوَ الْكَلْبُ إِلَّا أَنَّ فِيْهِ مَلَالَةً: وَسُوْءَ مُرَاعَاةٍ وَمَا ذَاكَ فِي الْكَلْبِ

(19): اَلتَّجْرِيْدُ هُوَ أَنْ يُنْتَزَعَ مِنْ أَمْرٍ ذِيْ صِفَةٍ أَمْرٌ آخَرُ مِثْلُهُ فِيْهَا مُبَالَغَةً لِكَمَالِهَا فِيْهِ وَيَكُوْنُ بِـمِنْ نَحْوُ لِيْ مِنْ فُلَانٍ صِدِّيْقٍ حَمِيْمٌ أَوْ "فِيْ" كَمَا فِيْ قَوْلِهِ تَعَالَى: لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ[142] أَوِالْبَاءِ نَحْوُلَئِنْ سَأَلْتَ فُلَانًا لَتَسْئَلَنَّ بِهِ الْبَحْرَ أَوْ بِـمُخَاطَبَةِ الْإِنْسَانِ نَفْسَهُ كَقَوْلِهِ:

لَا خَيْلَ عِنْدَكَ تَهْدِيْهَا وَلَا مَالَ: فَلْيُسْعِدِ النُّطْقُ إِنْ لَمْ تُسْعِدِ الْحَالُ

أَوْ بِغَيْرِ ذٰلِكَ كَقَوْلِهِ:

فَلَئِنْ بَقِيْتُ لَأَرْحَلَنَّ لِغَزْوَةٍ: تَحْوِي الْغَنَائِمَ أَوْيَمُوْتَ كَرِيْمٌ

...

ترجمہ:(18)ذم کی تاکید ذم سے لانا جو مدح کے مشابہ ہو اس کی بھی دو قسمیں ہیں:۔ پہلی یہ کہ مدح کی منفی صفت سے صفتِ ذم کا استثناء اس تقدیر پر ہو کہ یہ اس میں داخل ہو، جیسے: فلاں میں کوئی بھلائی نہیں مگر یہ کہ وہ چوری کیا مال صدقہ کرتا ہے۔ اور دوسری یہ کہ کسی شے کے لیے صفتِ ذم ثابت کی جائے اور اس کے بعد اداۃِ استثناء اس طور پر ذکر کیا جائے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری صفتِ ذم ملی ہو، جیسے اس کا قول: وہ کتا ہے مگر اس میں تنگ دلی اور بے لحاظی ہے حالانکہ یہ سب کتے میں نہیں ہوتا۔(19)**تجرید** یہ کہ ذی صفت امر سے بطور مبالغہ کسی مماثل امر کا انتزاع کیا جائے؛ کیونکہ یہ صفتمماثل میں کمال درجہ موجود ہے اور تجرید "من" کے

---

[142] سورۃ فصلت: الآیۃ: 28.

ساتھ ہوتی ہے، جیسے: میرے لیے فلاں شخص سے ایک مخلص دوست ملا۔ یا "في" کے ساتھ، جیسے اللہ تعالی کے فرمان میں ہے: ان کا اسی میں رہنے کو ہمیشہ کا گھر ہے۔ یا "ب" کے ساتھ، جیسے: اگر تو فلاں آدمی سے سوال کرے تو یقینا تو اس سے ایک سمندر مانگے گا۔ یا اس طرح کہ انسان اپنے آپ سے بات کرے، جیسے: تحفہ دینے کو تیرے پاس نہ تو کوئی گھوڑا ہے اور نہ ہی کوئی مال لہذا اگر حال اچھا نہ ہو تو قال اچھی ہونی چاہیے۔ یا اس کے علاوہ، جیسے اس کا قول: اگر میں زندہ رہا تو غنیمتوں سے بھرپور غزوہ میں ضرور شرکت کروں گا یا کریم مر جائے گا۔

تشریح: محسنات معنویہ کی اٹھارہویں قسم "**تأكيد الذم بما يشبه المدح**" یعنی ذم کو ایسی ذم کے ذریعے مؤکد کرنا جو مدح کے مشابہ ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

1. مدح کی منفی صفت سے صفتِ ذم (جو کہ بظاہر صفتِ مدح معلوم ہو) کا استثناء اس طور پر کرنا کہ صفتِ ذم مدح کی منفی صفت میں داخل ہو، جیسے شعر میں "**فلان**" موصوف ہے اور "**لا خير فيه.**" ایسی صفت ہے جس میں مدح کی نفی ہے پھر اس سے صفتِ ذم یعنی "**أنه يتصدق بما يسرق.**" کا حرف استثناء کے ذریعے استثناء کیا جس سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ صفتِ مدح ہے؛ کیونکہ صدقہ بھلائی اور قابلِ تعریف ہوتا ہے۔
2. موصوف کی بری صفت ذکر کرکے اداۃِ استثناء کے بعد ایک اور بری صفت ذکر کرنا، جیسے شاعر نے "**هو**" کو بری صفت یعنی "**كلب**" کے ساتھ موصوف کیا پھر "**إلا**" حرف استثناء کے بعد مزید ایک اور بری صفت ذکر کی کہ اس کتے میں ضجرِ قلب اور بدلحاظی ہے جو کہ عموماً کتوں میں نہیں ہوتی۔

اور محسنات معنویہ کی انیسویں قسم **تجريد** ہے اور اس میں ایک موصوف سے دوسرا ایسا موصوف بطور مبالغہ نکالا جاتا ہے جو پہلے موصوف کے صفت میں علی وجہ الکمال مماثل یعنی ہم مثل ہو۔ یقینا تعریف سے واضح ہو چکا کہ اس قسم کو تجرید کا نام اسی لیے دیا جاتا ہے کہ تجرید کا معنی ہے جدا کرنا اور یکتا بنانا تو چونکہ دوسرے موصوف کو پہلے سے جدا کیا جاتا ہے یا یکتا بنایا جاتا ہے اسی لیے اس قسم کو تجرید سے موسوم کیا گیا۔
بہر حال تجرید کے مختلف طریقے ہیں:۔

1. بعض اوقات تجرید حرفِ "من" کے ذریعے ہوتی ہے اور "من" منتزع منہ پر داخل ہوتا ہے، جیسے : "لي من فلان صدّيق حميم." میں "من" منتزع منہ (فلان صديق) پر داخل ہے یعنی فلاں آدمی ہمارا دوست اس قدر صادق ہے کہ اس سے ہمیں ایک اور صادق دوست ملا۔

2. بعض دفعہ تجرید "في" کے ذریعے ہوتی ہے اور یہ منتزع منہ پر داخل ہوتا ہے، جیسے : "لهم فيها دار الخلد." میں "في" منتزع منہ یعنی ضمیر مجرور متصل پر داخل ہے اور تجرید بایں صورت کہ کفار کے لیے جہنم سے ایک اور دارِ خلد یعنی جہنم کا انتزاع کیا گیا ہے جو کہ عذاب کی ہمیشگی اور ہولناکی میں منتزع منہ جہنم کے مماثل ہے۔

3. تجرید بسا اوقات "ب" کے ذریعے ہوتی ہے اور یہ منتزع منہ پر داخل ہوتا ہے، جیسے : "لئن سالت فلانا لتسئلن به البحر." میں "ب" ضمیر مجرور متصل راجع بسوئے "فلان" منتزع منہ پر داخل ہے اور تجرید کی صورت کچھ یوں ہے کہ فلاں آدمی اس قدر سخی ہے کہ اس سے دوسرے آدمی کا انتزاع کیا جانا ممکن ہے جو سخاوت میں اس کے ہم مثل ہو۔

4. تجرید کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان اپنے آپ سے ایک نفس (انسان) منتزع کر کے اپنے سامنے کھڑا کرے اور پھر اس سے خطاب کرے اور بیچ میں کسی بھی حرف کا واسطہ نہ لے، جیسے شاعر نے اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے بولا: تیرے پاس تحفہ دینے کو نہ تو گھوڑے ہیں اور نہ ہی کوئی اور مال، تمہارا حال تو اچھا نہیں لہذا اپنا قال یعنی زبان اچھی بنالو۔

5. تجرید کی مزید ایک صورت یہ بھی ہے کہ منتزع منہ اس طور پر ذکر کرنا کہ اس کے انتزاع کا علم کسی قرینہ سے ہو، جیسے شاعر نے کہا کہ میں زندہ رہا تو مالِ غنیمت سے بھرپور غزوہ میں شرکت کرونگا اور مالِ غنیمت جمع کرونگا یا میں مر جاؤنگا۔ یہاں "يموت كريم" میں "كريم" سے شاعر نے اپنی ذات مراد لی ہے یعنی شاعر نے اپنی کریم ذات سے اپنی ہی طرح کا ایک اور کریم منتزع کیا اور انتزاع پر قرینہ "مدح" ہے جو تجرید پر دلالت کر رہا ہے۔

(20): حُسْنُ التَّعْلِيْلِ هُوَ أَنْ يُدَّعَى لِوَصْفٍ عِلَّةٌ غَيْرُ حَقِيْقِيَّةٍ فِيْهَا غَرَابَةٌ كَقَوْلِهِ:

لَوْلَمْ تَكُنْ نِيَّةُ الْجَوْزَاءِ خِدْمَتَهُ: لَمَا رَأَيْتَ عَلَيْهَا عِقْدَ مُنْتَطِقِ

(21): اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ الْمَعْنَى هُوَ أَنْ تَكُوْنَ الْأَلْفَاظُ مُوَافِقَةً لِلْمَعَانِي فَتُخْتَارُ الْأَلْفَاظُ الْجَزْلَةُ وَالْعِبَارَاتُ الشَّدِيْدَةُ لِلْفَخْرِ وَالْحَمَاسَةِ وَالْكَلِمَاتُ الرَّقِيْقَةُ وَالْعِبَارَاتُ اللَّيِّنَةُ لِلْغَزَلِ وَنَحْوِهِ كَقَوْلِهِ:

إِذَا مَا غَضِبْنَا غَضْبَةً مُضَرِيَّةً: هَتَكْنَا حِجَابَ الشَّمْسِ أَوْ قَطَرَتْ دَمًا

إِذَا مَا أَعَرْنَا سَيِّدًا مِنْ قَبِيْلَةٍ: ذِرْوَى مِنْبَرٍ صَلَّى عَلَيْنَا وَسَلَّمَا

وَقَوْلِهِ:

لَمْ يَطُلْ لَيْلِيْ وَلَكِنْ لَمْ أَنَمْ: وَنَفَى عَنِّي الْكَرَى طَيْفُ أَلَمٍ

...

ترجمہ: (20)**حسن تعلیل** یہ کہ کسی وصف کے لیے ایسی علت غیر حقیقیہ ٹھرانا جس میں غرابت ہو، جیسے اس کا قول: اگر جوزاء کی نیت اس کی خدمت نہ ہوتی تو آپ اس پر کمر بند نہ دیکھتے۔ (21)**ائتلاف اللفظ مع المعنی** یہ کہ الفاظ معانی کے مطابق ہوں پس فخر وشجاعت کے اظہار کے لیے معنی خیز الفاظ اور سخت عبارات اختیار کی جائیں اور غزل وغیرہ کے لیے رقت خیز اور نرم عبارات اختیار کی جائیں، جیسے اس کا قول: جب ہم قبیلہ مضر کی طرح غصہ ہوتے ہیں تو سورج کے پردے چاک کر دیتے ہیں حتی کہ وہ خون برساتا ہے اور جب ہم قبیلہ کے کسی سردار کو منبر کی چوٹی پر سوار کرتے ہیں تو وہ ہماری مدح سرائی کرتا ہے۔ اور اس کا قول: میری رات لمبی نہ ہوئی اور میں سو بھی نہیں سکا؛ کیونکہ محبوب کے خیال نے میری نیند اڑادی۔

تشریح: محسنات معنویہ کی بیسویں قسم حسن تعلیل ہے، اس میں حکم کے لیے کسی وصف کے علت ہونے کا دعوی کیا جاتا ہے جبکہ حقیقت میں وہ وصف اس حکم کی علت نہیں بن سکتا یہی وجہ ہے کہ یہ سوائے محقق اور

مدقق کے ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا، جیسے شاعر نے کمر بند باندھنے کو علت ٹھرایا خدمت کرنے کی جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں؛ کیونکہ عورتیں عمومی طور پر کمر بند گھر کے کام کاج کرنے کے لیے باندھتی ہیں۔ یاد رہے کہ اس قسم کو حسن تعلیل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم میں کسی وصف کو حکم کی علت اس قدر خوب صورتی سے قرار دیا جاتا ہے کہ وہ وصف بظاہر حکم کی علت معلوم ہونے لگتا ہے۔

محسنات معنویہ کی اکیسویں قسم "ائتلاف اللفظ مع المعنی"ہے،اس میں معانی کے موافق الفاظ لائے جاتے ہیں اور اس قسم کو یہ نام دینے کی وجہ بھی یہی ہے، جیسے اپنی یا اپنے قبیلہ کی شجاعت کا اظہار کرنا ہو یا اپنی قوم پر فخر کرنا ہو تو بھاری الفاظ اور سخت عبارتیں لانا اور اگر عورتوں کے ساتھ لہو ولعب کا معاملہ ہو تو نرم اور پیار بھری عبارات لانا۔ شاعر نے اپنی قوم کی شجاعت کا اظہار کرنے کے لیے پہلے مصرعہ میں بھاری الفاظ یعنی "غضبة مضرية"، "هتكِ حجابِ شمس" اور "قطرِ دم" استعمال کیے اور دوسرے مصرعہ میں اپنی قوم پر فخر کرنے کے لیے "سيد"، "ذروى منبر"، "صلی" اور "سلم" جیسے پر وقار اور بارعب الفاظ استعمال کیے اور آخری شعر میں محبوب کا دل لبھانے کے لیے نرم الفاظ یعنی محبوب کی یاد میں رات کا لمبا نہ ہونا اور نیند نہ آنا جیسے الفاظ ذکر کیے۔

مُحَسِّنَاتٌ لَفْظِيَّةٌ

(1): تَشَابُهُ الْأَطْرَافِ هُوَ جَعْلُ آخِرِ جُمْلَةٍ صَدْرَ تَالِيَتِهَا أَوْ آخِرِ بَيْتٍ صَدْرَ مَا يَلِيْهِ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: فِيْهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ[143] وَكَقَوْلِ الشَّاعِرِ:

إِذَا نَزَلَ الْحَجَّاجُ أَرْضًا مَرِيْضَةً: تَتَبَّعَ أَقْصَى دَائِهَا فَشَفَاهَا

شَفَاهَا مِنَ الدَّاءِ الْعُضَالِ الَّذِيْ بِهَا: غُلَامٌ إِذَا هَزَّ الْقَنَاةَ سَقَاهَا

...

محسّنات معنويه

ترجمه:(1)**تشابه الأطراف** سے مراد ہے جملہ کے آخر کو بعد والے جملے کا اول بنانا یا بیت کے آخر کو بعد والے بیت کا اول بنانا، جیسے اللہ تعالی کا فرمان: اس طاق میں ایک چراغ ہے، چراغ شیشہ میں ہے، شیشہ گویا چمکتا تارہ ہو۔ اور شاعر کا قول: جب حجاج کسی بیماری والی جگہ اترتا ہے تو بیماری کی تہہ تک جاکر زمین کو اس بیماری سے شفا دیتا ہے وہ زمین کو اس بیماری سے شفا دیتا ہے جو اس پر ہے، وہ ایسا لڑکا ہے کہ جب نیزے کو حرکت دیتا ہے تو اسے سیراب کرتا ہے۔

تشریح: یہاں سے محسنات لفظیہ پر بحث کا آغاز ہے اور یہ وہ صورتیں ہیں جو کلام کو لفظی حسن دیتی ہیں۔ پہلی صورت **تشابہ الأطراف** ہے اور اس سے مراد یہ کہ جملہ کے آخری لفظ کو مابعد جملہ کا پہلا لفظ بنانا یا شعر کے مصرعہ کے آخری لفظ کو مابعد مصرعہ کا پہلا لفظ بنانا، جیسے قرآنی آیت میں جملہ کا آخری لفظ "**مصباح**" تھا اس کو مابعد جملہ کا پہلا لفظ بنایا، ایسے ہی آخری لفظ "**زجاجة**" تھا اس کو مابعد جملہ کا پہلا لفظ بنایا۔ اور ایسے ہی ذکر کردہ شعر میں مصرعہ کا آخر "**شفاها**" تھا اس کو مابعد مصرعہ کا اول بنایا۔

[143] سورة النور: الآية: 35.

وجہ تسمیہ: تشابہ الأطراف سے مراد جملہ کی اطراف کا آپس میں مشابہ ہونا، چونکہ اس قسم میں جملوں اور شعروں کے آواخر آوائل کے مشابہ ہوتے ہیں اس لیے اس قسم کو تشابہ الاطراف کہا جاتا ہے۔

(2): اَلْجِنَاسُ هُوَ تَشَابُهُ اللَّفْظَيْنِ فِي النُّطْقِ لَا فِي الْمَعْنَى وَيَكُوْنُ تَامًّا وَغَيْرَ تَامٍّ فَالتَّامُّ مَا اتَّفَقَتْ حُرُوْفُهُ فِي الْهَيْئَةِ وَالنَّوْعِ وَالْعَدَدِ وَالتَّرْتِيْبِ وَهُوَ مُتَمَاثِلٌ إِنْ كَانَ بَيْنَ لَفْظَيْنِ مِنْ نَوْعٍ وَاحِدٍ نَحْوُ

لَمْ نَلْقَ غَيْرَكَ إِنْسَانًا يُلَاذُ بِهِ: فَلَا بَرِحْتَ لِعَيْنِ الدَّهْرِ إِنْسَانًا

وَمُسْتَوْفًى إِنْ كَانَ مِنْ نَوْعَيْنِ نَحْوُ

فَدَارِهِمْ مَا دُمْتَ فِيْ دَارِهِمْ: وَأَرْضِهِمْ مَا دُمْتَ فِيْ أَرْضِهِمْ

وَمُتَشَابِهٌ إِنْ كَانَ بَيْنَ لَفْظَيْنِ أَحَدُهُمَا مُرَكَّبٌ وَالْآخَرُ مُفْرَدٌ وَاتَّفَقَا فِي الْخَطِّ نَحْوُ

إِذَا مَلِكٌ لَمْ يَكُنْ ذَا هِبَةٍ: فَدَعْهُ فَدَوْلَتُهُ ذَاهِبَةٌ

وَمَفْرُوقٌ إِنْ لَمْ يَتَّفِقَا نَحْوُ

كُلُّكُمْ قَدْ أَخَذَ الْـ : ـجَامَ وَلَا جَامَ لَنَا

مَا الَّذِيْ ضَرَّ مُدِيْرَ الْـ : ـجَامِ لَوْ جَامَلَنَا

...

ترجمہ:(2)**جناس** یہ کہ دو لفظوں کا نطق میں مشابہ ہونا نہ کہ معنی میں۔جناس تام اور غیر تام ہوتی ہے پس تام وہ جس کے حروف ہیئت، نوع، عدد اور ترتیب میں متفق ہوں، پس تام متماثل ہے اگر تشابہ ایک ہی نوع کے دو لفظوں میں ہو، جیسے: ہم تیرے سوا کسی ایسے انسان سے نہ ملے جس کی پناہ چاہی جائے پس تو زمانہ کی آنکھ کے لیے ہمیشہ پتلی بنا رہا۔اور تام مستوفی ہے اگر تشابہ ایسے دو لفظوں کے درمیان ہو جو دو نوعوں سے تعلق رکھتے ہوں، جیسے: جب تک تو ان کی بستی میں رہے ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھ اور جب تک تو ان کی زمین میں رہے ان کو راضی رکھ۔اور تام متشابہ ہے اگر تشابہ ایسے دو لفظوں کے درمیان ہو جن میں سے ایک مرکب اور دوسرا مفرد ہو اور دونوں خط میں متفق ہوں، جیسے: جب کوئی بادشاہ سخی نہ ہو تو تو اس کو چھوڑ دے؛ کیونکہ اس کی سلطنت ختم ہونے والی ہے۔اور تام مفروق ہے اگر دونوں کا خط میں اتفاق نہ ہو، جیسے: تم سب نے جام لیا لیکن ہمیں جام نہ ملا اگر ساقی ہمیں جام دے دیتا تو اس کا کیا جاتا؟

تشریح: محسنات لفظیہ کی دوسری قسم جناس ہے۔جناس سے مراد یہ کہ دو لفظوں کی تلفظ (Pronunciation) میں مشابہت ہو پھر جناس کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں تام اور غیر تام، غیر تام کو آئندہ عبارت میں زیرِ بحث لایا جائے گا بہر حال تام میں دونوں لفظ حروف کی ہیئت[144]، نوعیت[145]، تعداد اور ترتیب میں متفق ہوتے ہیں پھر تام کی مزید چار قسمیں ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1. **متماثل:** تشابہ ایک ہی نوع کے دو لفظوں کے درمیان ہو، جیسے شعر میں "إنسان" لفظ دو دفعہ استعمال ہوا اور دونوں کی نوع ایک ہے یعنی دونوں اسم کے قبیل سے ہیں پہلے کا معنی انسان جبکہ دوسرے کا معنی پتلی ہے اور دیکھا جاسکتا ہے کہ دونوں لفظ ہیئت، نوعیت، تعدادِ حروف اور ترتیبِ حروف میں متفق ہیں۔
2. **مستوفی:** تشابہ ایسے دو لفظوں کے درمیان ہو جن کی نوعیں مختلف ہوں، جیسے شعر میں "دار" لفظ دو دفعہ استعمال ہوا اور دونوں ہیئت، تعداد اور ترتیب میں متفق ہیں لیکن نوعیت میں مختلف ہیں؛ کیونکہ پہلا "دار" فعل ہے اور دوسرا اسم۔ ایسے ہی "أرض" لفظ دو دفعہ استعمال ہوا ہے پہلا "أرض" اسم ہے اور دوسرا "أرض" فعل ہے البتہ دونوں ہیئت، تعداد اور ترتیب میں ایک سے ہیں۔
3. **متشابہ:** تشابہ دو لفظوں کے درمیان ہو جن میں سے ایک مرکب ہو اور دوسرا مفرد ہو اور خط وکتابت میں متفق ہوں، جیسے شعر میں "ذاهبة" لفظ دو دفعہ استعمال ہوا پہلا "ذاهبة" مرکب ہے یعنی "ذا" کی اضافت "هبة" کی طرف ہے اور دوسرا مفرد اسم فاعل کا صیغہ ہے اور خط وکتابت، نوع، عدد، ہیئت اور ترتیب میں دونوں متفق ہیں۔
4. **مفروق:** تشابہ دو لفظوں میں ہو ان میں سے ایک مرکب اور دوسرا مفرد ہو اور خط وکتابت میں اتفاق نہ ہو، جیسے شعر میں "لا جام لنا." میں "جام" اور "لو جاملنا" میں "جاملنا" کے

[144] ہیئت لفظ کی اس حالت کو کہا جاتا ہے جو حرکات وسکنات سے حاصل ہو، جیسے "يَضْرِبُ" کو حرکات وسکنات سے ہیئت حاصل ہوئی۔

[145] نوعیت سے مراد لفظ کا اسم، فعل یا حرف ہونا ہے۔

درمیان تشابہ ہے پہلا "جامر" مرکب ہے لائے نفی جنس اوراس کی خبر "لنا" سے جبکہ دوسرا مفرد ہے یعنی "جاملنا" میں ضمیر منصوب متصل کو جزوکلمہ قرار دیتے ہوئے "جاملنا" کو مفرد کے حکم میں رکھا ہے بہر حال یہ دونوں لفظ ہیئت، عدد اور ترتیب میں متفق ہیں جبکہ کتابت میں صورت کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

وجوہ تسمیہ: اس قسم کو جناس کا نام دیا گیا؛ کیونکہ جناس کا معنی ہے ہم شکل ہونا، چونکہ اس صورت میں استعمال شدہ الفاظ ہم شکل ہوتے ہیں اس لیے اس کو جناس کہا جاتا ہے۔ اور باقی تام کی جو اقسام ہیں ان کی وجوہ تسمیہ ناموں سے واضح ہیں لہذا معلم اور متعلم دونوں کو استخراج کا حق ہے۔

وَغَيْرُ التَّامِّ مَا اخْتَلَفَ فِيْ وَاحِدٍ مِّنَ الْأَرْبَعَةِ الْمُتَقَدِّمَةِ وَهُوَ مُحَرَّفٌ إِنِ اخْتَلَفَ لَفْظَاهُ فِيْ هَيْئَةِ الْحُرُوْفِ فَقَطْ نَحْوُ قَوْلِهِ: جُبَّةُ الْبُرْدِ جُنَّةُ الْبَرْدِ وَمُطَرَّفٌ إِنِ اخْتَلَفَا فِيْ عَدَدِ الْحُرُوْفِ فَقَطْ وَكَانَتِ الزِّيَادَةُ أَوَّلًا وَمُذَيَّلٌ إِنْ كَانَتِ الزِّيَادَةُ آخِرًا نَحْوُ

يَمُدُّوْنَ مِنْ أَيْدٍ عَوَاصٍ عَوَاصِمَ : تَصُوْلُ بِأَسْيَافٍ قَوَاضٍ قَوَاضِبَ

وَمُضَارِعٌ إِنِ اخْتَلَفَا فِيْ حَرْفَيْنِ غَيْرِ مُتَبَاعِدَيِ الْمَخْرَجِ نَحْوُوَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ[146] وَلَاحِقٌ إِنْ تَبَاعَدَا نَحْوُ وَإِنَّهُ عَلَى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ٥ وَإِنَّه لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ[147] وَجِنَاسُ قَلْبٍ إِنِ اخْتَلَفَا فِيْ تَرْتِيْبِ الْحُرُوْفِ فَقَطْ كَنِيْلٍ وَلِيْنٍ وَسَاقٍ وَقَاسٍ...

ترجمہ: اور **جناس غیر تام** وہ جو ما قبل چار چیزوں میں سے کسی ایک میں مختلف ہو اور وہ **محرف** ہے اگر اس کے الفاظ صرف حروف کی ہیئت میں مختلف ہوں، جیسے: اونی جبہ سردی کے لیے ڈھال ہے۔ اور **مطرف** اگر وہ دونوں لفظ صرف تعدادِ حروف میں مختلف ہوں اور زیادتی لفظ کے شروع میں ہو اور **مذیل** اگر زیادتی لفظ کے آخر میں ہو، جیسے: وہ لڑائی کے وقت ایسے ہاتھ بڑھاتے ہیں جو دشمن کے مقابلہ میں سرکش اور دوست کے لیے محافظ ہوتے ہیں۔ ہاتھ ایسی تلواروں کے ذریعے حملہ آور ہوتے ہیں جو ہلاکت کا فیصلہ کرنے والی اور جسم کے ٹکڑے کرنے والی ہیں۔ اور **مضارع** اگر وہ دونوں ایسے دو حرفوں میں مختلف ہوں جو بعید المخارج نہ ہوں، جیسے: اور وہ لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے روکتے ہیں اور خود بھی اتباع سے دور رہتے ہیں۔ اور **لاحق** اگر وہ دونوں حروف بعید المخارج ہوں، جیسے: اور بلاشبہ انسان اس سے باخبر ہے اور مال کی محبت میں پکا ہے۔ اور **جناس قلب** اگر وہ دونوں الفاظ فقط حروف کی ترتیب میں مختلف ہوں، جیسے: "نیل"، "لین"، "ساق" اور "قاس"۔

---

[146] سورة الأنعام: الآية: 26.

[147] سورة العاديات: الآيتين: 7، 8.

تشریح: جناس کی دوسری قسم غیر تام ہے جس کی مزید چار صورتیں ہیں۔ جناس غیر تام سے مراد یہ کہ جن دو لفظوں کے درمیان تشابہ ہے وہ دونوں لفظ ہیئت، نوع، تعدادِ حروف یا ترتیبِ حروف میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ اس کی چار قسمیں مندرجہ ذیل ہیں:

1. **محرف:** دونوں لفظوں کے حروف کی ہیئت مختلف ہو، جیسے: "بُرد" اور "بَرد" دونوں لفظوں میں باء کی ہیئت مختلف ہے کہ پہلے میں باء پر پیش ہے جبکہ دوسرے میں باء پر زبر ہے۔
2. **مطرف ومذیل:** اگر دونوں الفاظ تعدادِ حروف میں مختلف ہوں اور پھر زیادتی اگر شروع میں ہے تو مطرف اور اگر آخر پر ہے تو مذیل، جیسے: "بدا" اور "أبدا" ایسے دو الفاظ ہیں جن میں تعدادِ حروف کے لحاظ سے اختلاف ہے اور زیادتی شروع میں ہے یعنی دوسرے لفظ کے شروع میں الف زیادہ ہے۔ پھر "**عواص**" اور "**عواصم**" ایسے دو الفاظ ہیں جن میں تعدادِ حروف میں اختلاف ہے اور زیادتی آخر پر ہے یعنی دوسرے لفظ کے آخر پر میم زیادہ ہے۔ اور ایسے ہی "**قواض**" اور "**قواضب**" کا معاملہ ہے۔
3. **مضارع ولاحق:** اگر دو الفاظ دو حروف میں مختلف ہوں اور وہ دونوں حروف قریب المخارج ہوں تو مضارع، جیسے: "**ینهون**" اور "**ینئون**" دونوں لفظ مختلف ہیں ھا اور ہمزہ میں اور یہ دونوں حروف قریب المخارج ہیں؛ کیونکہ دونوں حلق سے ادا ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ دونوں حروف بعید المخارج ہوں تو لاحق، جیسے: "شهيد" اور "شديد" دونوں میں اختلاف ہے ھا اور دال کا اور یہ دونوں حروف بعید المخارج ہیں؛ کیونکہ ھا حلق سے جبکہ دال زبان کی نوک اور ثنایا علیہ یعنی سامنے والے دونوں دانتوں کی جڑ سے ادا ہوتا ہے۔
4. **جناس قلب:** دونوں لفظ ترتیبِ حروف میں مختلف ہوں، جیسے: "نیل" اور "لین" دونوں میں ترتیبِ حروف کے لحاظ سے اختلاف ہے اور ایسے ہی "ساق" اور "قاس" میں اختلاف ہے جبکہ چاروں کے حروف میں یکسانیت ہے۔

وجوہ تسمیہ: محرف میں چونکہ حروف کی حرکات میں تحریف یعنی رد و بدل ہوتا ہے اس لیے اس قسم کو محرف کہا جاتا ہے اور **مطرف** میں چونکہ زیادتی شروع میں ہوتی ہے اس لیے اس قسم کو مطرف کہا جاتا ہے

اور **مذیل** میں زیادتی ذیل یعنی لفظ کی دم یعنی آخر میں ہوتی ہے اس لیے اس قسم کو مذیل کا نام دیا ہے اور **مضارع** میں اختلاف ایسے حروف میں ہوتا ہے جو مخرج میں شریک ہوتے ہیں اس لیے اس قسم کو مضارع کا نام دیا ہے اور **لاحق** میں اختلاف ایسے حروف میں ہوتا ہے جو مخرج کے لحاظ سے قریب نہیں ہوتے ہیں بلکہ دور ہوتے ہیں لیکن ادائیگی میں لحوق ہوتا ہے یا ان دونوں لفظوں میں سے دوسرا لفظ پہلے کے حق میں لاحق ہوتا ہے اس لیے اس قسم کو لاحق کہا جاتا ہے اور **جناس قلب** میں موضع حروف میں قلب ہوتا ہے اس لیے اس قسم کو جناس قلب کہا جاتا ہے۔

(3): اَلتَّصْدِيْرُ وَيُسَمَّى "رَدّ العَجزِ عَلَى الصَّدْرِ"هُوَ فِي النَّثْرِ أَنْ يُجْعَلَ أَحَدُ اللَّفْظَيْنِ الْمُكَرَّرَيْنِ أَوِ الْمُتَجَانِسَيْنِ أَوِ الْمُلْحَقَيْنِ بِهِمَا بِأَنْ جَمَعَهُمَا اشْتِقَاقٌ أَوْ شِبْهُهُ فِيْ أَوَّلِ الْفِقْرَةِ وَالثَّانِي فِيْ آخِرِهَا نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى: وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ[148] وَقَوْلِكَ: سَائِلُ اللَّئِيْمِ يَرْجِعُ وَدَمْعُهُ سَائِلٌ. الْأَوَّلُ مِنَ السُّؤَالِ وَالثَّانِي مِنَ السَّيَلَانِ وَنَحْوُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا[149] أَوْ نَحْوُ قَالَ إِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ[150] وَفِي النَّظْمِ أَنْ يَكُوْنَ أَحَدُهُمَا فِيْ آخِرِ الْبَيْتِ وَالْآخَرُ فِيْ صَدْرِ الْمِصْرَاعِ الْأَوَّلِ أَوْ بَعْدَهُ نَحْوُ قَوْلِهِ:

سَرِيْعٌ إِلَى ابْنِ الْعَمِّ يَلْطِمُ وَجْهَهُ : وَلَيْسَ إِلَى دَاعِي النَّدَى بِسَرِيْعِ

وَقَوْلِهِ:

تَمَتَّعْ مِنْ شَمِيْمِ عَرَارِ نَجْدٍ : فَمَا بَعْدَ العَشِيَّةِ مِنْ عَرَارٍ

...

ترجمہ:(3)**تصدیر** کو"رد العجز علی الصدر"کا نام دیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ نثر میں دو مکرر لفظوں میں سے ایک لفظ کو یا دو ہم جنس لفظوں میں سے ایک لفظ کو یا دونوں کے ساتھ ماخذِ اشتقاق یا شبہِ اشتقاق کے لحاظ سے ملحق دو لفظوں میں سے ایک لفظ کو جملہ کے شروع میں اور دوسرے لفظ کو جملہ کے آخر میں رکھنا، جیسے اللہ تعالی کا فرمان:اے مخاطب! تو لوگوں سے ڈرتا ہے حالانکہ زیادہ حق یہ ہے کہ تو اللہ سے ڈرے۔اور، تیرا قول:کمینے سے مانگنے والا اس حال میں لوٹتا ہے کہ اس کا خون بہہ رہا ہوتا ہے۔پس پہلا"سؤال"سے ہے اور دوسرا"سیلان"سے ہے اور،جیسے:تم اپنے رب سے استغفار کرو بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔ اور، جیسے فرمایا:میں تمہارے کام سے بیزار ہوں۔اور تصدیر نظم میں یہ کہ ان دو لفظوں میں سے ایک لفظ کو شعر

---

[148] سورة الأحزاب: الآية: 37.

[149] سورة نوح: الآية: 10.

[150] سورة الشعراء: الآية: 168.

کے آخر میں اور دوسرے لفظ کو مصرعہ اول کے شروع میں یا بعد میں رکھنا، جیسے اس کا قول: وہ اپنے چچازاد بھائی کے منہ پر طمانچہ مارنے میں جلد باز ہے اور کرم مانگنے والے کی طرف جلد باز نہیں۔ اور، جیسے اس کا قول: نجد کے عرار نامی پھول کی خوشبو سے نفع اٹھالے کہ آج شام کے بعد عرار نامی پھول نہیں ملے گا۔

تشریح: محسنات لفظیہ کی تیسری صورت **تصدیر** ہے اور اس کا دوسرا نام "**ردّ العجز علی الصدر**" ہے یعنی پچھلے حصہ کو صدر پر لوٹانا۔ تصدیر نثر اور نظم دونوں میں پائی جاتی ہے نثر میں اس طرح کہ ایسے دو لفظ جن کا عبارت میں تکرار ہو یا ہم جنس ہوں یا ان دونوں لفظوں کا ماخذ اشتقاق ایک ہو یا ملتا جلتا ہو، ان دو لفظوں میں سے ایک لفظ کو جملہ کے شروع میں رکھنا جبکہ دوسرا لفظ جملہ کے آخر میں لانا، جیسے اللہ تعالی کے فرمان میں "**تخشی**" لفظ مکرر ہے ایک بار جملہ کے شروع میں آیا ہے جبکہ دوسری بار جملہ کے آخر میں آیا ہے۔ اور شعر میں "سائل" لفظ دوبار استعمال ہوا ہے جملہ کے شروع میں اور جملہ کے آخر میں اور دونوں شکل وصورت میں ہم جنس ہیں لیکن معنوی لحاظ سے فرق ہے کہ پہلا "سؤال" سے ہے اور دوسرا "سیلان" سے ہے یعنی پہلے کا معنی مانگنے والا اور دوسرے کا معنی بہنے والا۔ اور پھر اگلی آیت میں "**استغفروا**" شروع میں استعمال ہوا اور "**غفّارا**" آخر میں ان دونوں کا ماخذِ اشتقاق ایک ہے یعنی غ، ف اور ر۔ اگلی آیت میں "**قال**" آیت کے شروع میں اور "**قالین**" آیت کے آخر میں استعمال ہوا ہے اور یہ دونوں شبہِ اشتقاق میں ایک ہیں، اسی وجہ سے متجانسین کے ساتھ ملحق ہیں حالانکہ بادئ نظر میں وہم ہوتا ہے کہ دونوں کا اشتقاق "**قول**" ہے "**قال**" اور "**قائل**" کی مثل لیکن بنظر غائر پتہ چلتا ہے کہ پہلا "**قول**" سے ہے اور دوسرا "**قلي**" سے ہے۔ اور نظم میں تصدیر کی صورت یہ ہے کہ اوپر ذکر کردہ صورتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے دو لفظوں میں سے ایک لفظ شعر کے آخر پر آئے اور دوسرا لفظ پہلے مصرعہ کے شروع میں یا بعد میں آئے، جیسے ذکر کردہ پہلے شعر کے آخر پر ایک دفعہ "**سریع**" استعمال ہوا اور پھر یہی لفظ پہلے مصرعہ کے شروع میں استعمال ہوا اور دونوں الفاظ معنی اور اشتقاق میں ایک ہیں۔ اور دوسرے شعر میں "**عرار**" لفظ مکرر ہے پہلی بار مصرعہ اولی میں بطور حشو یعنی زائد آیا شعر کا قافیہ برقرار رکھنے کے لیے جبکہ دوسری بار مصرعہ کے آخر پر آیا ہے۔

وجہ تسمیہ: تصدیر کا لفظی معنی کسی کو شروع میں لانا تو چونکہ مکرر لفظ فقرہ کے شروع میں لایا جاتا ہے اسی لیے اس قسم کو تصدیر کہا جاتا ہے۔

(4):اَلسَّجْعُ هُوَ تَوَافُقُ الْفَاصِلَتَيْنِ نَثْرًا فِي الْحَرْفِ الْأَخِيْرِ وَهُوَ ثَلَاثَةُ أَنْوَاعٍ مُطَرَّفٌ إِنِ اخْتَلَفَ الْفَاصِلَتَانِ فِي الْوَزْنِ نَحْوُ

الْإِنْسَانُ بِآدَابِهِ لَا بِزِيِّهِ وَثِيَابِهِ

وَمُتَوَازٍ إِنِ اتَّفَقَتَا فِيْهِ نَحْوُ

الْمَرْءُ بِعِلْمِهِ وَأَدَبِهِ لَا بِحَسَبِهِ وَنَسَبِهِ

وَمُرَصَّعٌ إِنِ اتَّفَقَتْ أَلْفَاظُ الْفِقْرَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرِهَا فِي الْوَزْنِ وَالتَّقْفِيَةِ نَحْوُ

يَطْبَعُ الْأَسْجَاعَ بِجَوَاهِرِ لَفْظِهِ: وَيَقْرَعُ الْأَسْمَاعَ بِزَوَاجِرِ وَعْظِهِ

...

ترجمہ:(4) نثر کے دو فاصلوں کا آخری حرف میں توافق **سجع** ہے اور اس کی تین انواع ہیں:۔**مطرف** اگر دونوں فاصلے وزن میں مختلف ہوں، جیسے:انسان کی پہچان آداب سے ہوتی ہے نہ کہ لباس سے۔،**متوازی** اگر دونوں فاصلے وزن میں متفق ہوں، جیسے:انسان علم وادب سے جانا جاتا ہے نہ کہ حسب ونسب سے۔اور**مرصع** اگر دو یا دو سے زاید فقروں کے الفاظ وزن اور قافیہ میں متفق ہوں، جیسے:وہ اپنے موتیوں جیسے لفظوں سے مسجع مقفی کلام طبع کرتا ہے اور اپنے زورِ وعظ سے سماعتوں پر دستک دیتا ہے۔

تشریح: محسنات لفظیہ کی چوتھی صورت **سجع** ہے اور سجع کہتے ہیں کہ نثر کے حرفِ اخیر میں جملوں کا توافق ہو،اس کی تین قسمیں ہیں:

1. **مطرف:** اگر دونوں جملوں کے آواخر وزن میں مختلف ہوں، جیسے پہلے جملہ میں "**آدابه**" اور دوسرے جملہ میں "**ثيابه**"،ان دونوں کلمات کے آخر پر ھاء ہے جس میں جملوں کا اتفاق ہے لیکن چونکہ وزن میں یہ دونوں مختلف ہیں اس لیے یہ مطرف کی مثال ہے۔
2. **متوازی:** اگر دونوں جملوں کے آواخر وزن میں متفق ہوں، جیسے پہلے جملہ میں "**أدبه**" اور دوسرے جملہ میں "**نسبه**"، یہ دونوں کلمات حرف اخیر اور وزن دونوں میں متفق ہیں۔

3. **مرصع**: اگر دونوں جملوں کے آواخر وزن اور قافیہ دونوں میں متفق ہوں، جیسے شعر کے پہلے فقرہ کا ہر لفظ دوسرے فقرہ میں اپنے مد مقابل کے وزن اور قافیہ دونوں میں مساوی ہے یعنی "**یطبع**" مساوی ہے "**یقرع**" کے، "**الأسجاع**" مساوی ہے "**الأسماع**" کے، "**بجواھر**" مساوی ہے "**بزواجر**" کے، "**لفظه**" مساوی ہے "**وعظه**" کے اور مزید براں یہ کہ ھا یعنی حرف اخیر میں دونوں جملوں کے آواخر متفق ہیں۔

وجه تسمیه: سجع کا لغوی معنی سیدھا چلنا ادھر ادھر نہ دیکھنا تو چونکہ اس قسم میں متکلم ایک راہ یعنی توافق فاصلتین کا قصد کر کے اسی پر آخری لفظ تک قائم رہتا ہے اور ادھر ادھر نہیں ہٹتا اس لیے اس قسم کا نام سجع ہے۔

(5): مَا لَا يَسْتَحِيْلُ بِالْإِنْعِكَاسِ وَيُسَمَّى الْقَلْبَ هُوَ كَوْنُ اللَّفْظِ يُقْرَءُ طَرْدًا وَعَكْسًا نَحْوُ كُنْ كَمَا أَمْكَنَكَ" وَ"رَبَّكَ فَكَبِّرْ[151] ...

(6): اَلْعَكْسُ هُوَ أَنْ يُقَدَّمَ جُزْءٌ فِي الْكَلَامِ عَلَى آخَرَ ثُمَّ يُعْكَسَ نَحْوُ قَوْلِكَ: قَوْلُ الْإِمَامِ إِمَامُ الْقَوْلِ وَحُرُّ الْكَلَامِ كَلَامُ الْحُرِّ ...

ترجمہ:(5)جس کا عکس ناممکن نہ ہو اور اس کو قلب کہا جاتا ہے وہ یہ کہ کلام کا اس حال میں ہونا کہ الٹا اور سیدھا پڑھا جاسکے، جیسے: تو ویسا ہو جا جیسے تیرے لیے ممکن ہو اور اپنے رب کی کبریائی بول۔ **(6)عکس** یہ کہ کلام کے کسی جزو کو دوسرے پر مقدم کرنا پھر اس کا عکس کرنا، جیسے تیرا قول: امام کا کلام کلاموں کا امام ہوتا ہے اور آزاد کا کلام کلاموں میں آزاد ہوتا ہے۔

تشریح: محسنات معنویہ کی پانچویں قسم "**مالا یستحیل بالانعکاس**" ہے اور اس کو "**قلب**" بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد ایسا کلام لانا جسے الٹا سیدھا دونوں طرح پڑھنا درست ہو اور اس طرح کرنے سے کوئی لفظی و معنوی خرابی نہ ہو، جیسے: "كن كما أمكنك." پڑھیں یا "كما أمكنك كن." پڑھیں کوئی خرابی نہیں۔ اور یہی معاملہ "ربّك فكبّر." کا ہے۔

محسنات معنویہ کی چھٹی قسم عکس ہے اور وہ یہ کہ کلام کے کسی جزو کو دوسرے سے پہلے لانا پھر عکس میں وہی جزو آخر میں لانا، جیسے پہلی مثال "قول" امام سے پہلے ہے اور جب اس کا عکس ہوا تو "قول" آخر پر ہے اور دوسری مثال میں "حر" کلام سے پہلے ہے اور جب اس کا عکس ہوا تو "حر" آخر پر ہے۔

[151] سورۃ المدّثر: الآیۃ: 3.

(7): اَلتَّشْرِيْعُ هُوَ بِنَاءُ الْبَيْتِ عَلَى قَافِيَتَيْنِ بِحَيْثُ إِذَا سَقَطَ بَعْضُهُ كَانَ الْبَاقِي شِعْرًا مُفِيْدًا كَقَوْلِهِ:

يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِيْ عَمَّ الْوَرَى : مَا فِي الْكِرَامِ لَهُ نَظِيْرٌ يُنْظَرُ

لَوْ كَانَ مِثْلُكَ آخَرَ فِيْ عَصْرِنَا : مَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فَقِيْرٌ مُعْسِرٌ

فَإِنَّهُ يَصِحُّ أَنْ تُحْذَفَ أَوَاخِرُ الشُّطُوْرِ الْأَرْبَعَةِ وَيُبْقَى

يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِيْ : مَا فِي الْكِرَامِ لَهُ نَظِيْرٌ

لَوْ كَانَ مِثْلُكَ آخَرَ : مَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فَقِيْرٌ

...

ترجمہ: (7)**تشریع** وہ یہ کہ شعر کی بناء دو قافیے ہوں اس حیثیت سے کہ شعر کا کچھ حصہ ساقط کرنے کے باوجود بھی باقی شعر مفید ہو، جیسے اس کا قول: اے وہ بادشاہ! جس کی سخاوت تمام مخلوق کو عام ہے تیری مثل سخیوں میں نظر نہ آئی اور اگر تیری مثل کوئی دوسرا ہمارے زمانے میں ہوتا تو دنیا میں کوئی فقیر تنگدست نہ ہوتا۔ پس اگر چاروں مصرعوں کے اواخر کو حذف کر دیا جائے اور باقی یہ چھوڑ دیا جائے: اے وہ بادشاہ! جس کی سخیوں میں مثل نہیں ملتی اور اگر تیری مثل کوئی دوسرا ہوتا تو دنیا میں کوئی فقیر نہ رہتا۔

تشریح: محسنات لفظیہ کی ساتویں قسم تشریع ہے۔ اس میں شعر کی بنیاد دو قافیوں پر رکھی جاتی ہے بایں طور اگر ایک قافیہ کو ختم کرتے ہوئے شعر کا کچھ حصہ گرایا بھی جائے تو تب بھی باقیماندہ شعر بامعنی اور مفید رہے، جیسے اوپر مکمل شعر ذکر کرنے کے بعد جب کچھ الفاظ گرائے گئے تو تب بھی بقیہ شعر میں کوئی لفظی اور معنوی خرابی پیدا نہیں ہوئی۔

وجہ تسمیہ: تشریع کا معنیٰ کوئی طریقہ جاری کرنا چونکہ اس قسم میں ایک شعر کو دو قافیوں کے طریق پر جاری کیا جاتا ہے اس وجہ سے اس قسم کا نام تشریع ہے۔

(8): اَلْمُوَارَبَةُ هِيَ أَنْ يَجْعَلَ الْمُتَكَلِّمُ كَلَامَهُ بِحَيْثُ يُمْكِنُهُ أَنْ يُغَيِّرَ مَعْنَاهُ بِتَحْرِيْفٍ أَوْ تَصْحِيْفٍ أَوْ غَيْرِهِمَا لِيَسْلَمَ مِنَ الْمُؤَاخَذَةِ كَقَوْلِ أَبِيْ نَوَّاسٍ:

لَقَدْ ضَاعَ شِعْرِيْ عَلَى بَابِكُمْ : كَمَا ضَاعَ عِقْدٌ عَلَى خَالِصَةَ

فَلَمَّا أَنْكَرَ عَلَيْهِ الرَّشِيْدُ ذٰلِكَ قَالَ: لَمْ أَقُلْ إِلَّا:

لَقَدْ ضَاءَ شِعْرِيْ عَلَى بَابِكُمْ : كَمَا ضَاءَ عِقْدٌ عَلَى خَالِصَةَ

...

ترجمہ: (8)**مواربہ** یہ کہ متکلم اپنا کلام ایسے لائے کہ اس کو اپنے کلام کا معنی بدلنا تحریف، تصحیف یا ان دونوں کے غیر سے ممکن ہو تا کہ مؤاخذہ سے بچ سکے، جیسے ابی نواس کا قول: میر اشعر تمہارے دروازے پر ایسے ضائع ہوا جیسے خالصہ نامی عورت پر ہار ضائع ہوا۔ پس جب رشید نے اس پر مؤاخذہ کیا تو کہنے لگا: میں نے تو نہیں کہا مگر یہ: میر اشعر تمہارے دروازے پر ایسا چمکا جیسے خالصہ کی گردن میں ہار چمکا۔

تشریح: موار بہ محسنات لفظیہ کی آٹھویں قسم ہے اور وہ یہ کہ متکلم اپنے کلام میں ایسے الفاظ کا انتخاب کرے جن میں بوقت ضرورت ردوبدل کر کے حالات کا مقابلہ کر سکے، جیسے ابی نواس نے "ضاع" کو سزا کے ڈر سے "ضاء" بنادیا۔

وجہ تسمیہ: موار بہ کا معنی دھوکا دینا یا آنکھوں میں دھول ڈالنا ہے۔ چونکہ اس قسم میں متکلم مخاطب کے ڈر سے اپنے کلام کا معنی بدل کے اس کو دھوکا دیتا ہے اس لیے اس قسم کو موار بہ کا نام دیا جاتا ہے۔

(9): اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ اللَّفْظِ هُوَكَوْنُ أَلْفَاظِ الْعِبَارَةِ مِنْ وَادٍ وَاحِدٍ فِي الْغَرَابَةِ وَالتَّأَهُّلِ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: تَاللهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ[152] لَمَّا أَتَى بِالتَّاءِ الَّتِيْ هِيَ أَغْرَبُ حُرُوْفِ الْقَسَمِ أَتَى بِتَفْتَأُ الَّتِيْ هِيَ أَغْرَبُ أَفْعَالِ الْإِسْتِمْرَارِ ...

ترجمہ: (9) **ایتلاف اللفظ مع اللفظ** یہ کہ عبارت کے الفاظ غریب الاستعمال اور مانوسۃ الاستعمال ہونے کے لحاظ سے ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہوں، جیسے اللہ تعالی کا فرمان: بخدا آپ ہمیشہ یوسف کو ہی یاد کرتے ہیں۔جب اللہ تعالی نے "تاء"(جو کہ تمام حروفِ قسم میں زیادہ غریب ہے) ذکر فرمایا تو ساتھ میں "تفتأ"(جو کہ تمام افعال استمرار میں زیادہ غریب ہے)لایا۔

تشریح: محسنات لفظیہ کی نویں صورت "ایتلاف اللفظ مع اللفظ" (لفظ کا لفظ کے موافق ہونا) ہے اور اس کی وجہ تسمیہ اس کے نام سے ہی واضح ہے بہر حال اس قسم کی آسان لفظوں میں وضاحت کچھ یوں ہے کہ متکلم عبارت میں ایک ہی جنس کے الفاظ لائے یعنی اگر ایک لفظ غریب الاستعمال(Rarely Used Word) ہے تو اس کے ساتھ جو لفظ آئے وہ بھی غریب الاستعمال ہو اور اگر ایک لفظ مشہور الاستعمال(Moslty Used Word)ہے تو اس کے ساتھ جو لفظ آئے وہ بھی مشہور الاستعمال ہو، جیسے حروف قسمیہ میں سب سے کم استعمال ہونے والا حرف "تاء" ہے تو اس کے ساتھ جو فعل یعنی "تفتأ"لایا گیا وہ بھی استمرار کا معنی دینے والے افعال میں سے کم استعمال ہونے والا لفظ ہے۔ایسے ہی "واللہ أحبّك." میں "و" ایسا حرف قسم ہے جو کثیر الاستعمال ہے تو اس کے ساتھ جو فعل "أحبّ" لایا گیا وہ بھی محبت کا معنی دینے والے افعال میں سے کثیر الاستعمال ہے۔

[152] سورۃ یوسف: الآیۃ: 85.

خَاتِمَةٌ

(1): سَرِقَةُ الْكَلَامِ أَنْوَاعٌ مِنْهَاأَنْ يَأْخُذَ النَّاثِرُ أَوِ الشَّاعِرُ مَعْنًى لِغَيْرِهِ بِدُوْنِ تَغْيِيْرٍ لِنَظْمِهِ كَمَا أَخَذَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ بَيْتَيْ مُعَنٍ وَادَّعَاهُمَا لِنَفْسِهِ وَهُمَا
إِذَا أَنْتَ لَمْ تُنْصِفْ أَخَاكَ وَجَدْتَهُ: عَلَى طَرَفِ الْهِجْرَانِ إِنْ كَانَ يَعْقِلُ
وَيَرْكَبُ حَدَّ السَّيْفِ مِنْ أَنْ تُضِيْمَهُ: إِذَا لَمْ يَكُنْ عَنْ شَفْرَةِ السَّيْفِ مَزْحَلُ
وَمِثْلُ هٰذَا يُسَمّٰى نَسْخًا وَانْتِحَالًا ...

خاتمہ

ترجمہ:(1)**سرقۃ الکلام** اس کی انواع ہے:۔ان میں سے ایک یہ کہ ناثر یا شاعر کسی غیر کا مضمون اس طور پر لے کہ نظم میں ردوبدل نہ ہو، جیسے عبد اللہ بن زبیر نے معن کے دو شعر لے کر اپنی طرف منسوب کر لیے اور وہ دو شعر یہ ہیں:جب تو اپنے بھائی کے ساتھ انصاف نہیں کرے گا اگر وہ عقل مند ہوا تو اسے تو ترک تعلقات کے دھانے پر پائے گا اور وہ تلوار کی دھار پر سواری پسند کر لے گا تیرا ظلم سہنے کے مقابلہ میں جبکہ اس کے پاس تلوار کی دھار کے علاوہ کوئی سبیل نہ ہو۔اس قسم کی نوع کو نسخ اور انتحال کا نام دیا جاتا ہے۔

تشریح: سرقۃ الکلام کا لفظی معنی کلام چرانا ہے چونکہ اس قسم میں غیر کے کلام کو چرایا جاتا ہے اس لیے اس قسم کو سرقۃ الکلام کے ساتھ موسوم کیا۔اس کی چند انواع ہیں۔پہلی نوع یہ کہ ناثر (Proser) یا شاعر (Poet) کسی دوسرے کے کلام کو اس طرح چرائے کہ الفاظ میں کوئی تغیر و تبدل نہ کرے، جیسے عبد اللہ بن زَبیر[153] نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنے کلام میں مذکور شعر بولا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ مجھ سے ملاقات کرنے کی بدولت شاعر بن گئے ہیں۔اتنے میں شاعر معن بن اوس بھی اسی مجلس میں حاضر ہو گئے اور انہوں نے بھی یہی شعر پڑھا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن زبیر سے فرمایا: آپ نے تو کہا تھا کہ یہ شعر آپ کا ہے تب عبد اللہ بن زبیر نے کہا کہ الفاظ تو انہیں کے ہیں لیکن معنی و مضمون

[153] یہ صحابی رسول نہیں بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے ہیں۔

میرا ہے اور آخر کار یہ میرے رضاعی بھائی بھی تو ہیں لہذا ان کا شعر میں اپنے کلام میں شامل کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہوں۔

وجہ تسمیہ: نسخ کا معنی نقل کرنا اور انتحال کا معنی غیر کی چیز اپنی طرف منسوب کرنا، چونکہ اس نوع میں غیر کی بات نقل کر کے اپنی طرف منسوب کی جاتی ہے اس لیے اس نوع کو نسخ اور انتحال کہتے ہیں۔

وَمِنْ قَبِيْلِهِ أَنْ تُبَدَّلَ الْأَلْفَاظُ بِمَا يُرَادِفُهَا كَأَنْ يُقَالَ فِيْ قَوْلِ الْحُطَيْئَةِ:

دَعِ الْمَكَارِمَ لَا تَرْحَلْ لِبُغْيَتِهَا : وَاقْعُدْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الطَّاعِمُ الْكَاسِيْ

ذَرِ الْمَآثِرَ لَا تَذْهَبْ لِمَطْلَبِهَا : وَاجْلِسْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْآكِلُ اللَّابِسُ

وَقَرِيْبٌ مِنْهُ أَنْ تُبَدَّلَ الْأَلْفَاظُ بِمَا يُضَادُّهَا فِي الْمَعْنَى مَعَ رِعَايَةِ النَّظْمِ وَالتَّرْتِيْبِ كَمَا لَوْ قِيْلَ فِيْ قَوْلِ حَسَّانَ:

بِيْضُ الْوُجُوْهِ كَرِيْمَةٌ أَحْسَابُهُمْ : شُمُّ الْأُنُوْفِ مِنَ الطِّرَازِ الْأَوَّلِ

سُوْدُ الْوُجُوْهِ لَئِيْمَةٌ أَحْسَابُهُمْ : فُطْسُ الْأُنُوْفِ مِنَ الطِّرَازِ الْآخِرِ

...

ترجمہ: اور اسی قبیل سے ہے الفاظ کو ان کے مترادف الفاظ سے بدل دینا جیسا کہ حطیئہ کے قول میں کیا گیا: تو مکارمِ اخلاق کو چھوڑ دے، ان کی تلاش میں سفر نہ کر اور تو بیٹھا رہ؛ کیونکہ تو اچھا کھانے اور اچھا پہننے والا ہے۔ اور اس سے قریب یہ ہے کہ الفاظ کو معنوی لحاظ سے متضاد الفاظ کے ساتھ بدل دینا نظم اور ترتیب کی رعایت کرتے ہوئے جیسا کہ اگر حسان کے قول میں کہا جاتا: سفید چہرے والے شریف نسب والے اونچی ناک والے پہلے درجے کے سیاہ چہرے والے رذیل نسب والے چپٹی ناک والے آخری درجے کے۔

تشریح: نسخ اور انتحال کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ متکلم غیر کا کلام چرا کر اس کے الفاظ مترادف الفاظ سے بدل دے، جیسے مذکور شعر میں "دع" کا مترادف "ذر"، "المکارم" کا مترادف "المآثر"، "لاترحل" کا مترادف "لاتذھب"، "بغیة" کا مترادف "مطلب"، "اقعد" کا مترادف "اجلس"، "طاعم" کا "آکل" اور "کاسي" کا "لابس" ذکر کیا گیا۔ نسخ اور انتحال کے قریب صورت یہ ہے کہ متکلم غیر کا کلام چرا کر اس کے الفاظ کو متضاد الفاظ سے بدل دے البتہ نظم اور ترتیب کا لحاظ رکھے، جیسے دوسرے شعر میں "بیض الوجوہ" کا متضاد "سود الوجوہ"، "کریمة أحسابھم" کا متضاد "لئیمة أحسابھم"، "شم الأنوف" کا متضاد

"فطس الأنوف"اور"الطراز الأول"کا متضاد"الطراز الآخر"ذکر ہوا البتہ نظم اور ترتیب کا لحاظ رکھا گیا۔

وَمِنْهَا أَنْ يَأْخُذَ الْمَعْنَى وَيُغَيِّرَ اللَّفْظَ وَيَكُوْنَ الْكَلَامُ الثَّانِي دُوْنَ الْأَوَّلِ أَوْ مُسَاوِيًا لَهُ كَمَا قَالَ أَبُو الطَّيِّبِ فِيْ قَوْلِ أَبِيْ تَمَامٍ:

هَيْهَاتَ لَا يَأْتِي الزَّمَانُ بِمِثْلِهِ: إِنَّ الزَّمَانَ بِمِثْلِهِ لَبَخِيْلٌ

أَعْدَى الزَّمَانُ سَخَاؤُهُ فَسَخَا بِهِ: وَلَقَدْ يَكُوْنُ بِهِ الزَّمَانُ بَخِيْلًا

فَالْمِصْرَاعُ الثَّانِي مَأْخُوْذٌ مِنَ الْمِصْرَاعِ الثَّانِي لِأَبِيْ تَمَامٍ وَالْأَوَّلُ أَجْوَدُ سَبْكًا وَمِثْلُ هٰذَا يُسَمَّى إِغَارَةً وَمَسْخًا ...

ترجمہ: اور ان انواع میں سے یہ کہ وہ معنی چرائے اور لفظ بدل دے اور دوسرا کلام پہلے کلام سے کمتر ہو یا برابر ہو جیسا کہ ابو طیب نے ابی تمام کے قول میں کہا: افسوس کہ زمانہ ممدوح کی مثل نہیں لا سکے گا؛ کیونکہ زمانہ اس کی مثل لانے میں بخیل ہے۔ زمانے نے ممدوح کی سخاوت سے سخاوت سیکھی؛ کیونکہ اس نے ممدوح بخشا ورنہ زمانہ ممدوح کی سخاوت میں بخیل تھا۔ پس دوسرا مصرعہ ابی تمام کے دوسرے مصرعہ سے ماخوذ ہے اور پہلا مصرعہ زیادہ عمدہ ہے اور اس نوع کو اغارۃ اور مسخ کا نام دیا جاتا ہے۔

تشریح: سرقہ کلام کی ایک نوع یہ ہے کہ متکلم غیر کے کلام کا معنی و مضمون لے کر الفاظ بدل دے لیکن متکلم کا کلام ادنی یا مساوی ہو، جیسے ابو طیب نے ابو تمام کے شعر کا معنی و مضمون اپنے لفظوں میں بیان کیا اور الفاظ اگرچہ بدل دیے لیکن ابو طیب کا دوسرا مصرعہ ابو تمام کے دوسرے مصرعہ سے عمدگی میں کمتر ہے؛ کیونکہ ابو طیب نے صیغہ مضارع یعنی "یکون" ذکر کیا جبکہ ماضی یعنی "کان" بہتر تھا؛ کیونکہ یہاں ممدوح کی مثل لانے میں زمانے کا بخل یقین کے ساتھ مطلوب ہے اور یقین ماضی میں پایا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ابو تمام جملہ اسمیہ لے کر آیا کہ اس میں یقین کے ساتھ استمرار بھی ہے۔

وجہ تسمیہ: اغارۃ اور مسخ کا معنی ہے غارت گری کرنا اور بدلنا چونکہ متکلم غیر کا کلام بدلنے کے ساتھ ساتھ مطلوب کو بھی مسخ کر چھوڑتا ہے اس لیے اس نوع کو اغارۃ اور مسخ کہتے ہیں۔

وَمِنْهَا أَنْ يَأْخُذَ الْمَعْنَى وَحْدَهُ وَيَكُوْنَ الثَّانِي دُوْنَ الْأَوَّلِ أَوْمُسَاوِيًا لَهُ كَمَا قَالَ أَبُوْ تَمَامٍ فِيْ قَوْلِ مَنْ رَثَى ابْنَهُ:

وَالصَّبْرُ يُحْمَدُ فِيْ الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا : إِلَّا عَلَيْكَ فَإِنَّهُ لَا يُحْمَدُ

وَقَدْ كَانَ يُدْعَى لَابِسُ الصَّبْرِ حَازِمًا: فَأَصْبَحَ يُدْعَى حَازِمًا حِيْنَ يَجْزَعُ

وَهٰذَا يُسَمَّى إِلْمَامًا وَسَلْخًا ...

ترجمہ: اور ان صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ وہ صرف معنی چرائے اور دوسرا کلام پہلے سے کمتر ہو یا پہلے کے برابر ہو جیسا کہ ابو تمام نے اس کے قول میں کہا جس نے اپنے بیٹے پر مرثیہ پڑھا کہ صبر ہر جگہ قابلِ تعریف ہے لیکن تیری موت پر صبر قابلِ تعریف نہیں اور کبھی صابر کو عقلمند کہا جاتا ہے لیکن آج عقلمند اس کو کہا جائے گا جو بے صبری کرے۔ اور اس صورت کو اِلمام اور سلخ کہا جاتا ہے۔

تشریح: سرقہ کلام کی ایک نوع یہ ہے کہ متکلم غیر کے کلام کا صرف معنی و مضمون چرائے اور متکلم کا کلام ادنی ہو یا برابر کا ہو، جیسے ابو تمام نے دوسرے شعر میں اگرچہ مرثیہ کرنے والے کے کلام کا مضمون سرقہ کیا لیکن اس کا کلام پہلے کلام سے کمتر ہے؛ کیونکہ پہلا کلام صبر کی تعریف میں واضح اور مختصر ہے جبکہ ابو تمام کا کلام اس میں واضح نہیں ہے اور مختصر بھی نہیں ہے اگرچہ دونوں کلاموں میں صبر کو عمدہ خصلت بتایا گیا ہے۔

وجہ تسمیہ: اِلمام بالموضوع کا معنی مقصد تک پہنچنا ہے اور سلخ کا معنی نکالنا اور اتارنا ہے چونکہ اس نوع میں سارق غیر کے کلام کی تہہ تک پہنچ کر اس کا مضمون لفظوں سے نکال کر اپنے لفظوں میں اتار لیتا ہے اس لیے اس نوع کو المام اور سلخ کہا جاتا ہے۔

(2): اَلْاِقْتِبَاسُ هُوَ أَنْ يُضَمَّنَ الْكَلَامُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ أَوِ الْحَدِيْثِ لَا عَلَى أَنَّهُ مِنْهُ كَقَوْلِهِ:

لَا تَكُنْ ظَالِمًا وَلَا تَرْضَ بِالظُّلْمِ : وَأَنْكِرْ بِكُلِّ مَا يُسْتَطَاعُ

يَوْمَ يَأْتِي الْحِسَابُ بِالظُّلُوْمِ : مَا مِنْ حَمِيْمٍ وَلَا شَفِيْعٍ يُطَاعُ

وَقَوْلِهِ:

لَا تُعَادِ النَّاسَ فِيْ أَوْطَانِهِمْ : قَلَّمَا يُرْعَى غَرِيْبُ الوَطَنِ

وَإِذَا مَا شِئْتَ عَيْشًا بَيْنَهُمْ : خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ

وَلَا بَأْسَ بِتَغْيِيْرٍ يَسِيْرٍ فِي اللَّفْظِ الْمُقْتَبَسِ لِلْوَزْنِ أَوْ غَيْرِهِ نَحْوُ قَدْ كَانَ مَا خِفْتُ أَنْ يَكُوْنَا : إِنَّا إِلَى اللهِ رَاجِعُوْنَا وَفِي الْقُرْآنِ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ[154] ...

ترجمہ:(2)**اقتباس** یہ کہ کلام قرآن یا حدیث کے کسی حصہ کو اپنے ضمن میں لیے ہو اشارہ کیے بغیر کہ یہ حصہ قرآن یا حدیث سے ہے، جیسے اس کا قول:تو نہ ظالم بن اور نہ ظلم پر راضی ہو اور ظلم سے لوگوں کو ہر ممکنہ کوشش سے روک۔ جس دن ظالم کو حساب کی خاطر لایا جائے گا تو اس دن نہ کسی دوست کی مانی جائے گی اور نہ ہی کسی سفارشی کی سفارش قبول ہو گی۔اور اس کا قول:لوگوں سے ان کے وطن میں دشمنی نہ پال؛کیونکہ پردیسی کالحاظ بہت کم کیا جاتا ہے اور جب تو ان کے درمیان زندگی گزارنا چاہے تو لوگوں سے اچھے اخلاق سے پیش آ۔اور بطور اقتباس لیے گئے الفاظ میں وزن وغیرہ کی خاطر تھوڑی تغییر میں حرج نہیں، جیسے: جس بات کے ہونے کا مجھے خطرہ تھا وہ ہو کر رہی بے شک ہم نے اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔

تشریح:اقتباس یہ کہ اپنے کلام میں کوئی قرآنی آیت یا کسی آیت کا جزو شامل کرنا یہ باور کروائے بغیر کہ مقتبَس آیت یا آیت کا جزو ہے، جیسے پہلے شعر کا چوتھا مصرعہ "ما من حميم ولا شفيع يطاع." قرآنی آیت "وما للظالمين من حميم ولا شفيع يطاع." سے اقتباس ہے اوراس کو شعر کا حصہ اس انداز

[154] سورۃ البقرۃ: الآیۃ: 156.

سے بنایا گیا کہ مخاطب کو اشارہ نہ دیا کہ یہ قرآن سے ہے۔ ایسے ہی کوئی حدیث یا کسی حدیث کا جزو اپنے کلام میں شامل کرنا یہ شعور دیے بغیر کہ مقتبَس حدیث یا حدیث کا جزو ہے، جیسے دوسرے شعر کے چوتھے مصرعہ میں "خالق الناس بخلق حسن." حدیث کا جزو ہے۔

فائدہ: جن لفظوں کو اقتباس کے طور پر لیا گیا ہے اگر ان میں تھوڑی بہت تغییر وزن شعری وغیرہ قائم رکھنے کے لیے کرنا پڑے تو اس میں حرج نہیں، جیسے آخری شعر میں "**إنا إلى الله راجعونا.**" قرآنی آیت "**إنا لله وإنا إليه راجعون.**" سے مقتبس ہے اور اس میں تغییر یسیر (Minor Amendment) ہے یعنی اس میں "**إليه**" ذکر نہ کیا گیا اور ساتھ میں آخر پر وزن شعری کو بحال رکھنے کے لیے الف اشباع بھی لگا دیا گیا۔

وجہ تسمیہ: اقتباس کا لغوی معنی کہیں سے کوئی بات اخذ کرنا چونکہ اس صورت میں قرآن یا حدیث سے بات اخذ کی جاتی ہے اس لیے اس صورت کو اقتباس کہتے ہیں۔

(3): اَلتَّضْمِيْنُ وَيُسَمَّى الْإِيْدَاعَ هُوَ أَنْ يُضَمَّنَ الشِّعْرُ شَيْئًا مِنْ شِعْرٍ آخَرَ مَعَ التَّنْبِيْهِ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَشْتَهِرْ كَقَوْلِهِ:

إِذَا ضَاقَ صَدْرِيْ وَخِفْتُ العِدَا : تَمَثَّلْتُ بَيْتًا بِحَالِيْ يَلِيْقُ

فَبِاللهِ أَبْلُغُ مَا أَرْتَجِيْ : وَبِاللهِ أَدْفَعُ مَا لَا أُطِيْقُ

وَلَا بَأْسَ بِالتَّغْيِيْرِ الْيَسِيْرِ كَقَوْلِهِ:

أَقُوْلُ لِمَعْشَرٍ غَلِطُوْا وَغَضُّوا : مِنَ الشَّيْخِ الرَّشِيْدِ وَأَنْكَرُوْهُ

هُوَ ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعُ الثَّنَايَا : مَتَى يَضَعُ العِمَامَةَ تَعْرِفُوْهُ

...

ترجمہ: (3)**تضمین** اور اسکو **ایداع** کہا جاتا ہے اور وہ یہ کہ شعر کے ضمن میں کسی دوسرے شعر کا کچھ حصہ شامل کرنا اس پر تنبیہ کے ساتھ اگر وہ مشہور نہ ہو، جیسے اس کا قول: جب میرا سینہ تنگ ہو اور دشمنی کا خوف ہو تو میں اپنے حال کے مناسب شعر مثال بناتا ہوں پس میں اللہ ہی کی توفیق سے اپنی مراد کو پاتا ہوں اور اللہ ہی کی مدد سے ناقابل برداشت ضرر کو دور کرتا ہوں۔ اور تغییر یسیر میں حرج نہیں، جیسے اس کا قول: میں ایسی جماعت سے مخاطب ہوں جس نے عقلمند بوڑھے یہودی کا حق جاننے میں غلطی کی اور اس کو پہچاننے سے انکار کر دیا حالانکہ وہ ایک ایسا آدمی ہے جس کا معاملہ واضح ہے اور پریشانیوں میں ثابت قدم ہے جب وہ سر پر عمامہ رکھے گا تو تم لوگ اس کو تب ہی پہچانو گے۔

تشریح: تضمین کا دوسرا نام ایداع ہے اور تضمین سے مراد ہے کہ شاعر اپنے شعر میں کسی دوسرے شاعر کے شعر کا کچھ حصہ شامل کر لے اور چونکہ شامل کیے گئے شعر کے حصہ کی نسبت اصل شاعر کی طرف مشہور نہیں، اس لیے شامل کرنے والا اس پر تنبیہ کر دے کہ یہ شعر کا حصہ میرا اپنا نہیں بلکہ کسی اور شاعر کا ہے تاکہ سرقہ نہ ہو، جیسے دوسرا شعر یعنی "فباللہ أبلغ إلخ" شاعر نے اپنے شعر کا حصہ بنایا لیکن چونکہ یہ شعر شاعر کا اپنا نہیں اس لیے "تمثّلت" کہہ کر تنبیہ کر دی؛ کیونکہ تمثیل ہمیشہ ایسی شے سے دی جاتی ہے جو پہلے گزر چکی ہو اور یاد

رہے کہ تضمین میں تھوڑی بہت یعنی معمولی سی ترمیم روا ہے، جیسے: "**أقول لمعشر إلخ**" میں دوسرا شعر یعنی "**هو ابن جلا إلخ**" شاعر کا اپنا نہیں بلکہ سحیم بن وثیل کا ہے اور اس میں معمولی سی ترمیم کی ہے؛ کیونکہ اصل شعر ایسے تھا "**أنا ابن جلا وطلّاع الثنایا : متی أضع العمامة تعرفوني.**"۔

وجه تسمیه: "إیداع" کا لغوی معنی ہے ودیعت رکھنا یعنی امانت رکھنا چونکہ اس صورت میں شاعر دوسرے شاعر کا شعر اپنے شعر میں بطور ودیعت یعنی امانت شامل کرتا ہے اس لیے اس صورت کو ایداع کہتے ہیں۔

(4): اَلْعَقْدُ وَالْحَلُّ الْأَوَّلُ نَظْمُ الْمَنْثُوْرِ وَالثَّانِي نَثْرُ الْمَنْظُوْمِ فَالْأَوَّلُ نَحْوُ

وَالظُّلْمُ مِنْ شِيَمِ النُّفُوْسِ فَإِنْ تَجِدْ : ذَا عِفَّةٍ فَلِعِلَّةٍ لَا يَظْلِمُ

عُقِدَ فِيْهِ قَوْلُ حَكِيْمٍ :الظُّلْمُ مِنْ طِبَاعِ النَّفْسِ وَإِنَّمَا يَصُدُّهَا عَنْهُ إِحْدَى عِلَّتَيْنِ دِيْنِيَّةٌ وَهِيَ خَوْفُ الْمَعَادِ وَدُنْيَوِيَّةٌ وَهِيَ خَوْفُ الْعِقَابِ الدِّيْنَوِيِّ.

وَالثَّانِي نَحْوُ قَوْلِهِ:اَلْعِيَادَةُ سُنَّةٌ مَأْجُوْرَةٌ مَكْرُمَةٌ مَأْثُوْرَةٌ وَمَعَ هٰذَا فَنَحْنُ الْمَرْضَى وَنَحْنُ الْعُوَّادُ وَكُلُّ وَدَادٍ لَا يَدُوْمُ فَلَيْسَ بِوَدَادٍ وَحُلَّ فِيْهِ قَوْلُ الْقَائِلِ:

إِذَا مَرِضْنَا أَتَيْنَاكُمْ نَعُوْدُكُمْ : وَتَذْنِبُوْنَ فَنَأْتِيْكُمْ وَنَعْتَذِرُ

...

ترجمہ:(4)**عقد وحل** پہلا یہ کہ نثر کو نظم کی صورت دینا اور دوسرا یہ کہ نظم کو نثر کی صورت دینا، پس پہلا، جیسے:اور ظلم ایک نفسانی عادت ہے اگر تو کسی کو اس سے خالی پائے تو سمجھ لے وہ کسی وجہ سے ظلم نہیں کرتا۔اس میں کسی دانا کا قول عقد کیا گیا:ظلم نفسانی طبیعت ہے اور نفس کو اس سے دو باتوں میں سے ایک روکتی ہے دینی اور وہ آخرت کا ڈر ہے اور دنیاوی اور وہ دنیاوی سزا کا ڈر ہے۔اور دوسرا، جیسے اس کا قول: عیادت کرنا ایک ایسا طریقہ ہے جس پر ثواب ملتا ہے، ایسا اچھا کام ہے جو شروع سے چلتا آرہا ہے اور اس کے باوجود، ہم بیمار ہیں اور بیمار پرسی کرنے والے ہیں اور جو محبت دائمی نہ ہو وہ محبت نہیں۔اور اس میں قائل کا قول حل کیا گیا:جب ہم مریض ہونگے تو تمہارے پاس تمہاری عیادت کو آئیں گے اور تم گناہ کروگے تو ہم تمہارے پاس عذر کو آئیں گے۔

تشریح: یہاں پر دو اصطلاحات کو یکجا کیا گیا ہے عقد اور حل،عقد یہ ہے کہ نثر کو نظم میں ڈھالنا جبکہ حل نظم کو نثر میں ڈھالنا ہے، دونوں کی مثالیں عبارت میں واضح طور پر مذکور ہیں۔پہلی صورت میں "الظلم من طباع النفس إلخ"کلام منثور تھا جس کو شاعر نے "الظلم من شیم النفوس إلخ"کہہ کر نظم میں تبدیل کر

دیا جبکہ دوسری صورت میں "**إذا مرضنا أتينا كم إلخ**"کلام منظوم تھا جس کو متکلم نے "**العيادة سنة مأجورة إلخ**" کہہ کر کلام منثور بنا دیا۔

وجہ تسمیہ: عقد کا مطلب گرہ لگانا اور پختہ کرنا ہے گویا متکلم اس صورت میں نثر کو نظم میں تبدیل کر کے بات کو پختہ کرتا ہے اس لیے اس قسم کو عقد کا نام دیا جاتا ہے اور حل کا معنی رہا کرنا ہے، چونکہ متکلم اس صورت میں لفظوں کو شاعرانہ ترتیب کی قید سے رہا کرتا ہے اس لیے اس قسم کو حل کا نام دیا جاتا ہے۔

(5): اَلتَّلْمِيْحُ هُوَ أَنْ يُشِيْرَ الْمُتَكَلِّمُ فِيْ كَلَامِهٖ لِآيَةٍ أَوْ حَدِيْثٍ أَوْ شِعْرٍ مَشْهُوْرٍ أَوْ مَثَلٍ سَائِرٍ أَوْ قِصَّةٍ كَقَوْلِهٖ:

لَعَمْرٌو مَعَ الرَّمْضَاءِ وَالنَّارُ تَلْتَظِي : أَرَقُّ وَأَحْفَى مِنْكَ فِيْ سَاعَةِ الْكَرَبِ

أَشَارَ إِلَى الْبَيْتِ الْمَشْهُوْرِ وَهُوَ:

اَلْمُسْتَجِيْرُ بِعَمْرٍو عِنْدَ كُرْبَتِهٖ : كَالْمُسْتَجِيْرِ مِنَ الرَّمْضَاءِ بِالنَّارِ

...

ترجمہ:(5)**تلمیح** وہ یہ کہ متکلم اپنی گفتگو میں کسی آیت، حدیث، کسی مشہور شعر، معروف مثال یا قصہ کی طرف اشارہ کرے، جیسے اس کا قول: عمرو تپتی زمین پر اور بھڑکتی آگ میں ہونے کے باوجود پریشانی کے لمحات میں تجھ سے زیادہ رحمدل اور شفیق ہے۔ اس نے مشہور شعر کی طرف اشارہ کیا اور وہ یہ کہ پریشانی کے وقت عمرو کی پناہ چاہنے والا اس آدمی کی طرح ہے جو تپتی زمین سے آگ کے ذریعے پناہ لینے والا ہے۔

تشریح: تلمیح سے مراد یہ کہ متکلم اپنا کلام ایسے منہج پر لائے کہ کسی آیت، کسی حدیث، کسی معروف شعر، کسی معروف مثال یا قصہ کی طرف اشارہ ہو۔

1. **آیت کی طرف اشارہ:**

جیسے، کہا جائے: "فاسئل بكرا عن هذا الأمر إن لم يعلم زيد إذ فوق ذي علم عليم." یعنی اگر زید کے پاس اس مسئلہ کا حل نہیں تو بکر سے پوچھ لو؛ کیونکہ ہر علم والے کے اوپر کوئی علم والا ہوتا ہے۔ اس سے اشارہ ہے ایک آیت کی طرف اور وہ ہے: "وفوق كلّ ذي علم عليم[155]."۔

2. **حدیث کی طرف اشارہ:**

---

[155] سورة يوسف: الآية: 76.

جیسے، متکلم "لَاقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ." کہہ کر ایک حدیث کی طرف اشارہ کرے اور وہ ہے: "خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ[156]."۔

3. **مشہور شعر کی طرف اشارہ:**

جیسے: "**لعمرو مع الرمضاء والنار تلتظی.**" کہہ کر شاعر نے ابو تمام کے ایک مشہور شعر: "**المستجیر بعمرو إلخ**" کی طرف اشارہ کیا۔

4. **ضرب المثل کی طرف اشارہ:**

جیسے: "مَنْ غَابَ عَنْكُمْ نَسِيْتُمُوْهُ وَقَلْبُهُ عِنْدَكُمْ رَهِيْنُهُ." یعنی جو تمہاری نظروں سے غائب ہو گا تم اسے بھول جاؤ گے لیکن اس کا دل تمہارے ہاں مرھون رہے گا۔

وضاحت: اس شعر میں ایک ضرب المثل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ ہے: "وَمَنْ غَابَ عَنِ الْعَيْنِ فَقَدْ غَابَ عَنِ القَلْبِ." یعنی جو نظروں سے غائب ہو گا وہ دل سے غائب ہو جائے گا۔

5. **مشہور قصہ کی طرف اشارہ:**

جیسے: "**أحكم كحكم فتاة الحي إذ نظرت.**" یعنی جب میں گہری نظر کرونگا تو قبیلہ کی دوشیزہ جیسا حکم کرونگا۔

وضاحت: اس سے نابغہ نامی شاعر نے زرقاء الیمامہ کے قصہ کی طرف اشارہ کیا۔ زرقاء الیمامہ جدیس قبیلہ سے تعلق رکھنے والی ایک نیلی آنکھوں والی لڑکی تھی۔ اس کا اصلی نام عنز تھا اور اس کی نظر اس قدر تیز تھی کہ دودھ میں سفید بال دیکھ لیا کرتی تھی۔ اس کا تفصیلی قصہ حاشیہ میں ملاحظہ ہو[157]۔

---

[156] سنن الترمذي، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في معاشرة الناس: 3/397.

[157] كانت زرقاء اليمامة تستطيع أن ترى على مسيرة يومين ويقال بأنّ هناك رجل يدعى رياح بن مرة وكان وزيرا لملك يُدعى حسان وفي ذات يوم قال رياح لملكه أيها الملك إن لي أختا متزوجة في مدينة جديس وتدعى زرقاء تقدر على رؤية شخص من مسيرة تعادل يوما وليلة كاملة وإنّي أخاف أن تنظرنا وتحذّر قومها فيستعدوا لنا ولذلك أمر رجال قومه بأن يقطعوا أغصان الأشجار ويتخفوا

وجہ تسمیہ: تلمیح کا لغوی معنی ہے اشارہ کرنا، چونکہ متکلم اپنی گفتگو میں کسی آیت، حدیث، مثل یا قصہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اس لیے اس قسم کو تلمیح کہتے ہیں۔

وراءها من أجل الاحتيال على زرقاء اليمامة وأمرهم الملك بتنفيذ ذلك في الليل ولكن رياح ردّ على الملك قائلا إنّ بصرها أقوى بالليل ولكن الجيش سار بالليل واختبأ وراء الأشجار المقطوعة وعندما اقتربوا من اليمامة شاهدتهم زرقاء وقالت لقومها يا آل جديس لقد سارت إليكم الأشجار وأتتكم أوائل خيل حمير وهو جيش الأعداء فما كان جواب قومها إلا أن كذّبوها وسخروا منها ونتيجة لذلك أتتهم جيوش الأعداء وفاجأتهم وغلبتهم ودخلوا المدينة وأمسكوا بها وسألها ملك الأعداء ماذا رأيت؟ فقالت رأيت الشجر خلفها بشر فما كان من الملك إلا أن قلع عينيها وأمر بصلبها على باب المدينة ومن يومها تمّ تغيير اسم المدينة من جديس أو جو كما ذكرت المراجع والكتب إلى اليمامة وأصبح اسم زرقاء اليمامة من أشهر الشخصيات العربية القديمة.

(6): حُسْنُ الْاِبْتِدَاءِ هُوَ أَنْ يَجْعَلَ الْمُتَكَلِّمُ مَبْدَءَ كَلَامِهِ عَذْبَ اللَّفْظِ حُسْنَ السَّبْكِ صَحِيْحَ الْمَعْنَى فَإِذَا اشْتَمَلَ عَلَى إِشَارَةٍ لَطِيْفَةٍ إِلَى الْمَقْصُوْدِ سُمِّيَ بَرَاعَةَ الْإِسْتِهْلَالِ كَقَوْلِهِ فِيْ تَهْنِئَةٍ بِزَوَالِ مَرَضٍ:

اَلْمَجْدُ عُوْفِيَ إِذْ عُوْفِيْتَ وَالْكَرَمُ : وَزَالَ عَنْكَ إِلَى أَعْدَائِكَ السَّقَمُ

وَكَقَوْلِ الْآخَرِ فِي التَّهْنِئَةِ بِبِنَاءِ قَصْرٍ:

قَصْرٌ عَلَيْهِ تَحِيَّةٌ وَّسَلَامٌ : خَلَعَتْ عَلَيْهِ جَمَالَهَا الْأَيَّامُ

...

ترجمہ: (6) **حسن ابتداء** وہ یہ کہ متکلم اپنے کلام کی ابتدا شیریں الفاظ، عمدہ تراکیب اور صحیح المعنی لفظوں سے کرے پس جب یہی الفاظ مقصود کی طرف اشارہ لطیفہ کریں تو اسے **براعۃ استھلال** کہتے ہیں، جیسے اس کا قول مرض کے زوال پر مبارک باد دینے کے لیے: بزرگی اور سخاوت نے تب شفا پائی جب آپ شفایاب ہوئے اور بیماری نے آپ سے آپ کے دشمنوں کی طرف کوچ کیا۔ اور دوسرے کا قول محل کی تعمیر پر مبارکباد دینے کے لیے: ایسے محل پر دعا وسلامتی ہو بے شک زمانے نے اسے اپنا جمال بخشا۔

تشریح: حسن ابتدا میں متکلم اپنی گفتگو کی ابتدا ایسے لفظوں سے کرتا ہے جن میں تین خوبیاں ہوتی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:۔

1. مانوس الاستعمال ہوں یعنی ان میں تنافر اور ثقل نہ ہو۔
2. واضح المراد ہوں یعنی ان میں تعقید وغیرہ نہ ہو۔
3. صحیح المعنی ہوں یعنی ان کے معنی میں مخالفتِ عرف وغیرہ نہ ہو۔

جیسے، پہلے شعر کی ابتدا ابو طیب نے اپنے ممدوح سیف الدولہ کو مرض سے شفایابی پر مبارکباد دیتے ہوئے ایسے لفظوں سے کی جو مانوسۃ الاستعمال، واضح المراد اور صحیح المعنی ہیں اور وہ مرض سے حصول عافیت والے الفاظ ہیں اور ساتھ میں مقصود (براعۃ استہلال) یعنی بشارۃ بالعافیۃ کی طرف بھی اشارہ کر رہے ہیں۔ دوسرے شعر میں محل

کی تعمیر پر صاحبِ محل کو مبارکباد دینے کے لیے جن الفاظ کا انتخاب کیا گیا وہ الفاظ عذوبہ، واضح المراد اور صحیح المعنی ہیں اور ساتھ میں مقصود یعنی تعمیر پر مبارکباد کی طرف لطیف اشارہ پر مشتمل ہیں۔

وجہ تسمیہ: حسن الابتداء کا لغوی معنی ابتدا کا حسین ہونا ہے چونکہ متکلم اپنے کلام کی ابتدا حسین الفاظ سے کرتا ہے اس لیے اس قسم کو حسن الابتداء کہتے ہیں۔ اور براعۃ الاستہلال کا معنی ہے کسی بھی شے کے اول حصہ کا فضل میں کامل ہونا، چونکہ متکلم کی گفتگو کا اول حصہ فضل و شرف میں اس درجہ کمال رکھتا ہے کہ مقصود کی طرف بھی اشارہ کر دیتا ہے، اس لیے اس صورت کو براعۃ الاستہلال کا نام دیا گیا ہے۔

(7): حُسْنُ التَّخَلُّصِ هُوَ الْاِنْتِقَالُ مِمَّا افْتُتِحَ بِهِ الْكَلَامُ إِلَى الْمَقْصُوْدِ مَعَ رِعَايَةِ الْمُنَاسَبَةِ بَيْنَهُمَا كَقَوْلِهِ:

دَعَتِ النَوَى بِفِرَاقِهِمْ فَتَشَتَّتُوْا : وَقَضَى الزَّمَانُ بَيْنَهُمْ فَتَبَدَّدُوْا

دَهْرٌ ذَمِيْمُ الْحَالَتَيْنِ فَمَا بِهِ: شَيْءٌ سِوَى جُوْدِ بنِ أَرْتَقَ يُحْمَدُ

...

ترجمہ: (7) **حسن تخلص** وہ یہ کہ جس بات سے کلام کا افتتاح ہوا اس سے مقصود کی طرف لوٹنا، دونوں کے درمیان مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے، جیسے اس کا قول: دوری نے ان کا فراق چاہا تو وہ انتشار کا شکار ہو گئے اور زمانے نے ان کے درمیان فیصلہ کیا تو وہ بکھر گئے۔ زمانہ دونوں حالتوں میں برا ہے اس میں کچھ خیر نہیں سوا ابنِ ارتق کی سخاوت کے جو قابلِ ستائش ہے۔

تشریح: حسن تخلص سے مراد یہ ہے کہ متکلم نے جس پوائنٹ سے اپنی گفتگو شروع کی تھی اس کو چھوڑ کر اپنے مقصد پر گفتگو شروع کر دے اور یادر ہے کہ دونوں یعنی پوائنٹ اور مقصد کے درمیان مناسبت ہو، جیسے شاعر نے دوسرے بیت میں زمانہ اور اس کے اندر پائی جانے والی چیزوں کی مذمت سے ابتدا کر کے مقصود یعنی ممدوح کی سخاوت پر گفتگو کی انتہا کی اور یقیناً مذمت اور مدح میں مناسبت ہے۔

وجہ تسمیہ: حسن تخلص کا معنی احسن طریقہ سے خلاصی چاہنا، چونکہ متکلم بطریق احسن اپنے افتتاحی پوائنٹ سے خلاصی پا کر اپنے مقصود کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اس لیے اس قسم کو حسن تخلص کہتے ہیں۔

(8): بَرَاعَةُ الطَّلَبِ هُوَ أَنْ يُشِيْرَ الطَّالِبُ إِلَى مَا فِيْ نَفْسِهِ دُوْنَ أَنْ يُصَرِّحَ فِي الطَّلَبِ كَمَا فِيْ قَوْلِهِ:

وَفِي النَّفْسِ حَاجَاتٌ وَفِيْكَ فَطَانَةٌ : سُكُوْتِيْ كَلَامٌ عِنْدَهَا وَخِطَابٌ

...

ترجمہ:(8)**براعتِ طلب** وہ یہ کہ طالب اپنے مطلب کی طرف صرف اشارہ کرے، مطلب کی تصریح نہ کرے جیسا کہ اس کے قول میں ہے:اور میرے دل میں بہت ساری مرادیں ہیں اور تو ذہین ہے لہذا اس وقت میری خاموشی ہی تیرے لیے کلام ہے۔

تشریح: براعتِ طلب میں طالب اپنے مطلب کی طرف صرف اشارہ کرتا ہے واضح نہیں کرتا، جیسے ذکر کردہ شعر میں شاعر نے مخاطب کو اپنے مطالب اشارۃً بتائے ہیں، ان کی تصریح نہیں کی۔

وجہ تسمیہ: براعۃ الطلب کا معنیٰ طلب کا شاندار ہونا چونکہ اس صورت میں متکلم کا مخاطب کے سامنے اندازِ طلب شاندار ہوتا ہے اس لیے اس صورت کا نام براعۃ الطلب ہے۔

(9):حُسْنُ الْاِنْتِهَاءِ هُوَ أَنْ يُجْعَلَ آخِرُ الْكَلَامِ عَذْبَ اللَّفْظِ حُسْنَ السَّبْكِ صَحِيْحَ الْمَعْنَى فَإِنِ اشْتَمَلَ عَلَى مَا يُشْعِرُ بِالْاِنْتِهَاءِ سُمِّيَ بَرَاعَةَ الْمَقْطَعِ كَقَوْلِهٖ:

بَقِيْتَ بَقَاءَ الدَّهْرِ يَا كَهْفَ أَهْلِهٖ : وَهٰذَا دُعَاءٌ لِلْبَرِيَّةِ شَامِلُ

...

ترجمہ: (9)**حسن انتہاء** وہ یہ کہ کلام کے آخر پر ایسے الفاظ ذکر کیے جائیں جو شیریں ہوں، عمدہ تراکیب رکھتے ہوں اور صحیح المعنی ہوں پس اگر کلام کا آخر اُس کو شامل ہو جو انتہا کا شعور دلائے تو اسے **براعة المقطع** کہتے ہیں، جیسے اس کا قول: اے اہل زماں کی جائے پناہ! تو زمانے کی بقا تک باقی رہے اور یہ مخلوق کے حق میں دعا ہے جو سب کو شامل ہے۔

تشریح: حسن انتہا میں متکلم اپنی گفتگو کا اختتام ایسے لفظوں پر کرتا ہے جن میں تین خوبیاں ہوتی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:۔

1. مانوس الاستعمال ہوں یعنی ان میں تنافر اور ثقل نہ ہو۔
2. واضح المراد ہوں یعنی ان میں تعقید وغیرہ نہ ہو۔
3. صحیح المعنی ہوں یعنی ان کے معنی میں مخالفتِ عرف وغیرہ نہ ہو۔

یادرہے اختتامی الفاظ سے اگر اختتامِ کلام کا شعور ملے تو یہ براعۃ المقطع ہے، جیسے ذکر کردہ شعر کا اختتام دعا پر ہوا ہے اور دعائیہ الفاظ میں مذکورہ تینوں خصوصیات موجود ہوتی ہیں اور دعا عمومی طور پر کلام کی انتہا کا پتہ دیتی ہے لہٰذا اس شعر میں براعۃ المقطع بھی موجود ہے۔

وجہ تسمیہ: حسن الانتہاء کا لغوی معنی انتہا کا حسین ہونا، چونکہ متکلم اپنے کلام کی انتہا حسین الفاظ پر کرتا ہے اس لیے اس قسم کو حسن الانتہاء کہتے ہیں۔ اور براعۃ المقطع کا معنی ہے کسی بھی شے کے آخر کا فضل وشرف میں کامل ہونا، چونکہ متکلم کی گفتگو کا آخر فضل وشرف میں اس درجہ کمال رکھتا ہے کہ کلام کے اختتام کی طرف بھی اشارہ ہو جاتا ہے اس لیے اس صورت کو براعۃ المقطع کہتے ہیں۔

مصنف کی دیگر کتب

دار الكتب البحثية